A REVIEW ON THE SYSTEM OF *DA'WA* (CLAIM) IN ISLAM

"بیّنہ" کا مفہوم و مصداق اور مراد

الفت حسین ایم، فل اسکالر

عبدالعلی اچکزئی جامعہ بلوچستان، کوئٹہ

ABSTARCT: Islam is the complete code of life. It deals with the all aspects of life. One of the aspects of life is Da'wa (claim). State or assert that something is the case, typically without providing evidence or proof is called Da'wa (claim). The Legitimacy of Da'wa (claim) is proved from the early scholars. There are basically three types of Da'wa (claim). (1) *Da'wa Sahih* (right Da'wa) (2) *Da'wa Fasid* (Corrupt claim) (3) *Da'wa Batil* (False claim). The Ruling of Da'wa (claim) is, when the claim is filed correctly according to its terms, the ruler have to do justice. Sources of proving claim in Hanfi schools of thought are as follow: 1) Endorsement 2) Testimony 3) Right 4) We talk about the right 5) *Qarina e Qatiya* 6) Knowledge of Judge 7) Quotes They are referred to as the *"Beeyana"* in the phrase of jurisprudence. Hearing of claim is unanimously agreed by all schools of thoughts. The duration for the hearing are of two types, firstly, when it is set up by the *Fuqaha*, its duration is 32 years and it is unchangeable. Secondly, when it is set up by the ruler, its duration is 15 years and it is changeable. In today's era form submission of case to its hearing in court are different stages which are as follow: 1) first pleading to suit 2) orders 3) payment to a witness for giving evidence in court 4) summons, order to appear in court 5) Application in the name of Tehsildar 6) reply of Claim 7) list of witnesses (plaintiff and Mediator) 8) list of parents (plaintiff and Mediator) 9) Topic of Claim 10) Template degree 11) Decision 12) Registered.

KEYWORDS: Claim, Islamic concept of claim, prove of claim, how to prove claim in Islam.

عدالتی اصطلاح میں اگر خصم مدعیٰ علیہ نے مدعی کے دعویٰ کا انکار کیا تو مدعی سے "بینہ" کا مطالبہ کیا جائے گا۔ خود بینہ سے کیا مراد ہے اور اس کے ذیل میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں، آیئے ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں ۔

بینہ کا لغوی مفہوم : "بَیِّنَۃٌ" بَانَ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنٰی ہیں: واضح ہونا، ظاہر ہونا، کہا جاتا ہے : بان الشیٔ بیانا: ظھر و اتضح"۔ یعنی معاملہ صاف و واضح ہو گیا۔ (۱)

بینہ کا اصطلاحی مفہوم :

کسی معاملہ کو ثابت کرنے کے جو ذرائع و طُرق ہوں ان کو " بَیِّنَہ " کہا جاتا ہے۔ **علامہ فوزان لکھتے ہیں :** "والبینات: جمع بینۃ، وہی العلامۃ الواضحۃ، وھی کل ما یبین الحق من شھود او یمین۔ (۲) **ترجمہ: بینات " بینۃ" کی جمع ہے۔ بینہ لغت میں واضح علامت، نشانی کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق کو واضح بیان کرے یعنی گواہ، یا قسم وغیرہ وغیرہ. علامہ طرابلسیؒ لکھتے ہیں** " :اعلم ان البینۃ اسم لکل ما یبین الحق ویظھرہ ۔ وسمی النبی الشھود بینۃ لوقوع البیان بقولھم ، وارتفاع الاشکال بشھادتھم لوقوع البیان بقول الرسول علیہ الصلاۃ والسلام قالہ احمد بن موسیٰ بن نصر الخولی فی کتاب الحسبۃ ۔ وقال ابن قیم الجوزیۃ : ولم تأت البینۃ فی القرآن الکریم مراداً بھا الشھود ،وانما اتت مراداً بھا لحجۃ ،والدلیل ، والبرھان مفردۃ او مجموعۃ ...... "۔ ۳ (3) **ترجمہ: الغرض**

بینہ نام ہے ہر اس چیز کا جو حق کو واضح اور ظاہر کر دے۔ نبی نے گواہوں کو بینہ سے اس لیے موسوم فرمایا کہ ان کی گواہی سے وضاحت ہو جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ یہ بات علامہ خولی نے اپنی کتاب " الحسبۃ" میں بیان فرمائی ہے۔ ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں لفظ " بینہ" سے مراد صرف گواہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد " حجت، دلیل، برھان" ہے چاہے وہ اکیلے ہوں یا ان کا مجموعہ ہو۔

وجہ تسمیہ:

بینہ کو بینہ کیوں کہا جاتا ہے؟ سو اس لیے کہ بینہ کے اصل معنی ظاہر کرنے والے کے ہیں چونکہ یہی ذرائع ہیں جو حق کو ثابت اور واضح کرتے ہیں، اس لیے ان کو " بینہ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ الغرض بینہ سے مراد وہ واضح اور حتمی ثبوت ہے جس سے کسی دعویٰ یا بیان کی صداقت و حقانیت واضح ہو جائے۔ بینہ سے صرف شہادت گواہی مراد نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بینہ کی بہت ساری اقسام میں سے ایک اہم قسم شہادت ہے۔ قرآن مجید، احادیث طیبہ اور صحابہ کرام کے اقوال میں جہاں جہاں لفظِ " بیّنۃ" کا استعمال ہوا ہے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق کو پورے طور پر واضح اور پورے طور پر ثابت کر دے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں :

(۱الف) لقد ارسلنا رسلنا بالبینات﴾ (4) ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو حق کی واضح اور کھلی نشانیاں دے کر بھیجا ہے۔

(ب) قل انی علیٰ بینۃ من ربی۔ (5) آپ کہہ دیجیے کہ میں اس واضح اور قطعی دلیل پر قائم ہوں جو میرے رب کی طرف سے آئی ہے۔

(ج آتیناھم کتابا فھم علیٰ بینۃ منہ﴾ (6) ترجمہ: ہم نے ان لوگوں کو کتاب دی پس اب وہ اس کے فراہم کردہ ایک واضح دلیل رکھتے ہیں۔

ایسی آیات قرآن مجید میں بے شمار ہیں، ان میں سے کسی بھی آیت میں " بَیِّنَۃ" کا لفظ گواہوں کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح حدیث مبارکہ جس میں ہے کہ رسول اللہ نے مدعی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس بینہ ہے؟ یا اس خط میں حضرت عمرؓ نے لکھا: بینہ مدعی کے ذمہ ہے" تو ان سب جگہ بینہ سے مراد ہے " وہ واضح اور حتمی ثبوت جس سے کسی دعویٰ یا بیان کی صداقت واضح ہو جائے۔ لہذا اس لفظ کے عمومی معنی اور مفہوم کو گواہوں کی طے شدہ تعداد سے محدود کرنا صحیح نہیں۔ گواہی بھی بینہ کی بہت سی اقسام میں سے ایک ہے، بینہ کے ان بہت سے معانی کو ختم کر کے صرف گواہی کے معنی لینے کے بڑے خطرناک نتائج نکلے ہیں اور بہت سے حقداروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ہر معاملہ میں گواہوں پر اصرار کرنے اور دیگر ذرائع ثبوت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے ظالم اور حق ناشناس لوگوں کو صرف اس وجہ سے کھیل کھیلنے کا موقعہ ملا کہ ان کو یقین تھا کہ ان کی حرکت کی گواہی دینے والے دو گواہ دستیاب نہ ہوں گے اگر بینہ کے قرآنی معنی و مفہوم کو سامنے رکھا جاتا تو یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ (7)

ڈاکٹر احمد حُصری لکھتے ہیں: "یریٰ بعض الفقھاء ان البینۃ لیست محصورۃ فی شھادۃ الشھود ،بل شھادۃ الشھود ھی احدیٰ انواع البینات الشرعیۃ ۔ فالبینۃ ھی کل ما یبین الحق ویظھرہ ، ھی حجۃ المدعی علی دعواہ ،وان من خص البینۃ بشھادۃ الشھود لو یوف البینۃ مسماھا لم

یعطھا حقھا من البیان بل ھو رجوع عما قصدہ الشارع من اظھار الحق واقامۃ الدلیل ۔ والقول بان البینۃ وردت فی القرآن او السنۃ مراداً بھا شھادۃ الشھود فقط قول لا یجد لہ سنداً من واقع القرآن الکریم او سنۃ رسول اللہ ۔ صلوات اللہ علیہ وسلم ۔ بل لقد اتت فیھا مراداً بھا الحجۃ ،والدلیل والبرھان مفردۃ و مجموعۃ ۔ وقول رسول اللہ : البینۃ علی المدعی ، المراد بہ ان علی المدعی ان یصحح دعواہ باقامۃ الدلیل علیھا لیحکم لہ ۔والشاھدان من البینۃ ،ولا ریب ان غیرھا من انواع البینات قد اقویٰ منھا کدلالۃ الحال علی صدق المدعی "۔[8]

ترجمہ: بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بینہ صرف شہادت میں منحصر نہیں ہے، بلکہ شہادت بینات شرعیہؒ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ پس بینہ مدعی کی حجت ہے۔ جس نے بینہ کو صرف شہادت کے ساتھ مختص کیا ہے، اس نے بینہ کے مفہوم کو کماحقہ ادا نہیں کیا ہے اور اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، بلکہ در حقیقت اس نے بینہ کو اس مفہوم سے پھیر دیا ہے جس مفہوم کے لیے قرآن وسنت میں استعمال ہوا ہے۔ یہ کہنا کہ قرآن وسنت میں بینہ سے مرادُ شہادت شہودؐ ہے یہ ایسا قول ہے جس کی تائید میں کوئی ایک آیت کریمہ یا کوئی حدیث طیبہ نہیں ہے، قرآن وسنت میں اس سے مرادُ حجت، دلیل، چاہے اکیلے ہوں یا ان کا مجموعہ، ہے۔ اللہ کے رسول کے قولُ البینۃ علی المدعیؒ سے مراد یہ ہے کہ مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو دلائل وثبوت سے مبرہن ومزین کرے تاکہ اس کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔ دو گواہ بھی بینہ کے مصداق میں داخل ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ شہادت کے علاوہ دوسرے طرق وذرائع کبھی کبھار اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں، جیسے مدعی کی صداقت پر قرینہ حالیہ۔

بینہ کی اقسام اور تعداد :

جب یہ معلوم ہوا کہ بینہ سے مراد وہ واضح اور حتمی ثبوت ہیں جن سے کسی دعویٰ کی حقانیت وصداقت نکھر کر آفتاب وماہتاب کی طرح واضح ہو جائے تو اَب یہ دیکھنا ہے کہ بینہ کی اقسام کتنی ہیں اور کون کونسی ہیں۔

فقہ حنفی میں وہ طرق وذرائع جن سے کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے، سات ہیں :

1- شہادت۔
2- اقرار۔
3- یمین/حلف قسم
4- نکول عن الیمین (قسم کھانے سے انکار کرنا)
5- قسامۃ۔
6- قرینہ قاطعہ۔
7- علمِ قاضی۔ [9]

علامہ جارمؒ نے ان کو منظوم کیا ہے" : قد نظم الشریف الحموی طرق القضاء بقولہ :

"ساھدی لمن رام القضاء طرقا لہ ۔ بہ یھتدی ان مظلم الخطب المعضلا

یمین ، واقرار، نکول ، قسامۃ ۔ وبینۃ علم بہ یا اخا العلا
کذٰلک الذی یبدو لہ من قرائن ۔ اذ ابلغت حد الیقین محصلا ۔
طحطاوی ۔ ولا یخفی ان ما ذکرہ فی النظم اقسام للحجۃ لا طرق للقضاء ، اذ طرقہ الدعویٰ ،والحجۃ کما قال المصنف ۔ فتدبر ۔ " (10)

ترجمہ: علامہ حمویؒ نے فیصلہ کرنے کے ذرائع وطرق کو منظوم کیاہے جو کہ یہ ہیں :

جو قضاء کا خواہاں ہے،اس کے لیے میں طرق قضاء فیصلہ کرنے کے طریقوں کی راہنمائی کروں گا۔اسی سے واضح ہو گا کہ وہ مشکل ترین وصعب ترین مسئلہ ہے۔ وہ طریقے یہ ہیں قسم،اقرار، نکول، قسامہ،بینہ،علم قاضی اے میرے بھائی۔اسی طرح وہ قرائن جو یقین کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔طحطاوی یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ جن کو نظم میں بیان کیا گیاہے،وہ حجت کی اقسام ہیں نہ کہ قضاء کے طرق کیونکہ قضاء کا طریقہ دعویٰ ہے، حجت تو وہ ہے جس کو مصنف نے بیان کیا۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

الْحُجَّةُ بَيِّنَةٌ عَادِلَةٌ أَوْ إقْرَارٌ أَوْ نُكُولٌ عَنْ يَمِينٍ أَوْ يَمِينٌ أَوْ قَسَامَةٌ أَوْ عِلْمُ الْقَاضِي بَعْدَ تَوْلِيَتِهِ أَوْ قَرِينَةٌ قَاطِعَةٌ.(11)

ترجمہ: حجت کی اقسام (یہ) ہیں: بینہ عادلہ،اقرار، نکول عن الیمین (قسم کھانے سے انکار کرنا)، قسم، قسامۃ، منصب قضاء کے سنبھالنے کے بعد قاضی کی معلومات،قرینہ قاطعہ۔

لیکن ان میں سے "علم قاضی" بالاتفاق مرجوح فیہ ہے، جیسا کہ حاشیہ ابن عابدین میں ہے :

......قَوْلُہُ اِلَّا اَنَّ الْمُعْتَمَدَ اَیْ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِینَ لِفَسَادِ قُضَاةِ الزَّمَانِ ، وَعِبَارَةُ الْاَشْبَاهِ : الْفَتْوَى الْيَوْمَ عَلَى عَدَمِ الْعَمَلِ بِعِلْمِ الْقَاضِی فِی زَمَانِنَا كَمَا فِی جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ "۔ا ۔ (12)

ترجمہ: متأخرین فقہاء کے نزدیک فسادِ زمانہ کی وجہ سے مطلقاً علم قاضی کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے......۔

قرینہ قاطعہ کے حجت ہونے میں علماء احناف کا اتفاق ہے۔علامہ ابن الغرس نے قرینہ قاطعہ کو حجج معتبرہ میں سے شمار کیاہے، چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں: والحجۃ : اما البینۃ ، او الاقرار ، او الیمین ، او النکول عنہ ، او القسامۃ ،او علم القاضی بما یرید ان یحکم بہ ، او القرائن الدالۃ علی ما یطلب الحکم بہ دلالۃ واضحۃ بحیث تصیر ہ فی حیز المقطوع بہ ۔ (13)

ترجمہ: حجت (دلیل) بینہ،اقرار، قسم، قسم سے انکار، قسامۃ، علم قاضی (وہ معلومات جو اس کو عہدہ قضاء کے سنبھالنے کے بعد حاصل ہوئی ہیں) ایسا قرینہ قاطعہ جو اس کو یقین کی حد تک پہنچائے۔

دیگر علماء نے آپ سے اتفاق نہیں کیاہے، بلکہ اس کی تردید کی ہے، چنانچہ " منحۃ الخالق "میں ہے : "لکن فی حاشیۃ الرملی علی المنح : ولا شک فی ان مازادہ ابن الغرس غریب خارج عن الجادۃ فلا ینبغی التعویل علیہ ما لم یعضدہ نقل من کتاب معتمد فلا تغتر بہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم " ۔(14)

ترجمہ: حاشیہ رملی علی المنح میں ہے کہ علامہ ابن الغرسؒ نے جس قرینہ قاطعہ کا اضافہ کیاہے،اس میں شک نہیں کہ جادہ مستقیم سے خارج ہے،اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جب تک کسی معتبر کتاب سے اس کو تائید نہ مل جائے،اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔

علامہ ابن القیمؒ نے قرائن کو حجج معتبرہ میں شمار کیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: فَالشَّارِعُ لَمْ يُلْغِ الْقَرَائِنَ وَالْأَمَارَاتِ وَدَلَالَاتِ الْأَحْوَالِ، بَلْ مَنْ اسْتَقْرَأَ الشَّرْعَ فِي مَصَادِرِهِ وَمَوَارِدِهِ وَجَدَهُ شَاهِدًا لَهَا بِالِاعْتِبَارِ، مُرَتِّبًا عَلَيْهَا الْأَحْكَامَ۔ [15]

ترجمہ: پس شارع دین نے قرائن، امارات اور دلالت احوال کو بالکل لغو قرار نہیں دیا ہے، بلکہ شریعت کو اس کے بنیادی مآخذ و مصادر کی روشنی میں مطالعہ کرے گا، وہ محسوس کرے گا کہ شریعت نے قرائن کا اعتبار کیا ہے اور کئی احکامات کی بنیاد ان پر رکھی ہے۔

مشہور حنفی عالم اور قاضی علامہ طرابلسیؒ لکھتے ہیں: قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: عَلَى النَّاظِرِ أَنْ يَلْحَظَ الْأَمَارَاتِ وَالْعَلَامَاتِ إذَا تَعَارَضَتْ، فَمَا تَرَجَّحَ مِنْهَا قَضَى بِجَانِبِ التَّرْجِيحِ، وَهُوَ قُوَّةُ التُّهْمَةِ، وَلَا خِلَافَ فِي الْحُكْمِ بِهَا، وَقَدْ جَاءَ الْعَمَلُ بِهَا فِي مَسَائِلَ اتَّفَقَ عَلَيْهَا الطَّوَائِفُ الْأَرْبَعُ مِنْ الْفُقَهَاءِ.

ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب امارات و علامتیں باہم متعارض ہوں تو فیصلہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ قرائن کا اچھی طرح ملاحظہ کرے اور ان میں سے جو راجح ہو، اس کو ترجیح دے کر اس کے مطابق فیصلہ کرے اور وہ قوتِ تہمت ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ کرنے میں اختلاف نہیں ہے اور مذاہب اربعہ میں اس پر عمل کرنے میں اتفاق ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے چوبیس (25) ایسے مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں فقہاء کرام نے قرینہ کی بنیاد پر فیصلہ کو جائز قرار دیا ہے۔[16] مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں بھی قرینہ قاطعہ کو اثبات دعویٰ کے طرق و ذرائع میں شامل کیا گیا ہے، چنانچہ مجلہ کے مادہ نمبر: 1740 میں ہے: القرینۃ القاطعۃ : احد اسباب الحکم ایضاً۔ [17] ترجمہ: اثباتِ حکم (دعویٰ) کے اسباب میں سے ایک سبب قرینہ قاطعہ بھی ہے۔

مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی میں ہے: الرای الراجح : بعد استعراض ادلۃ القائلین بحجیۃ القرائن ،وادلۃ المانعین ،یظھر لنا بکل جلاء و وضوح بان الرای القائل بحجیۃ القرائن ،والعمل بھا ،وانھا من طرق الاثبات ھو الرای الراجح الذی تطمئن الیہ النفس ، ویرتاح لہ الضمیر ، ویشعر الانسان معہ بالاطمئنان حیث یستطیع بھا اقامۃ العدل بین الناس وایصال الحقوق الی اصحابھا ۔[18]

ترجمہ: راجح قول: مجوزین و ممانعین کے دلائل ک وپر کھنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ حجیت قرائن کے قائلین اور اس کو طرق اثبات میں سے شمار کرنے والوں کی رائے راجح ہے۔ اس سے نفس مطمئن ہوتا ہے، ضمیر کو راحت ملتی ہے اور انسان سکھ کا سانس لیتا ہے کیونکہ اس رائے کے بدولت عدل و انصاف کا بول بالا کرنے اور حق صاحبِ حق تک پہنچانا ممکن ہوتا ہے۔

علامہ ابن القیمؒ قرینہ کے حجت نہ ہونے والوں کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے: ومن اھدر الامارات ،والعلامات فی الشرع بالکلیۃ ، فقد عطل کثیراً من الاحکام ، ووضع کثیراً من الحقوق ۔ [19] ترجمہ: جس نے امارات و علامات کو کلیتاً نظر انداز کیا، تحقیق اس نے کئی شرعی احکام کو معطل اور بہت سے حقوق کو ضائع کیا۔

الغرض کسی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے بنیادی ذرائع تین ہیں:

1- مدعی کی طرف سے مطلوبہ شہادت کی پیش کش۔

2- ثبوت نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ کا قسم یمین کھانا۔

3- اور مدعا علیہ کا قسم کھانے سے انکار جس کو" نکول عن الحلف" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اقرار مجازاً بینہ میں داخل ہے، قسامہ در حقیقت یمین میں داخل ہے، علم قاضی مرجوح ہے، قرینہ قاطعہ کو صرف علامہ ابن الغرسؒ نے ذکر کیا ہے[20] ، لیکن مجلہ کے مدونین نے" قرینہ قاطعہ" کو بھی" حجج معتبرہ"[21] کے ضمن میں بیان کیا ہے اور متاخرین احناف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔[22]

خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ ذرائع جن سے فقہ حنفی میں کسی چیز کو ثابت کیا جا سکتا ہے، سات ہیں :

1-اقرار۔

2-شہادت گواہی

3-یمین/حلف قسم

4-نکول عن الیمین قسم کھانے سے انکار کرنا

5-قسامہ۔

6-علم قاضی۔

7- قرینہ قاطعہ

ان میں سے کچھ متفق فیہ، کچھ مختلف فیہ اور کچھ مرجوح ہیں۔ (23)

حواشی وحوالہ جات

1. ابراہیم مصطفیٰ وآخرون. المعجم الوسیط،مصر: مکتبہ شاملہ سی ڈی ،سن ندارد،ج ۱،ص ۹۷، مادہ : بان.
2. الفوزان، صالح بن فوزان. الملخص الفقھی ،ریاض سعودیہ : دار العاصمۃ ، 1423ھ ،باب فی بیان الدعاوی والبینات .ج ۲،ص، 642
3. الطرابلسی، علاؤ الدین، ابوالحسن علی بن خلیل معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام، پشاور: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک، 1393ھ / 1673۔ الفصل الاول فی التعریف بحقیقتھا ،وموضوعھا شرعاً. ص : ۸۶
4. القرآن، الحدید،57: 25.
5. القرآن، الانعام ،۶: 57.
6. القرآن، الفاطر،35: 40.

7. الجوزی، ابو عبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم، الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ .بیروت: المکتبۃ التجاریۃ ،1416 ھ / 1996 ۔ص:16، 17 : 37 ، الجوزی ، شمس الدین ابو عبداللہ محمدبن ابی بکر بن قیم،اعلام الموقعین عن رب العالمین بیروت: دار الجیل، سن ندرد ،ج۱،ص 90، 91۔

8. الحصری، الدکتور احمد،علم القضاء :بیروت: درالکتاب العربی ، 1406ھ / 1986ء ،ج ۱،ص :11، 12

9. ابن الغرس، ابوالیسر محمد بن الغرس ، الحنفی، الفواکہ البدریۃ،کوئٹہ: مکتبہ الامام ابی حنیفۃ ، سن ندارد۔.ص : 79، ابن نجیم ، زین الدین بن ابراہیم بن نجیم،الاشباہ والنظائر.،کراچی: قدیمی کتب خانہ ،،سن ندارد۔ص : 240۔

10. الجارم، محمد صالح بن عبدالفتاح، الحنفی، الرشیدی، الحسنی، المجانی الزہریۃ علی الفواکہ البدریۃ ،کوئٹہ: مکتبہ الامام ص: 79۔

11. ابن نجیم ، زین الدین بن ابراہیم بن نجیم،الاشباہ والنظائر.،کراچی: قدیمی کتب خانہ ،،سن ندارد۔ص : 240۔

12. الشامی، محمد امین ابن عابدین، رد المحتار. کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، سن ندارد. کتاب القضاء ، مطلب: فی قضاء القاضی بعلمہ،ج۸، ص: 157 ،الطوری، محمد بن حسین بن علی، تکملہ البحرالرائق ، بیروت : دار الکتب العلمیۃ، طبع 1418ھ / 1997ء.ج۷،ص 350۔

13. ابن الغرس، ابوالیسر محمد بن الغرس ، الحنفی، الفواکہ البدریۃ،کوئٹہ: مکتبہ الامام ابی حنیفۃ ، سن ندارد۔.ص : 79۔

14. الشامی، محمد امین بن عابدین، منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق ۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1418ھ / 1997ء،ج7 ، ص : 350۔

15. الجوزی، محمد بن ابوبکر ابن قیم، الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ .بیروت: المکتبۃ التجاریۃ ،1416 ھ / 1996 ۔ص17 ۔

16. الطرابلسی ، علاؤ الدین ، ابوالحسن علی بن خلیل معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام ،پشاور: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک، 1393ھ / 1673ء.. ص : 166۔

17. لجنۃ العلماء مجلۃ الاحکام العدلیۃ، پشاور: مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک ، سن ندارد، الفصل الثانی فی بیان القرینۃ القاطعۃ .ص : ۳۵۳۔

18. مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ، مصر:مکتبہ شاملہ سی ڈی ،ج12،ص 1186

19. الجوزی، محمد بن ابوبکر ابن قیم، الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ .بیروت: المکتبۃ التجاریۃ ،1416 ھ / 1996۔ص:17۔

20. الفواکہ البدریۃ، ص : 79 ۔

21. لجنۃ العلماء. مجلۃ الاحکام العدلیۃ، پشاور : مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک ، سن ندارد، الفصل الثانی فی بیان القرینۃ القاطعۃ .ص : ۳۵۳

22. مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، مصر:مکتبہ شاملہ سی ڈی ،ج12،ص 1186،الزحیلی ، الدکتور ،وہبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ ، دمشق: دار الفکر، ندارد،، المبحث الرابع : القضاء بالقرائن.ج ۶،ص 644، 645۔

23. الافغانی ، شمس الحق ، معین القضاۃ والمتیین ، اکوڑہ خٹک : مکتبہ رشیدیہ ، الباب الثالث فی الشھادۃ ، الفصل الاول ، ص: 27۔

حضوراکرم کے نظامِ سراغ رسانی کی تعلیمات کی روشنی میں انٹیلی جنس کے راہنما اصول

Wing Comm*ander Dr Nasir Majeed Malik*

ABSTRACT*: Intelligence system is considered to be one of the important tools used by military and civil secret agencies to defend and strengthen a nation. Intelligence system is thought to be one of the oldest studies of known history. Intelligence system consists of correct and accurate information, gathered after great struggle and facing difficulties. This department if related to both peace and war. Intelligence is a basis of formulating all military strategies and plans. The importance of intelligence system both in day to day life and as a nation cannot be overemphasized. The chapter forwards certain analytical and comparative comments and the required criteria for the establishment of a Model Espionage Network in an Islamic state. The salient features of this network are listed below:- (a) It should promote justice and curtail cruelty and injustice. (b) It must have a strategy to counter the internal and external threats. (c) It must have a counter espionage system through which enemy spies should be thoroughly watched. (d) It should have the capacity to use the latest technical gadgets efficiently. (e) It should always keep in sight the preparedness and movement of the enemy. (f) It should avoid the operators to be involved in immoral activities for intelligence collection. (g)It should discourage the agents to kill innocent people or cheat them. (h) It should follow all religious and moral values. (j) It should discourage the enemy propaganda and highlight the truth. (k) It should direct its espionage efforts against anti-state elements. Since Jihad is the struggle to protect the stability and interest of the state. Therefore, espionage falls in the same category too. Certain reconnaissance missions were initiated for the training of spies. The Holy Prophet (PBUH) promoted peace and killed evils through Ghazwat. To know the evil intentions of the Jews, Hazrat Zaid (RA) was directed to learn Ibrani language. Similarly, Hazrat Abu Bakar (RA) used the techniques of (Toria) in which those words are used which were having dual meaning. In intelligence system, security means to protect your vital assets, secrets, planning, weapons and other information in such a way that enemy should not gain access to or destroy it. Counter intelligence is the combination of all efforts to counter the enemy efforts of espionage, subversion and sabotage or other such activities. The chapter also stresses on the need that the methodology employed by the Holy Prophet (SAW) regarding intelligence system be thoroughly studied to compare them with modern techniques of secret services.*

KEYWORDS: *Intelligence system, Islamic Intelligence system, Holy Prophet's Intelligence System.*

جاسوسی کا علم خفیہ علوم میں سے ہے۔ جاسوسی درست اور مصدقہ معلومات کا نام ہے جن کا حصول عمومی طور پر سخت جدوجہد اور کوشش کے بغیر ناممکن ہے۔ سراغ رسانی کو عربی میں استخبارات کہا جاتا ہے، جبکہ یہ انگریزی لفظ انٹیلی جنس کا مترادف ہے۔ ہر مملکت کو اندرونی امن یا بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے قبل از وقت آگاہی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے

اسلامی اساس

ایک مکمل ضابطہ حیات کی حشیت سے قرآن حکیم کے زندگی ہر کے لئے اصول فراہم کرتا ہے، لیکن چونکہ اسلام کسی خاص دور یا جغرافیائی خطے تک محدود نہیں

اس لئے ان رہنما اصولوں کی عملی شکل اور طریقہ کار کی تفصیلات کا تعین نہیں کرتا- یہ اسلام کی آفاقیت ہی ہے جو مسلمانوں کو آزادی دیتی ہے کہ وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں کو منظم کر سکیں- انٹیلی جنس کی اسلامی اساس آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث ہے "نخلہ تک چلے جاو، وہاں پہنچ کر مخفی طور پر (قریش) کے حالات معلوم کرو اور ہمارے پاس اس کی خبر لاو"- آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک قرابت دار کی قیادت میں بارہ آدمیوں پر مشتمل جاسوسی کا ایک قافلہ ترتیب دیا تھا اور اس کو مدینہ اور مکہ کی درمیانی منزلوں پر واقع نخلہ کے مقام کی طرف روانہ کیا تھا اور فرمایا تھا: "اپنا آپ ظاہر نہ کرنا" اس کا مطلب یہ کہ جاسوسی کے لئے اسلام میں بھی فرضی تشخص اور فرضی کہانی کی اجازت ہے، جس کو جھوٹ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا-

جواز کی شرائط

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو اور اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاو" اس آیت میں زور دیا گیا ہے کہ جب بھی کوئی غیر معتبر یا اجنبی شخص کوئی غیر معمولی خبر لیکر آئے تو فوری طور پر بغیر تحقیق کے اس پر یقین نہیں کر لینا چاہئے بلکہ ہر ممکنہ طریقہ سے پہلے اسکی تحقیق کر لینی چاہئے مبادا کہ اسکے نتیجہ میں کوئی غلط فیصلہ کر کے ذاتی طور پر یا اجتماعی نقصان کا ذریعہ نہ بن بیٹھو-

سورۃ الممتحنہ کی پہلی آیت مسلمانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ تمہارے دوست صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں- ارشاد ہوتا ہے: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناو- تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا، گھر سے جدا کرتے ہیں رسول ﷺ کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے- اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو- تم انہیں خفیہ پیام محبت بھیجتے ہو، اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاو اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا"-

مولانا نعیم مراد آبادی 'خزائن العرفان فی تفسیر القرآن' میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کا شان نزول بیان کرتے ہیں! "بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینے میں سید عالم ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے کہا نہیں- فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی؟ عرض کیا نہیں- فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا- محتاجی سے تنگ آ کر بنی عبد المطلب نے اسکی امداد کی، کپڑے بنائے، سامان دیا- حاطب بن ابی بلتعہ اس سے ملے-- انہوں نے اسکو دس دینار دیئے- ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا- جس کا ، مضمون یہ تھا کہ سید عالم ﷺ تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں- تم سے اپنے بچاو کی جو تدبیر ہو سکے، کرو- سارہ یہ خط لیکر روانہ ہو گئی- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اسکی خبر دی- حضور ﷺ نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے- گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا- مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک سافر عورت ملے گی- اسکے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے، وہ خط اس سے لے لو اور اسکو چھوڑ دو اگر انکار کرے تو اسکی گردن مار دو- یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا، جہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا- اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی- صحابہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا قصد کیا- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقسم فرمایا کہ سید عالم ﷺ کی خبر خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا! خط نکال یا گردن رکھ- جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادہ قتل ہیں- تو اپنے جوڑے سے خط نکالا- حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا! اے حاطب اسکا کیا باعث- انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جب سے اسلام لایا، کبھی میں نے کفر نہ کیا- اور جب سے حضور ﷺ کی نیاز مندی میسر آئی، کبھی حضور ﷺ کی خیانت نہ کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا، کبھی انکی محبت نہ آئی- لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور انکی قوم سے نہ تھا- میرے سوا اور جو مہاجرین ہیں، اسکے مکہ مکرمہ میں رشتے دار ہیں- جو انکے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں- مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا- اسلئے میں نے یہ چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں- تا کہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا خط انہیں بچا نہ سکے گا- سید عالم ﷺ نے انکا یہ عذر قبول فرمایا اور انکی تصدیق کی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا- یا رسول اللہ ﷺ مجھے

اجازت دیجئے! اس منافق کی گردن مار دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا! اے عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ خبر دار ہے جب ہی اس نے اہل بدر میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا- یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو جاری ہو گئے -اور آیات نازل ہوئیں-"

اسلام میں جنگ اور اس کے متعلقہ امور کے بارے میں قرآنِ پاک اور نبی ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں جو تعلیمات اور ہدایات اپنے صحابہ کرام کو دیں، اس کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے- جنگ بظاہر ایک بے رحمی، ایک بھیانک تصویر اور ایک وحشیانہ فعل نظر آتی ہے اور فی الواقع ہے بھی کچھ ایسا ہی- یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اسکے اندر بھی کچھ بلند اقدار ہو سکتی ہیں اور ایک پیغمبر جو آیا ہی اس لئے تھا کہ اعلیٰ اقدار کو قائم کرے، کس طرح خوں ریزی روا رکھ سکتا ہے-اس خدا نے کیونکر جنگ و خوں ریزی کی اجازت دی- جس کی سب سے بڑی صفت رحمٰن و رحیم ہے-ان حقائق کی پردہ کشائی کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جنگ محض ایک حصہ ہے جہاد کا اور "جہاد "ایک ایسا لازمی جزو زندگی ہے، جسے زندگی سے علیحدہ کیا ہی نہیں جا سکتا- صرف انسانی زندگی میں ہی نہیں- بلکہ ساری کائنات مکمل جہاد میں ہے-ہر شے شعوری یا غیر شعوری طور پر آگے بڑھنے کے لئے ہر آن مصروفِ جہاد ہے، خواہ تکوینی انداز سے ہو یا اختیاری رنگ سے-ہر پودا برگ و بار لانے کے لئے جہاد کرتا ہے اور ہر حیوان اپنی منازل بقا طے کرنے کے لئے جہاد میں مصروف رہتا ہے- پھر انسان جہاد سے گریز کر کے کس طرح اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے ؟اور مسلمان تو جہاد سے الگ رہ کر مسلمان ہی نہیں رہ سکتا لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جنگ سراپا جہاد نہیں بلکہ جہاد جنگ کا صرف ایک حصہ ہے- جہاد نام ہے کشمکشِ حیات سے حسن و خوبی کے ساتھ گزرنے کا- لیکن بد قسمتی سے جہاد اور جنگ کو ایک ہی مترادف چیز سمجھ لیا گیا ہے- بلاشبہ ہر جنگ ایک جہاد ہے لیکن ہر جہاد ایک جنگ نہیں-ہر انسان جاندار ہے لیکن ہر جاندار انسان نہیں- جہاد کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اس کے بعد جنگ کی حقیقت بھی خود بخود واضح ہو جائے گی- چند احکامِ جنگ ملاحظہ ہوں-

اسلامی آداب جنگ

اسلامی قوانین کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

"تم دشمنوں کے ساتھ اتنا ہی کرتے ہو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔"

"اور اگر صبر و در گزر سے کام لو تو تمہارے لئے بہتر ہے "(۱)

"کسی کی دشمنی تمہیں عدل سے باہر نہ لے جائے۔ عدل کرنا چاہئے کیونکہ یہ تقویٰ کے قریب ہے "۔ "بے شک اللہ تعالیٰ حد تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔(۲)

حضور ﷺ کے فرامین۔

حضور ﷺ کے فرامین بھی ملاحظہ ہوں۔

1) اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ کے نافرمانوں سے جہاد کرو۔

2) بد عہدی اور خیانت نہ کرو۔

3) لاشوں کا مثلہ نہ کرو۔(یعنی ناک کان وغیرہ مت کاٹو)

4) راہبوں اور گوشہ نشینوں کو نہ چھیڑو۔

5) کھجور یا کوئی اور پھل دار درخت کو نہ کاٹو۔

6) عمارت کو نہ گراؤ۔

7) عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مریضوں اور غیر محارب آدمیوں کو نہ چھیڑو۔

فتح مکہ کے وقت کی ھدایات۔

فتح مکہ کے وقت کی ہدایات بھی سن لیں۔

1)حرم میں خون ریزی نہ ہو۔

2)صرف اس کا مقابلہ کیا جائے جو سامنے آکر مقابلہ کرے۔

3)جو شخص کعبہ میں داخل ہو،اسے پناہ۔

4)جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو،اسے پناہ۔

5)جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے پناہ۔

6)بھاگنے والے کا تعاقب نہ ہو۔

7)زخمی اور اسیر قتل نہ کئے جائیں۔

یہ ہیں مختصر نمونے ان قوانین کے جن کا ہر مجاہد کو جنگ کے موقعے پر پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بین الاقوامی اور عالمگیر جنگوں میں جتنا بھی ان باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے،اس سے ہر شخص واقف ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی جہاد تو انسانیت کے لئے رحمت ہے اور بربریت اور درندگی دراصل جنگیں ہیں، جو اسلامی جہاد کو بربریت قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت سے ہمارے معترضین بے خبر نہیں، لیکن ان کی بربریت چھپ ہی اس صورت میں سکتی ہے کہ اسلامی جہاد کو بربریت اور وحشت ثابت کرنے کی کوشش اور پروپیگنڈا کرتے رہیں۔ غرض ان تمام پروپیگنڈا کا مقصد صرف یہ ہے کہ اولاً تو مسلمان اس فریضہ زندگی سے کنارہ کش ہو جائیں اور ثانیاً خود معترضین کی جنگی درندگیوں پر پردہ پڑا رہے۔ جنگ اگرچہ ناگزیر چیز ہے لیکن کہ بجائے خود ایک مقصد نہیں، مقصد فتنہ فساد کو دُور کرنا ہے۔اس کی مثال عملِ جراحی اور آپریشن کی سی ہے۔اس میں اگرچہ تکلیف ہی ہوتی ہے۔ لیکن مقصد آرام پہچانا ہی ہے۔ قرآن اس مقصد کو یوں واضح کرتا ہے: "اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اس سے بھی بڑا فتنہ اور فساد ہوتا رہے گا"۔(۳)

جنگ خود ایک چھوٹا فتنہ اور غیر مطلوب شئے ہے اس لئے اس سے گریز ضروری ہے، لیکن جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پھر حرج نہیں۔

سرایا کے اغراض و مقاصد:

غزوہ بدر سے قبل جو سرایا اور غزوات لڑے گئے،ایسی مہمات رمضان 1ھ سے رجب 2ھ تک کے درمیانی عرصے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اِن میں سے کچھ مہمات کی غرض وغایت قریش کی تجارتی شاہراہ پر نظر رکھنا تھی، جبکہ بعض کا مقصد ارد گرد کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدات طے کرنا تھا۔ بعض قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدات طے کرنے کے بعد اُن کو ناوابستہ کردیا گیا۔ان حملوں (سریہ) میں سے ایک نخلہ پر کیا گیا جو کہ طائف اور مکہ کے درمیان واقع تھا۔ صفوان پر حملہ انتقامی نوعیّت کا حمل تھا۔اِن مہمات پر صرف مہاجرین نے حصّہ لیا کیونکہ ابھی آپ ﷺ نے انصار پر عسکری بوجھ ڈالنا مناسب خیال نہ کیا کیونکہ اُن کے احسانات پہلے ہی بہت زیادہ تھے۔ دوسرے مہاجرین کو جغرافیائی لحاظ سے ارد گرد کے ماحول سے واقف کرانا ضروری تھا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اِن مہمات میں خُون کا ایک قطرہ بھی نہ بہایا گیا۔

بعض سرایا جاسوسوں کی تربیت کیلئے روانہ کئے جاتے تھے تاکہ ان میں ڈسپلن پیدا ہو۔ تاکہ انہیں مستقبل میں کامیابی سے استعمال کیا جاسکے۔

غزوات کے عملی فوائد

آپ ﷺ نے ان غزوات کے ذریعے امن وامان قائم کیا، فتنے کی آگ بجھائی۔ اسلام اور بُت پرستی کی کشمکش میں دشمن کی شوکت توڑ کر رکھ دی۔ اور انہیں اسلامی دعوت و تبلیغ کی راہ آزاد چھوڑنے اور مصالحت کرنے پر مجبور کردیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان جنگوں کی بدولت یہ بھی معلوم کرلیا کہ آپ ﷺ

کا ساتھ دینے والوں میں کون سے لوگ مخلص ہیں اور کون سے لوگ مُنافق ہیں، جنھوں نے خانہ دل میں غدر و خیانت کے جذبات چھپائے ہوئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے محاذ آرائی کے عملی نمونوں کے ذریعے مسلمان کمانڈروں کی ایک زبردست جماعت بھی تیار کر دی۔ جنھوں نے آپ ﷺ کے بعد عراق و شام کے میدانوں میں فارس و روم سے ٹکر لی اور جنگی پلاننگ اور تکنیک میں ان کے بڑے بڑے کمانڈروں کو مات دے کر انہیں ان کے مکانات اور سرزمین، اموال و باغات، چشموں اور کھیتوں، آرام دہ اور باعزت مقام اور مزید نعمتوں سے نکال باہر کیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان غزوات کی بدولت مسلمانوں کیلئے رہائش، کھیتی، پیشے اور کام کا انتظام فرمایا۔ بے خانماں اور محتاج پناہ گزینوں کے مسائل حل فرمائے۔ ہتھیار، گھوڑے، ساز و سامان اور اخراجاتِ جنگ مہیا کئے اور یہ سب کچھ اللہ کے بندوں پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی اور جور و جفا کئے بغیر حاصل کیا۔

آپ ﷺ نے اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد کو بھی تبدیل کر ڈالا جن کے لئے دورِ جاہلیت میں جنگ کے شُعلے بھڑکا کرتے تھے، یعنی دورِ جاہلیت میں جنگ نام تھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا، ظلم و زیادتی اور انتقام و تشدّد کا، کمزوروں کو کچلنے، آبادیاں ویران کرنے اور عمارتیں ڈھانے کا، عورتوں کی بے حرمتی کرنے اور بوڑھوں، بچوں اور بچیوں کے ساتھ سنگ دلی سے پیش آنے کا، کھیتی باڑی اور جانوروں کو ہلاک کرنے اور زمین میں تباہی و فساد مچانے کا۔ مگر اسلام نے اس جنگ کی روح تبدیل کر کے اسے ایک مقدس جہاد میں بدل دیا۔ جسے نہایت موزوں اور معقول اسباب کے تحت شروع کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایسے شریفانہ مقاصد اور بلند پایہ اغراض حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں ہر زمانے اور ہر ملک میں انسانی معاشرہ کیلئے باعث اعزاز تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اب جنگ کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ انسان کو قہر و ظلم کے نظام سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں لانے کی مسّلح جدوجہد کی جائے۔ یعنی ایک ایسے نظام کو جس میں طاقتور کمزور کو کھا رہا ہو، اُلٹ کر ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں طاقت ور کمزور ہو جائے، جب تک کہ اس سے کمزور کا حق لے نہ لیا جائے۔ اسی طرح اب جنگ کا معنی یہ ہو گیا تھا کہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو نجات دلائی جائے جو دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے ولی بنا، اور اپنے پاس سے مددگار بنا۔ نیز اس جنگ کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ کی زمین کو غدر و خیانت، ظلم و ستم اور بدی و گناہ سے پاک کر کے اس کی جگہ امن و امان، رافت و رحمت، حقوق رسانی اور مروت و انسانیت کا نظم بحال کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کیلئے شریفانہ ضوابط بھی مقرر فرمائے اور فوجیوں اور کمانڈروں پر ان کی پابندی لازمی قرار دیتے ہوئے کسی حال میں ان سے باہر جانے کی اجازت نہ دی۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو اُسے خاص اس کے اپنے نفس کے بارے میں اللہ عزوجل کے تقویٰ کی اور اس کے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں خیر کی وصیّت فرماتے، پھر فرماتے "اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں غزوہ کرو۔ جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اان سے لڑائی کرو۔ غزوہ کرو، خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، ناک کان وغیرہ نہ کاٹو، کسی بچے کے قتل نہ کرو"۔ اسی طرح آپ ﷺ آسانی برتنے کا حکم دیتے اور فرماتے: آسانی کرو، سختی نہ کرو، لوگوں کو سکون دلاو، متنفر نہ کرو" (۴)

اور جب رات میں آپ ﷺ کسی قوم کے پاس پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے چھاپہ نہ مارتے۔ نیز آپ ﷺ نے کسی کو آگ میں جلانے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کیا۔ اسی طرح ہاتھ باندھ کر قتل کرنے اور عورتوں کو مارنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی منع کیا اور لوٹ مار کرنے سے روکا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا لوٹ کا مال مردار کی طرح حرام ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے کھیتی باڑی تباہ کرنے، جانور ہلاک کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا، سوائے اس صورت کے کہ اس کی سخت ضرورت آن پڑے اور درخت کاٹے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بلند پایہ قواعد و ضوابط تھے جن کی بدولت جنگ کا عمل جاہلیت کی گندگیوں سے پاک صاف ہو کر مقدس جہاد میں تبدیل ہو گیا۔

ان تمام غزوات کے استخباراتی تجزیہ سے ہم درج ذیل حتمی نتائج اخذ کرتے ہیں:

مدینے کے ارد گرد آباد قبائل کے ساتھ معاہدات کیے جس نے حلیف بننا پسند کیا۔ اس کو حلیف بنالیا۔ جس نے غیر وابستگی کا عہد کیا اسے غیر وابستہ ہی رہنے دیا۔ اس طرح مدینے کے ارد گرد پہلی دفاعی لائن استوار کرلی۔ بعد ازاں ان قبائل کے ساتھ اپنے تعلقات کو دن بدن مستحکم کرتے رہے۔ ایک وقت آیا جب یہ قبائل آپ ﷺ کی افواج قاہرہ کے ہراول دستوں میں شمار ہونے لگے۔ عرب کے نقشے پر نظر ڈالیں تو آپ کو ایک چیز بڑی واضح نظر آئے گی۔ اہل مکہ اگر خشکی کے راستے شام اور مصر جانا چاہتے تو انہیں مدینے کے قریبی ساحلی علاقوں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ اگر مدینے سے ینبوع تک بسنے والے قبائل اور آبادیوں کو ہمنوا بنالیا جاتا تو مکے والوں کے قافلوں کا ادھر سے گزرنا بڑی حد تک خطرناک بنایا جاسکتا تھا۔ ان قبائل کے ساتھ انصار مدینہ کے پہلے ہی حلیفانہ تعلقات تھے۔ اب آنحضرت ﷺ نے ان کی تجدید کی اور ان تعلقات میں آپس کی امداد کی دفعات بڑھادیں۔ آپ ﷺ نے پہلے چھوٹی چھوٹی مہمات بھیج کر ان قبائل سے گفت شنید کے عمل کو آگے بڑھایا۔ پھر خود جاکر ان معاملات کو حتمی معاہدوں کی شکل دی۔

یہ سرایہ اور غزوات آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی کی اساس اور دفاع مدینہ کی ابتدائی اور بنیادی کاوشیں تھیں۔ اس طرح مدینہ کو اپنے ارد گرد کے علاقوں میں بروقت اطلاعات فراہم کرنے والے لوگ بھی میسر ہوگئے اور مدینہ کے ارد گرد ایک دفاعی حصار بھی قائم ہو گیا۔

آپ ﷺ نے اپنے دورات القتال (لڑاکا دستوں) کو مسلسل ہوشیار رکھ کر اور اُن کو مختلف علاقوں میں بھیج کر اور بعض اوقات اُن کی قیادت سنبھال کر نہ صرف یہ کہ اُن کی جنگی تربیت کی بلکہ اُن کو ان علاقوں سے مکمل واقفیت بھی دلائی۔

آنے والے ایام میں یہ جنگی دستے آپ ﷺ کے نظامِ دفاع میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے۔ ان دستوں نے مدنی استخبارات کے ساتھ مل کر دشمن کی تمام معاندانہ کارروائیوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

استخباراتی نظام کی بہت بڑی کامیابی یہ ہوتی ہے، اگر دشمن لڑائی ہونے سے بہت پہلے اس بات کا ادراک کرلے کہ اس کا واسطہ جن لوگوں کے ساتھ پڑا ہے وہ ترنوالہ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سرایا اور غزوات کے ذریعے کفار مکہ کو یہ باور کرادیا کہ مدنی قیادت انتہائی بیدار مغز اور حالات پر گہری نظر رکھنے والی ہے۔ وہ مدینہ کے دفاع سے غافل نہیں ہے۔ اگر قریش مکہ اپنی مدینہ دشمن سرگرمیوں سے باز نہ آئے تو مجبوراً اُن کی رگ زندگی یعنی مکہ سے شام کی تجارتی شاہراہ کو بند کردیا جائے گا۔ اہل مکہ کو اس قسم کے سرایا سے یہ بھی باور کرایا گیا کہ جیو اور جینے دو اور اہل مدینہ کو اتنا مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اقدام کر گزریں جو اہل مکہ کی تباہی پر منتج ہو۔ اہل مدینہ خاص طور پر مہاجرین ایسا کرنے میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ اہل مکہ نے اُن کے وسائل، جائیدادوں اور گھروں پر ناجائز قبضہ کررکھا تھا۔ اگر مسلمان ایسا نہیں کررہے تھے تو اس کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ وہ یہ اقدام اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ امن اور آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اور اُن کو اس قسم کی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق بھی حاصل تھا۔

آپ ﷺ نے اس چیز کو ہرگز ہرگز ذہن سے محو نہیں ہونے دیا کہ مدینہ کے اندر یہود بھی آباد ہیں اور یہ لوگ باوجود میثاق مدینہ کی وجہ سے معاہد ہونے کے مسلمانوں کے وجود کو ایک بیرونی عنصر تصور کرتے تھے اور ان کا مدینہ سے اخراج اور استیصال ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اُس وقت کے منتظر تھے جب مسلمان کمزور پڑ جائیں اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹادیا جائے۔ چونکہ وہ خود ایسا کرنے کی
طاقت نہیں رکھتے تھے، لہذا اس مقصد کے لیے وہ بیرونی اسلام دشمن قوتوں کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے اہل مکہ سے اس مقصد کے لیے خفیہ رابطے ناطے قائم کرلیے تھے اور مدینہ کے اندر ہونے والے تمام امور سے اُن کو باخبر رکھتے تھے۔ لہذا آپ ﷺ کو اُن کے خلاف ضد استخبار کا انتظام وضع کرنا پڑا۔

آپ ﷺ نے ان غزوات اور سرایا کے ذریعے انہیں یہود مدینہ کے دلوں میں رعب اور دبدبہ بھی پیدا فرمایا۔ مسلمانوں کے خلاف موقع کی تلاش میں رہتے اور اوس و خزرج کے پرانے مخاصمانہ تعلقات کا اعادہ چاہتے تھے، اُن کی ایسی تمام کاوشوں کا تدارک فرمایا، جن کے ذریعے وہ مدینہ کے ان مسلمان قبائل کو عہد جاہلیت کے فساد میں مبتلا کرنا چاہتے تھے۔ اِن سرایا سے مسلمانوں کے درمیان یکجہتی اور یگانگت پیدا ہوئی۔ ایک ملی مودت کا جذبہ پروان چڑھا اور قوتِ اسلام کو

تقویت ملی۔

مہاجرین کو مدینہ منورہ کے اندر آرام اور سکون میسر آگیا تھا۔ مذہب اور عقائد کی بنیاد پر اُن پر کسی قسم کا جبر و تشدد نہیں ہو رہا تھا۔ اس طرح ان کے اندر ایک قسم کا جمود پیدا ہو رہا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو دور افق پر ان کے خلاف اعداء کے بڑے بڑے حملے آتے نظر آرہے تھے۔ ان کی بقا اس میں تھی کہ ان کے اندر روح عمل اور حربی قوت کو بیدار رکھا جاتا تاکہ موقع آنے پر یہ ہر حملے کا مقابلہ بطریق احسن کر سکتے۔ آپ ﷺ نے یہ مقصد بھی ان سرایا اور غزوات کے ذریعے حاصل کیا۔

ان غزوات اور سرایا میں دو اور بڑی اہم باتیں بھی ہمارے سامنے آتی ہیں:

(1) ان تمام غزوات اور سرایا کے لیے صرف مہاجرین کے دستے روانہ کیے گئے، ان میں کوئی فردِ انصار شامل نہیں کیا گیا۔

(2) یہ دستے چھوٹی چھوٹی فوج پر مشتمل ہوتے تھے اور یہ کسی جنگی مقصد کے لیے بھیجے ہی نہیں گئے تھے۔ اس طرح حضور ﷺ کی طرف سے یہ سریے صرف اور صرف دفاعی، استخباراتی اور تربیتی مقاصد کے لیے تھے۔ چونکہ اصحاب سرایا کو ضبط نفس کی خصوصی تربیت دینی مقصود تھی۔ لہذا ان سرایا میں تعداد تھوڑی رکھی گئی تاکہ طاقت کے زعم میں کہیں لڑائی نہ چھیڑ بیٹھیں۔

دوسری زبانوں کا علم حاصل کرنے کی ہدایت

مہاجرین مکہ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد تجارت ہی کو پیشہ بنائے رکھا۔ مدینہ کے یہودی بھی تاجر تھے۔ ان کو یہ رقابت ایک آنکھ بھی نہ بھائی۔ ان کا تمام تر کاروبار عبرانی زبان میں ہوتا تھا، جس سے دوسرے لوگ ناواقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بہی کھاتوں میں اپنی مرضی سے تحریف کر لیتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

ان مذموم حرکات سے بچنے کیلئے آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارث کو عبرانی سیکھنے کی ترغیب دی' انہوں نے جلد ہی اس زبان پر عبُور حاصل کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کے معاشی راز حاصل کرنے میں خاطر خواہ پیش رفت ہوئی۔ قیاس کیا جاسکتا ہے، زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے علاوہ کئی ایک دیگر افراد نے بھی انکی تقلید کی ہو گی۔

"رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی''میں پروفیسر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔: "ان مذموم حرکات سے بچنے کیلئے آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارث کو عبرانی سیکھنے کی ترغیب دی، انہوں نے جلد ہی اس زبان پر عبُور حاصل کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کے معاشی راز حاصل کرنے میں خاطر خواہ پیش رفت ہوئی۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے علاوہ کئی ایک دیگر افراد نے بھی انکی تقلید کی ہو گی۔''(۵)

دشمن پر حملہ کرنے کی آپ ﷺ کی ہدایات

حضور ﷺ عام طور پر لشکر کے ساتھ رات کو سفر جاری رکھتے۔ تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے متعلق علم نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ دشمن کے متعلق مکمل طور پر آگاہی حاصل کرنے کی خاطر ہر طرف اپنے جاسوس بھیجتے۔ ان کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں آپ ﷺ سویرے سویرے حملہ کرتے، یا ایسا کرنے کا حکم دیتے جیسے سریہ ابی سلمہ میں بنو اسد پر علی الصبح حملہ کیا گیا جو بہت کامیاب رہا۔ بنو اسد کو فرار ہونے ہی میں عافیّت نظر آئی۔ اسی طرح رمضان ۷ ھجری میں ایک سریہ جُہینہ کے خلاف بھیجا گیا جب یہ لشکر وہاں پہنچا تو امیر لشکر اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید نے مخبر بھیجے۔ وہ خبر لائے تو آگے بڑھے، یہاں تک کہ ایک شب کو ان کے قریب جا پہنچے۔ اور دشمن کو بے خبری میں جالیا۔

آپ ﷺ کی یہ واضح ہدایات تھیں کہ اگر دشمن کے سفراء سے ملاقات کرنا مقصود ہو تو پڑاؤ کے لئے ایسے حصے میں ملاقات کی جائے، جہاں اُن کو مسلمانوں کے پڑاؤ کے متعلق کچھ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اور اگر انہیں مرعوب کرنا مقصود ہو تو اُنہیں ایسے راستے اور طریقے سے لایا جائے۔ کہ وہ لشکر کا بہترین راستہ

اور جانور دیکھ سکیں۔ حدیبیہ میں قریش کے سفراء سے گفتگو اسی ماحول میں ہوئی۔

غیر مسلموں کی جاسوسی کرنا

سورۃ توبہ کی آیت 120 میں ارشاد ہے: اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں۔ اس سب کے بدلے ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔(۶)
بلکہ تم اسلام کو تقویت پہنچانے کیلئے جو کچھ دشمن سے حاصل کرتے ہو (وہ ان کے فوجیوں کو قیدی بنانا۔ ان سے مال چھیننا، زمین پر قبضہ کرنا یا انکی خفیہ معلومات حاصل کرنا) اللہ تعالیٰ اس خدمت پر تمھارے لئے ثواب لکھتے ہیں۔ اور داخلی، جنگی یہ سارے کام نیک شمار کئے جاتے ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔

غیر مسلموں کی جاسوسی کرنے والا حالت جہاد میں ہوتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ منافق ہر کام کر سکتا ہے، مجاہد نہیں ہو سکتا۔ ایک مسلم کی شان یہ ہے کہ جس طرف نبی قدم بڑھائیں، اسی طرف چلے۔ جہاں نبی کا پسینہ گرے، وہاں اپنا خون بہائے۔ اپنا مال، جان، اولاد سب قربان کرے۔ نبی ﷺ کی اور اسلام کی حمایت کرنے کی پاداش میں جو بھی تکالیف یا مصیبتیں آئیں، ان کے سامنے سینہ سپر ہو جائے۔ اگر کفّار خفا ہوں تو انکی خفگی کی پرواہ نہ کرے۔

ڈیسپشن

ایک کمانڈر کی جہاں سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے دشمن کی سرگرمیوں کی لحہ بہ لحہ رپورٹ ملتی رہے تاکہ وہ اس کا بروقت تدراک کر سکے۔ وہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کی بھی ہمہ تن تگ ودو میں لگا رہتا ہے کہ اس کے ارادوں، سرگرمیوں اور مہمات کی بھنک بھی دشمن کے کانوں تک نہ پہنچے اور اس کیلئے وہ خاطر خواہ کوششیں بھی کرتا ہے۔ ان کوششوں میں ایک ٹیکنیک ڈیسپشن کی بھی ہے۔ اس میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ دشمن کو اپنے عزائم کی نامکمل اور غلط خبر پہنچے تاکہ وہ دھوکہ کھا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس تک وہ خبر پہنچے جس کو ہم خود چاہیں کہ دشمن کو وہ اطلاع ہو اور اس غلط اطلاع کی روشنی میں وہ ہمارے مطابق فیصلے کرے جن سے اسے مستقبل میں نقصان پہنچے۔

اگر ہم عرب کے نقشہ پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھیں گے کہ نخلہ کا مقام مدینہ منورہ سے جنوب کی سمت میں واقع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے سریہ کو نخلہ کے مقام کی مخالف سمت میں روانہ فرمایا۔ سریے کی براہ راست جنوب کی طرف نہ بڑھنے میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ مکہ کے گردونواح میں قریش کے کارندے جاسوسوں کی شکل میں فعال ہوتے تھے۔ اگر ان جاسوسوں کو مسلمانوں کی اس پیش رفت کا علم ہو جاتا تو اس سریہ کو بھیجنے کا مقصد فوت ہو جاتا۔

دورِ نبوت کا نظامِ سراغ رسانی

چنانچہ قرآن مجید فرقانِ حمید میں واضح طور پر مذکور ہے: "یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی ذات) میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔ (اور یہ) ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔"(۷)

آپ ﷺ کی فوجی مہمات اور آپ ﷺ کی کمانداری کی حیثیت پر بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ لیکن آپ ﷺ کے بحثیت سالارِ اعلیٰ ایک بہترین استخباراتی نظام کو متحرک رکھ کر اُس سے معجز نما کارنامے سرانجام دلوانے کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی جاسوسی مشینری پر تو کچھ نہ کچھ لکھا ہوا مل جاتا ہے لیکن ایک استخباراتی نظام جس میں جاسوسی، ردِ جاسوسی، تحفظ، تفتیش اور دیگر عنصر شامل ہوں پر بہت کم مواد میسر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ایسی کسی مشینری کا وجود نہیں تھا۔ حدیث اور سیرت کی کتب میں یہ مواد بکھرا ہوا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ کا اس دنیا میں تشریف لانے کا مقصد وحید پیغام خداوندی کا ابلاغ تھا۔ لہذا اس مقصد کے خلاف سرگرم قوتوں کی مسلح کوششوں کا توڑ بھی آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ یعنی آپ ﷺ کی مسلح کدو کاوش دفاعی نوعیت کی تھی۔ اس کا مقصد اقدامی ہرگز نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ کی ان عسکری سرگرمیوں میں کہیں اقدامی کارروائیوں کا وجود نظر آتا ہے تو وہ بھی صریحاً اقدامی نہیں بلکہ دفاعی اقدامی کی کارروائیاں ہیں۔ آپ ﷺ کو اپنے مشن

کے خلاف سر گرم قوتوں کے بارے میں باخبر رہنا پڑتا تھا تا کہ کہیں مسلمانوں کی مختصر سی جماعت بے خبری میں نہ ماری جائے۔ ریاست مدینہ کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے واسطہ پڑا۔ مدینہ میں ورودِ باسعود سے قبل آپ ﷺ کو اپنے مشن اور اپنی اس کمزور اور بے بس مسلمانوں کی جماعت کے تحفظ کی فکر تھی جو ضدی اور ہٹ دھرم قریش کے سرمایہ دارانہ نظام میں پھنسی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی استخباراتی صلاحیتوں کا لوہا مکہ میں اس طرح سے منوایا کہ کفارِ مکہ اپنی تمام منصوبہ بندیوں کے باوجود نہ تو مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ سے روک سکے اور نہ ہی حضور ﷺ کو۔ آپ ﷺ تو اُن کے درمیان سے اس طرح نکل آئے کہ وہ ننگی تلواریں سونتے آپ ﷺ کے در دولت پر آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے در پے تھے۔ آپ ﷺ کا نظامِ تحفظ اس قدر عمدہ اور اس قدر مکمل تھا کہ اہل مکہ آپ ﷺ کے کسی بھی منصوبے اور کسی بھی حرکت کے بارے میں نہ جان سکے۔ حالانکہ انہوں نے باقاعدہ طور پر آپ ﷺ پر ایسے افراد تعینات کر رکھے تھے جو آپ ﷺ کا مسلسل پیچھا کرتے رہے اور آپ کی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے۔

مدینہ میں آجانے کے بعد آپ ﷺ کو وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے دشمنوں سے پالا پڑا۔ ابتداً دشمنوں کی تعداد کم اور وہ کمزور حیثیت کے مالک تھے۔ جوں جوں تحریک اسلامی قوت پکڑتی گئی دشمنوں کی طاقت اور تعداد بڑھتی گئی۔ آپ ﷺ کے مدینہ آجانے کے بعد جن دشمنوں سے سابقہ پڑا اُن میں قریش مکہ، یہود مدینہ، منافقین مدینہ، مدینہ کے ارد گرد آباد اعراب، دیگر عرب قبائل، سلطنت روم اور سلطنت فارس انتہائی اہم تھے۔ مدینہ کی ایک چھوٹی ریاست تھی اور پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ مدینہ کی بیدار مغز قیادت نے اِن تمام دشمنوں سے اتنی خوبصورتی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو پورے کرہ عرب پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ بازنطینی سلطنت لرزہ براندام تھی۔ ایرانی بادشاہ اپنے تاج و تخت کو لرزتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ جہاں آپ ﷺ کی تمام عسکری کامیابیوں میں اعانت خداوندی شامل حال رہی، وہیں آپ ﷺ کی عسکری عبقریت اور آپ ﷺ کے کامیاب نظامِ استخبارات کا بھی کافی حصہ تھا۔ کسی بھی نظام استخبارات کا بنیادی اور اہم جزو اس سسٹم کا حفاظتی نظام ہوتا ہے۔

اپنی مثال آپ

بسا اوقات آپ ﷺ خود بھی اطلاعات اور معلومات حاصل کرنے کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شب مدینہ میں ایک شور ہوا۔ عامتہ الناس نے خیال کیا کہ دشمن مدینہ پر چڑھ دوڑا ہے۔ لوگ حقیقت حال جاننے کیلئے اس جانب دوڑے۔ جدھر سے شور بلند ہوا تھا۔ لوگ تھوڑی ہی دور گئے تھے۔ کہ انہیں رسالت مآب ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ حضور ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار اور تلوار حمائل کئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ شور سن کر سب سے پہلے تن تنہا تفتیش کو تشریف لے گئے تھے۔ لوگوں کو خوفزدہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔"

حضور نبی اکرمؐ ایک نہایت جری، نڈر اور بہادر انسان تھے جو ہمیشہ مصیبت وابتلاء کی گھڑیوں میں ایک بلند ہمتی کی مثال بن کر سامنے آئے۔ غزوہ احد اور غزوہ حنین اس کی بین مثالیں ہیں۔ حضرت علیؓ کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر ہم مشرکوں سے حفاظت کیلئے آنحضرتؐ کو آگے کر لیا کرتے تھے کیونکہ آپؐ سب سے زیادہ بہادر اور دلیر انسان تھے۔ اُس موقع پر ہم میں دشمنوں سے سب سے زیادہ قریب آنحضرتؐ ہی ہوا کرتے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب جنگ پورے زوروں پر آجاتی اور لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے تو ہم آنحضرتؐ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ مجاہدوں کیلئے بہترین ڈھال بن جاتے تھے۔

اس بارے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کبھی کسی بھی جنگ میں اور کسی بھی موقعہ پر خود آنحضرت ﷺ اپنی جگہ سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ آئے ہوں، بلکہ صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر موقعہ پر آنحضرت ﷺ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے ہیں اور آگے بڑھے ہیں۔ (۸)

الحرب الخدع

آپ ﷺ جاسوسوں کو روانہ کرتے؛ وہ دشمن کی خبریں لاتے اور اس کے عسا کر کا پتہ چلاتے۔ جب آپ ﷺ دشمن کو دیکھ پاتے تو ٹھہر جاتے دُعا کرتے اور اللہ سے مدد چاہتے۔ آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی اپنے وقت اور زمانے سے بہت آگے تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے: "لڑائی ایک دھوکہ کا کھیل ہی تو ھے۔" (۹) جنگ کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار میکیا ولی نے آپ ﷺ کی وفات کے نو سو سال بعد، نپولین نے اس سے دو سو سال بعد اور جاپانیوں نے صرف چند سال قبل کیا ہے۔ اور وہ سب اپنی جگہ درست تھے۔ کیونکہ اگر جنگ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ تو پھر ذریعہ کے متعلق جھگڑا کیسا۔ (۱۰)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا توریہ کا استعمال

مکہ سے لیکر مدینہ کے سفر میں اس درجہ احتیاط اور منصوبہ بندی سے کام لیا گیا کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت سے تجارتی سفر کر چکے تھے۔ اس لئے تجارتی شاہراہوں کے اطراف کے بہت سے لوگ انہیں پہچانتے تھے۔ لہٰذا جب بھی کسی قوم پر ان کا گزر ہوتا، لوگ دریافت فرماتے۔ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! یہ تمہارے آگے کون ہے؟ تو وہ برجستہ جواب دیتے۔ "وہ ہستی ہے جو مجھے راہ دکھلاتی ہے" (۱۱)

اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 'توریہ' سے کام لیا۔ توریہ کے معنی ہیں ایسے لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنی ہوں بعید اور قریب۔ بولنے والا بعید مراد لیتا ہے اور سُننے والا قریب معنی سمجھتا ہے۔ کلام میں کذب بھی لازم نہیں آتا اور اظہارِ حقیقت جس سے مفاسد کا اندیشہ ہوتا ہے وہ بھی لازم نہیں آتا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اس کا مفہوم یہ تھا کہ آپ ﷺ میرے مرشد طریق ہیں۔ آپ ﷺ نے ہی مجھے ہدایت کا راستہ دکھایا اور صراطِ مستقیم پر لگایا۔ جواب سننے والے یہ سمجھتے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفر کیلئے کسی 'دلیل راہ (گائیڈ) کی خدمات مستعار لے رکھی ہیں۔

توریہ کی اباحیت: ایک تجزیہ

توریہ میں ایسے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے جو ذو معنی ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنی ہوں ایک بعید اور دوسرا قریب۔ بولنے والا بعید مراد لیتا ہے اور سُننے والا قریب معنی سمجھتا ہے۔ کلام میں کذب بھی لازم نہیں آتا اور اظہارِ حقیقت جس سے مفاسد کا اندیشہ ہوتا ہے وہ بھی لازم نہیں آتا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کمال احتیاط برت رہے تھے کہ کہیں ان کی کہی ہوئی کسی بات سے آپ ﷺ کے متعلق کوئی کلیو نہ پالے جو آپ ﷺ کیلئے تکلیف اور اذیت کا باعث ہو۔ اس میں ہمارے انٹیلی جنس اداروں کیلئے ایک سبق اور رہنمائی ملتی ہے کہ اپنے قومی رازوں کے سلسلے میں جن کا تعلق قوم و ملت کے عظیم تر مفاد سے ہو اس کی حفاظت کے سلسلے میں توریہ کا استعمال جائز ہے۔ یاد رہے کہ توریہ صریحاً جھوٹ کا نام نہیں بلکہ ایک چھپے ہوئے سچ کی ایک قسم ہے۔ جس کا استعمال ہر خفیہ ایجنٹ کیلئے بوقتِ ضرورت نا صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عام اور ایسی باتیں جن کا تعلق ایجنٹ کی ذاتی زندگی سے ہو نیز ایسے مواقع جہاں سچ بولنے سے ایجنٹ کو کوئی جانی ومالی خطرہ لاحق نہ ہو وہاں عادتاً جھوٹ بولنا نا صرف ناپسندیدہ بلکہ قابل مذّمت عمل ہے۔ کیونکہ قوم کیلئے جاسوسی کرنا ایک عبادت ہے اور اس عبادت کو بلا ضرورت کذب اور گناہ کے کاموں سے ملوث کرنا کسی صورت لائق تحسین نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ عمل قابل گرفت ہے۔

حفاظتی نظام

اہل عرب قبائلی نظام کے تحت زندگی گزار رہے تھے اور تقریباً یہ تمام قبائل باہم و دیگر دست بگریبان تھے۔ بقائے ذات کے لیے ضروری تھا کہ دشمن کی استخباراتی کوششوں کے خلاف ایسا نظام وضع کیا جاتا جس سے دشمن ان قبائل کے بارے میں ضروری معلومات حاصل نہ کر سکتا۔ چنانچہ اہل عرب اپنی اپنی قبائلی حدود کے اندر پہرہ داری کرتے تھے۔ اپنی چراگاہوں کے گرد محافظ دستے تعینات کرتے تھے۔

اپنے مخیم کے ارد گرد ایسا غیر مرئی حصار قائم کرتے جس کی مدد سے وہ دشمن کے حملہ آور ہونے والے دستوں کے آنے سے قبل اپنے حفاظتی نظام کو متحرک کر لیتے تھے۔ یہ نظام چونکہ نسل در نسل چلتا ہوا آپ ﷺ کے دور تک پہنچا تھا، لہذا آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ اس نظام سے مستفیض ہوئے بلکہ آپ ﷺ نے اس تحفیظی نظام میں بہت سی تبدیلیاں اور بہت سی نئی چیزیں بھی شامل کیں۔ آپ ﷺ کو قرآن مجید میں حکم ربانی ہوا: "اور اپنے بچاؤ کا سامان کیے رہو، یقیناً اللہ نے منکروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔"

کتمان راز کامیابی کی بنیاد ہے۔ جو راز کو راز رکھتا ہے وہ کامرانی حاصل کرتا ہے، جو رازوں کی حفاظت سے غافل رہتا ہے ناکامی اور نامرادی اُس کا مقدر بنتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل رازداری سے کریں کیوں کہ ہر اس شخص سے جس کو اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا کرتا ہے، لوگ حسد کرتے ہیں۔" حضرت علی کرم اللہ وجہ ' کا فرمان ہے: '' تمہارا راز تمہارا اسیر ہے۔ جب تو نے بات کر دی تو اسیر کھسک گیا۔'' استخبارات میں تحفظ سے مراد اپنے رازوں، منصوبوں، اطلاعات، افراد، ہتھیاروں اور سامانِ جنگ کو اس طرح محفوظ کرنا کہ دشمن نہ صرف یہ کہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے بلکہ اُن تک اُس کی رسائی بھی ناممکن بنا دی جائے۔ تحفظ کے اہداف میں درج ذیل تین امور شامل ہوتے ہیں: (۱۲)

تحفظ افراد تحفظ اموال تحفظ راز اطلاعات ج۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے نظام تحفظ کے کیا خدوخال تھے

حفاظتِ افراد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ایک آدمی کچھ تیر لے کر مسجد کے اندر سے گذرا تو رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا'' اپنے تیروں کے پیکان پکڑ لو" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "حضور اکرم ﷺ نے ننگی تلوار دینے کی ممانعت فرمائی (ایسا نہ ہو کہ تلوار کسی کے لگ جائے) اگر کسی شخص کو تلوار دے تو غلاف یا کپڑے میں لپیٹ کر دے۔" اسی مفہوم سے ملتی دو احادیث بخاری کتاب احکام الصلوٰۃ میں بھی وارد ہوئی ہیں۔ جن کی رو سے آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ "اگر کوئی شخص ہماری مساجد اور ہمارے بازاروں میں سے تیر لیے ہوئے چلے تو اُن کے پھل تھامے رہے، ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں سے کسی مسلمان کو زخمی کر دے"

وہ پیغمبر رحمت جو افراد کی جسمانی، روحانی اور اخلاقی حفاظت کے بارے میں اس قدر محتاط ہوں اور جن کے بارے میں خود قرآن مجید یوں گواہی دے رہا ہو کہ: "دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے" ایسے نبی رحمت سے کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دشمن اسلام قوتوں کے علی الرغم اپنے ساتھیوں کے تحفظ کے بارے میں غیر فعال ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے شخصی تحفظ اور سیکورٹی کے لیے نہ صرف ہر وقت فکر مند رہتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اس بارے میں بڑے موثر عملی اقدامات بھی کیے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ا۔ مکی زندگی میں مسلمان تعداد میں کم اور طاقت کے لحاظ سے کمزور تھے۔ اُن کے دشمن کثیر اور طاقتور تھے۔ اس دور پُر آشوب میں ضروری تھا کہ مسلمان بالادستوں کی اُن تمام کاوشوں اور منصوبوں پر نظر رکھتے جو مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ضروری تھا کہ مسلمانوں کی یہ جماعت دشمنوں کی نظروں میں آئے بغیر اپنی عبادات اور تبلیغی کارروائیاں جاری رکھتی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی تبلیغ رسالت کے پہلے تین سال انتہائی خفیہ گذارے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کی جماعت کو مکہ سے باہر کسی درے یا گھاٹی میں لے جاتے اور پھر وہاں تبلیغ و تلقین کی جاتی۔(۱۳) کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے دار ارقم کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور یہاں خفیہ طور پر مسلمان اکٹھے ہوتے، عبادت کرتے اور وعظ و تلقین سے بہرہ مند ہوتے۔(۱۴)

۲۔ جب مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا۔ زندگی اجیرن ہو گئی۔ مسلمانوں کے وجود کو خطرات لاحق ہو گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی
طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔(۱۵)

۳۔ جب تک آپ ﷺ مکہ معظمہ میں رہے۔ ہر سال حج کے موقع پر تبلیغ کے لیے حجاج کے مخیم میں جایا کرتے۔
چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا گذر مدنی حجاج کے خیموں کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی پکار کا مثبت جواب دیا اور پھر یہ چھ افراد دعوتِ حق کے داعی بن کر مدینہ چلے گئے۔ اگلے سال کل بارہ افراد داعی اسلام سے ملاقات کے متمنی ہوئے۔ چونکہ کفار مکہ ان دنوں آپ ﷺ کا مسلسل تعاقب کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سعید روحوں کو رات کی تاریکی میں عقبہ کی گھاٹی میں بلایا، جہاں انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔(۱۶) اگلے سال دوبارہ اسی گھاٹی میں رات کی تاریکی میں تحفظ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر مدنی مسلمانوں کے ساتھ تبلیغ و تلقین، وعدے وعید اور مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا گیا۔(۱۷)

۴۔ ہجرت مدینہ ایک مکمل تحفظاتی منصوبہ اور عمل تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں اور اپنی ذات کے تحفظ کا اتنا عمدہ منصوبہ بنایا کہ کفارِ مکہ منہ دیکھتے رہ گئے اور آپ ﷺ اُن کے درمیان سے نکل گئے۔ کفار مکہ نے آپ ﷺ کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر سو سرخ اُونٹوں کا انعام مقرر کیا۔ لیکن پھر بھی ناکام ہو گئے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام ساتھی رضی اللہ عنہم بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئے۔(۱۸) مدینہ میں جا کر آپ ﷺ نے وہاں کے حالات اور خطرات کے پیش نظر نیا حفاظتی منصوبہ ترتیب دیا۔

۵۔ مسلمانوں اور مسلمانوں کے اموال کو دشمن کے اچانک حملہ سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے مدینہ شہر کے اندر رات کے وقت پہرہ داری کا نظام رائج کیا۔ اس میں کسی چھوٹے بڑے یا مرتبے کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تھا۔ ہر شخص اپنی باری پر پہرہ دیتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ جب رات کی پہرہ داری پر آپ ﷺ کی اپنی باری تھی تو آپ ﷺ کی جگہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابن معاذ نے پہرہ دیا تاکہ آپ ﷺ آرام کر سکیں۔(۱۹)

۶۔ آپ ﷺ میدانِ جہاد میں فوج کے کیمپ کی حفاظت کے لیے مسلح دستوں کے ساتھ پہرہ داری کا انتظام کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قسم کے پہرہ داری میں مسلمانوں کی رغبت کو زیادہ کرنے کی غرض سے پہرہ دینے والوں کے لیے خصوصی طور پر دعا فرمائی۔(۲۰)

۷۔ میدان جنگ میں یا ہنگامی حالات کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ذات کے تحفظ کے لیے بھی پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ پہرہ داری دوسری تمام پہرہ داریوں سے بالکل ہی مختلف ہوتی تھی۔ چونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تحریک اسلامی کی روح رواں تھی۔ لہذا آپ ﷺ کا تحفظ بھی اتنا ہی اہم تھا۔ عرب اصول جنگ کے مطابق دشمن کے اہم افراد کو چوری چھپے جا کر قتل کر دینا تاکہ دشمن کی جنگی کارروائیوں کو شدید دھچکا پہنچے اور اُن کی استعداد جنگ متاثر ہو، جائز تصور کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ لہذا انصار کے وہ دو قبائل جنہوں نے بیعت عقبہ کے موقع پر آپ ﷺ کے تحفظ کا عہد کیا تھا۔ آپ ﷺ پر پہرہ دیا کرتے تھے۔ جنگ بدر کے دوران حضور ﷺ کی عریش پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ ابن معاذ نے پہرہ دیا۔ جنگ احد کے فوراً بعد جب آپ ﷺ حمراء الاسد تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں مخیم ایستادہ کرنے کا حکم دیا۔ رات کے وقت آپ ﷺ کے خیمہ کے ارد گرد اوس اور خزرج کے چُنیدہ رضاکاروں جن میں سے چار اوس سے تین خزرج سے تعلق رکھتے تھے نے پہرہ دیا۔ اوس سے تعلق رکھنے والے حضرات سعد بن معاذ، عباد بن بشر، عبید بن اوس اور قتادہ بن النعمان تھے جبکہ سعد بن عبادہ، حباب بن المنذر اور اوس بن خولی (رضی اللہ عنہم) کا تعلق خزرج سے تھا۔(۲۱)

حضرت عباد رضی اللہ عنہ ابن بشر اس فرض منصبی پر کئی بار فائز کیے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ جس ایثار، فرض شناسی اور محبت سے یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اس کے مد نظر آپ رضی اللہ عنہ حمراء الاسد، ذات الرقاع، حدیبیہ اور کئی دوسرے موقعوں پر اس فریضہ پر فائز کیے گئے۔ (۲۲)

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جن کے بارے میں اس فریضہ کی ادائیگی کا تذکرہ سیرت کی مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔

۸۔ آپ ﷺ کا نظام استخبارات انتہائی فعال اور انتہائی سریع تھا۔ جب کبھی آپ ﷺ کو دشمن کی طرف سے حرکت کی اطلاع موصول ہوتی۔ آپ ﷺ فوراً ہی ایک فوجی دستہ اس کی راہ روکنے کے لیے روانہ فرمادیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے جنگ بدر سے قبل اس قسم کے نو دستے روانہ کیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار مکہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ جنگ بدر کے بعد اسی قسم کے سات جنگی دستے روانہ کیے گئے جن میں دو دستے تو قریش مکہ کی متوقع جنگی کارروائیوں یا تجارتی کارروائیوں کی اطلاع ملنے پر روانہ کیے گئے اور چار مہمیں آمادہ فساد صحرائی قبائل کے خلاف بطور تادیبی کارروائی روانہ کی گئیں اور ایک مہم مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قینقاع کے خلاف روانہ کی گئی تھی۔ غزوہ احد کے بعد اس قسم کی نو مہمیں روانہ کی گئیں۔ جنگ احزاب کے بعد اٹھارہ مہمیں روانہ کی گئیں، صلح حدیبیہ کے بعد کسی بھی مدینہ مخالف طاقت کو نہ صرف یہ کہ مدینہ کی طرف میلی آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی بلکہ یہ لوگ گروہ در گروہ آکر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۹۔ حضور ﷺ جب کسی عسکری مہم پر روانہ ہوتے تو آپ ﷺ اس علاقے کے بارے میں اور متوقع دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے طلیعہ گرد دستے بھیجا کرتے یا پھر آپ ﷺ کے جواسیس یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ متعلقہ معلومات حاصل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ اپنے لشکر کو حرکت میں لاتے تھے۔

۱۰۔ آپ ﷺ دورانِ جنگ یا مہمات کے دوران دوست اور دشمن کی پہچان کے لیے شعار مقرر کر دیتے تھے۔ یہ شعار کتب سیرت میں بڑی تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ معرکہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا جنگی شعار ''اَحَد اَحَد'' تھا۔ (۲۳) جنگ اُحد میں مسلمانوں کا شعار ''اَمِت اَمِت'' تھا۔ (۲۴) غزوہ خندق میں مسلمانوں کا شِعار ''حٰم لایُنصرون'' تھا۔ اسی شِعار کی وجہ سے مسلمانوں کے دو پہرہ دار دستے رات کے وقت مکمل تباہی سے بچ گئے۔ ہوا یوں کہ اندھیری رات میں مسلمانوں کے دو پہرہ دار دستوں میں آپس کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ایک دوسرے کو نہ پہچان سکنے کی وجہ سے لڑ پڑے۔ چند ایک صحابہ کی جان گئی اور کچھ زخمی بھی ہو گئے۔ پھر اپنے مقرر شعار کو دوہرانے سے متنبہ ہو گئے۔ لڑائی روک دی گئی اور مکمل تباہی سے بچ گئے۔ (۲۵)

بقول حلبی: "غزوہ احزاب میں مسلمانوں کا شِعار "حٰم لایُنصَرون" تھا۔ یہاں شاید مسلمانوں سے مراد انصاری مسلمان ہے۔ کیوں کہ کتاب امتاع الاسماع میں مہاجرین کا جنگی شِعار "یا خیل اللہ" تھا۔ اس طرح "حٰم لَایُنصَرون" انصار کا شعار تھا"۔ (۲۶)

سریہ طُرق یا طَرف کے دوران مسلمانوں کا شِعار "اَمت اَمت" تھا۔ (۲۷)

خیبر میں مسلمانوں کا شِعار "یا منصور امت امت" تھا۔ (۲۸)

سریہ ابو بکرؓ صدیق جو بنو کلاب کے خلاف نجد کے علاقے میں روانہ کیا گیا تھا کے دوران مسلمانوں کا شعار "امت امت" تھا۔ (۲۹)

سریہ اُسامہ بن زید جو جہنیہ قبیلے کی طرف ''حرقات'' کے علاقے میں بھیجا گیا تھا اُس کا شعار بھی "اَمت اِمت" تھا۔ (۳۰)

غزوہ بنو ہوازن کے دوران حضور ﷺ کے اپنے مخصوص دستے کا شعار ''یا خَیل اللہ'' تھا۔ مہاجرین کا شعار ''یا بنی عبد الرحمن'' اور اوس کا شعار ''یا بنی عبد اللہ'' تھا۔ (۳۱)

کچھ اور روایات کے مطابق غزوہ حنین کے دوران مسلمانوں کے شِعار ''یا بنی عبد الرحمن''، ''یا بنی عبد اللہ'' اور ''یا بنی عبید اللہ'' تھے۔ (۳۲)

مہاجرین کا شِعار ''یابنی عبدالرحمن'' تھا۔ بنو خزرج کا شِعار ''یابنی عبداللہ'' تھا۔ اور اوس کا شِعار ''یابنی عبیداللہ'' تھا۔ تمام مسلمانوں کا مشترکہ شِعار ''یامنصور اَمِت'' تھا۔ (۳۳)

سریہ کدید جو حضرت غالبؓ بن عبداللہ الکلبی کی سربراہی میں بنی ملوح کی طرف بھیجا گیا تھا کا شِعار بھی ''اَمت اَمت'' تھا۔ (۳۴)

۱۱۔ فوجوں کو میدانِ جنگ میں تعینات کرنے سے پہلے آپ ﷺ متوقع میدانِ جنگ کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ یا تو طلیعہ بھیجتے تھے یا پھر میدانِ جنگ کا خود جائزہ لے کر اپنی تدبیراتی منصوبہ بندی کرتے تھے۔

چنانچہ انہی معلومات کو بنیاد بنا کر آپ ﷺ اپنی افواج کے تحفظ کا منصوبہ بھی بناتے اور پھر اس منصوبے کو عملی طور پر میدانِ جنگ میں نافذ بھی فرماتے تھے۔

میدانِ احد میں اپنے لشکریوں کے تحفظ کے لیے آپ ﷺ نے جبل عینین پر پچاس تیر اندازوں کا فعال دستہ متعین کیا تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

غزوہ خندق میں خندق کا کھودنا ایک حفاظتی عمل تھا تاکہ دشمن کی عظیم الجثہ اور بڑھتی ہوئی فوج سے بالواسطہ ٹکراؤ سے بچا کر اپنی فوج کو محفوظ کر لیا جائے۔

۱۲۔ دورانِ جنگ جب کبھی نماز کا وقت ہو جاتا اور آپ ﷺ جنگ کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیلے حکم ربانی کے مطابق حفاظتی انتظامات کی تکمیل کے بعد ادائیگی صلاۃ فرماتے تھے:

"اور اے نبی! جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ اُن میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنا اسلحہ لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ کر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لیے رہے۔ کیوں کہ کفار اسی تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر پھر بھی چوکنے رہنا۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسواکن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔" (۳۵)

۱۳۔ اور تو اور آپ نے کسی مسلمان کی طرف اسلحے کے ساتھ اشارہ کرنے سے بھی منع فرمادیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی آدمی نے اپنی مسلمان بھائی کی طرف اسلحہ کے ساتھ اشارہ کیا تو فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے رہیں گے جب تک وہ اشارہ کرنا چھوڑ نہیں دیتا۔ اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں ہو۔" (۳۶)

یہ تھیں چند جھلکیاں اُن حفاظتی اقدامات کی جو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیائے انسانیت کی سب سے مقدس جماعت کے تحفظ کے لیے اٹھائے تھے۔

تحفظ اموال

حضور ﷺ نے تحفظ اموال کو عبادت کا درجہ عطا فرمایا اور اس فریضہ کی سبکدوشی کے دوران مارے جانے والے کو شہید قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل کر دیا جائے یا اہل وعیال یا اپنی جان یا دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے" (۳۷)

۱۔ میدانِ جنگ میں حاصل ہونے والی فتح کے بعد مالِ غنیمت اور جنگی قیدی حفاظت کے متقاضی ہوتے تھے۔ جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے، آپ ﷺ اُن کو عموماً رہا کر دیا کرتے تھے۔ یا پھر فدیہ لے کر چھوڑ دیتے تھے۔ تاہم مالِ غنیمت کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کسی شخص کو متعین فرمادیا کرتے تھے۔

جنگ بدر کے مالِ غنیمت پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن کعب الخزرجی کو تعینات کیا۔ (۳۸)

قیدیوں پر آپ ﷺ نے حضرت شقران (حضور ﷺ کے غلام) کو تعینات فرمایا۔ (۳۹)

اسی طرح غزوہ بنی المصطلق کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن حصیب اسلمی کو جنگی قیدیوں کا محافظ مقرر فرمایا۔ (۴۰)

آپ ﷺ کے تعینات کردہ محافظین مالِ غنیمت، محافظین جنگی قیدی اور محافظین اموال خمس کی فہرست کافی طویل ہے۔تاہم یہ سب انتظامات اس بات کے غماز ہیں کہ حضور ﷺ کو مسلمانوں کے اموال کا تحفظ بہت عزیز تھا اور آپ ﷺ اس کا باقاعدہ انتظام فرماتے تھے۔

۲۔ آپ نے مسلمانوں کے اسلحہ خانے اور گھوڑوں کے تحفظ کا نہ صرف یہ کہ مستقل انتظام فرمایا بلکہ اُن کے حساب کتاب اور حفاظت کے لیے مستقل طور پر صحابہ کا تعین فرمایا۔ مثلاً غزوہ خیبر کے دوران ہر طرح کا مالِ غنیمت، گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ کو ایک صاحب المغانم کے حوالے کر دیا گیا۔ مسلمانوں میں سے جس کسی کو کوئی چیز ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے آکر لے لیتا اور استعمال کے بعد واپس لا کر جمع کرا دیتا تھا۔(۴۱)

آپ ﷺ سرکاری مال میں خرد برد اور خیانت کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس بات پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ خیبر میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ فلاں آدمی شہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں۔ میں نے اسے چادر یا عباء کی چوری کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابن خطاب جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نکل کر لوگوں میں یہ آواز لگائی کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔(۴۲)

اسی طرح کا واقعہ قبیلہ جذام کے غلام کے ساتھ پیش آیا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیبر کے دن مالِ غنیمت سے چوری کی جانے والی چادر کی وجہ سے وہ جہنم کے شعلوں میں جل رہا ہے، یہ سن کر سب خوفزدہ ہو گئے۔ ایک آدمی دو تسمے لے کر آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول یہ مجھے جنگ کے دوران خیبر میں ملے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تسمے بھی آگ کے ہیں۔(۴۳)

آپ نے حکم خداوندی کہ: "اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا۔ پھر ہر متنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلا مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔"(۴۴)

کے مطابق اپنے اصحاب کے اندر ملی اموال کی حفاظت اور اُن میں خیانت سے نفرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ آپ ﷺ کی تربیت کا ہی اثر تھا جب خلیفہ ثانی کے دور میں فتح ایران کے بعد مالِ غنیمت میں سے چھوٹی سے چھوٹی اور قیمتی سے قیمتی چیزوں کا ڈھیر مسجد نبوی میں لگا دیا گیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ مسلمانوں کی اس قدر کمال امانت داری پر اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ شکر بجا لائے۔

۳۔ حضور ﷺ جب کبھی مدینہ سے باہر کسی عسکری یا تبلیغی مہم کے لیے نکلتے تھے، مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما جاتے۔ اس نیابت کا مقصد جہاں مدینہ کا نظم و نسق سنبھالنا ہوتا تھا وہاں پر مدینہ کے تحفظ اور وہاں رہنے والوں کی حفاظت کا انتظام اور ان امور سے متعلق مسائل بھی مد نظر رکھے جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے دو غزوات یعنی غزوہ ودان اور غزوہ بواط کے دوران حضرت سعد بن عبادہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہما کو باری باری اپنا نائب مقرر فرمایا۔ بعد ازاں مختلف اوقات میں حضرت زید بن حارثہ، ابو سلمہ بن عبد الاسد، عمر ابن ام مکتوم، ابو لبابہ بشیر بن عبد المنذر، عاصم بن عدی عجلانی، حارث بن عمر رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن ام مکتوم کو اس ذمہ داری پر بارہ یا تیرہ مرتبہ فائز کیا گیا۔ ان کے علاوہ حضرت سبا بن عرفتہ غفاری کو تین مرتبہ نیابت رسول ﷺ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت ابورُحم کلثوم بن الحسین الغفاری، حضرت عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم بھی اس ذمہ داری پر فائز کیے گئے۔ چنانچہ اس انتظام کے باعث عقب کے معسکر میں موجود افراد امن و سکون سے رہتے اور دشمنوں کو اس طرف پیش قدمی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

تحفظ راز اطلاعات

ا۔ آپ ﷺ اپنے رازوں اور اپنے جنگی منصوبوں کو ہمیشہ خفیہ رکھتے تھے۔ سیرت کی کتابوں میں یہ امر تکرار کے ساتھ موجود ہے کہ آپ ﷺ جب کبھی جنگی مہم پر نکلتے تو ہمیشہ اپنے ہدف کی سمت کے علاوہ کسی اور سمت روانہ ہوتے تا کہ دشمن تک آپ ﷺ کی روانگی کی اطلاع نہ پہنچ پائے۔ آپ ﷺ اپنے تمام حربی تحرکات میں اسی طرح کی حکمت عملی سے کام لیتے تھے ماسوائے غزوہ تبوک کے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے علی الاعلان منزل اور دشمن دونوں کے بارے میں قبل از وقت لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ فاصلہ، موسم اور دشمن کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمان اپنی جنگی تیار کر سکیں۔(۴۵)

جنگ اُحد سے قبل آپ ﷺ کو مکہ میں موجود اپنے استخباراتی عملے کی طرف سے خط ملا۔ جس میں تحریر تھا کہ کفارِ مکہ کے تین ہزار مسلح فوجی مدینہ پر حملے کے لیے روانہ ہونے کو ہیں۔ آپ ﷺ نے اس اطلاع کو چند ایک افراد تک محدود کر دیا۔ اور انہیں راز کو راز رکھنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ آ کر اپنے چند ایک مخصوص اصحاب الرائے افراد کو بلا کر مشورہ کیا۔ حضور ﷺ نے سیکورٹی کے پیش نظر اپنا منصوبہ جنگ انہی چند ایک افراد تک ہی محدود رکھا۔ جب کہ قریش مکہ کا تمام منصوبہ حضور ﷺ کے سامنے موجود تھا اور آپ ﷺ کے جاسوسوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا تھا۔

رازوں کی حفاظت کتنی ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ آسمانِ دنیا کے رازوں کے تحفظ کے لیے اسے تاروں سے مزین کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ کچھ آیاتِ قرآن یوں ہیں: "یہ ہماری کارفرمائی ہے کہ ہم نے آسمان میں بہت سے مضبوط قلعے بنائے۔ ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کیا۔ اور ہر شیطان مردود سے ان کو محفوظ کیا ہے۔ کوئی شیطان ان میں راہ نہیں پاتا اور یہ کہ کچھ سن گن لے اور جب وہ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک روشنی شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے روشن کیا ہے اور انہیں شیاطین کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم نے مہیا کر رکھی ہے۔"

آسمانِ دنیا پر ستاروں کی موجودگی کی وجہ یوں بیان فرمائی: "اور یہ کہ "انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا تمہارا (جنوں کا) گمان تھا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے والوں سے اٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ پہلے ہم سُن گُن کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے لیے گھات میں ایک شہابِ ثاقب لگا پاتا ہے۔"

۲۔ آپ ﷺ رازدں کی حفاظت پر بہت زور دیتے تھے۔ کیوں کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے بھیس میں دشمن کے بہت سارے لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ آپ ﷺ کو خداوند تعالیٰ نے خود مطلع فرما دیا تھا: "ان کے سننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ یہود خیبر اپنی تمام تر خفیہ گری اور یہود مدینہ میں اپنے بہی خواہوں کی موجودگی کے باوجود یہ معلوم نہ کر سکے کہ حضور ﷺ کس طرف سے اُن پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ خیبر کے دروازے پر جا وارد ہوئے۔ صبح سویرے جب یہود مدینہ کام کاج کے لیے باہر نکلے تو انہیں مسلمان لشکر نظر آیا۔ یہ لوگ اُلٹے پاؤں بھاگتے اور شور مچاتے اپنے قلعے کے اندر جا داخل ہوئے۔(۴۶)

۳۔ فتح مکہ کے لیے روانگی کے وقت آپ ﷺ نے جو حفاظتی اقدامات کیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جنگی تیاری کا حکم دیا لیکن سمت اور منزل نہیں بتائی۔ آپ ﷺ نے دس سواروں کا ایک دستہ شمال کو اِضم کی طرف روانہ کیا تا کہ مدینہ میں موجود کفار کے جاسوس کفارِ مکہ کو حضور ﷺ کے نئے متوقع سریہ کی غلط سمت بتائیں یا یہ مخمصے میں پڑے رہیں کہ آپ ﷺ نے کدھر جانا ہے۔(۴۷)

آپ ﷺ نے اپنے آگے آگے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کو دو سو سواروں کا دستہ دے کر روانہ فرمایا تا کہ وہ راستے کی دیکھ بھال کرتے جائیں۔(۴۸) آپ ﷺ نے تمام اتحادیوں کو اپنی اپنی جگہ پر تیار رہنے کا پیغام ارسال کیا اور پھر مکہ جاتے ہوئے اُن کو راستے میں سے لیتے گئے۔ آپ ﷺ کا جنگی منصوبہ اتنا جامع اور اتنا خفیہ تھا کہ جب آپ ﷺ مکہ کے نواح میں جا اُترے تو اہل مکہ کو خبر تک نہ ہوئی۔ مدینہ منورہ سے کوچ کرنے سے قبل اس دوران آپ ﷺ

کے علم میں یہ بات آئی کہ ایک عورت کے ذریعے اہل مکہ کو مطلع کرنے کے لیے خط روانہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کو موصوفہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔ روضہ خاخ کے پاس اس خاتون سے وہ خط برآمد کیا گیا۔ اس طرح حضور ﷺ کا مکہ کی طرف روانہ ہونا راز ہی رہا۔(۴۹)

آپ ﷺ نے مدینہ کے باہر سے آنے والے تاجروں کا مدینہ میں داخلہ بند کر دیا۔ اسی طرح مکہ کی طرف جانے والے راستوں کو بھی بند کر دیا گیا۔ مدینہ شہر میں آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھی جانے لگی۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ نے اس لیے کیا تھا کہ اوّلاً مکہ پر حملہ کرتے وقت دشمن پر اچانک پن سے غلبہ حاصل کیا جائے تاکہ وہ جنگی تیاری کر کے مقاومت نہ کر سکیں۔ ثانیاً آپ ﷺ کم سے کم انسانی جانوں کا ضیاع چاہتے تھے اور آپ ﷺ کے حفاظتی منصوبے نے یہ دونوں مقاصد حاصل کر لیے۔ آپ ﷺ کا غزوہ تبوک کے لیے حدود عرب سے نکل کر شامی سرحدوں میں جا کر لڑنا بھی حفاظتی وجوہات کی بناء پر تھا۔ باز نطینی افواج حضور ﷺ کے افواج قاہرہ کا سن کر مقابلے کی ہمت نہ کر سکے اور پلٹ کر اپنے علاقے کے اندر چلی گئیں۔

۴۔ آپ ﷺ تحفظ راز کا اس قدر خیال کرتے تھے کہ ایک ہی دشمن کے خلاف کوئی بھی جنگی منصوبہ دوبارہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ اچانک حملے اور دشمن کی طرف سے گھات کے بارے میں بڑے محتاط رہتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے لشکر کے آگے قراولی دستہ روانہ فرماتے تھے تاکہ اچانک دشمن کی گھات میں نہ جا پڑیں۔(۵۰)

۵۔ جب کبھی آپ ﷺ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو جنگی چال سے کام لیتے تھے۔ مثلاً جب آپ ﷺ نے غزوہ حنین کا ارادہ فرمایا تو اپنی مجلس میں موجود اصحاب سے علی الاعلان دریافت فرمایا کہ نجد کا راستہ کون سا ہے۔ وہاں راستے میں پانی کا کیا انتظام ہے۔ نجد تک راستے میں کون کون سے اسلام دشمن قبائل ہیں (یعنی حنین کی بجائے نجد کے بارے میں معلومات حاصل فرماتے رہے) لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے نجد جانا ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ لڑائی فراست کا نام ہے۔(۵۱)

۶۔ مدینہ سے بدر کی طرف روانگی کے دوران آپ ﷺ نے اُونٹوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں اتروا دیں تاکہ دشمن کو آپ ﷺ کی فوجی نقل و حرکت، سفر کی سمت وغیرہ کا پتہ نہ چل سکے۔ آپ ﷺ اپنے فوجیوں کو کسی مہم پر روانہ کرتے وقت کامل رازداری کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو رات کے وقت سفر کرنے اور دن کو چھپ جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے روانہ کیے دستے اپنے ہدف پر جھپٹتے انہیں اچانک ہی جا لیتے۔ وہ بغیر کسی مزاحمت کے یا تو ہتھیار پھینک دیتے تھے۔ یا پھر مال و متاع چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔(۵۲)

۷۔ آپ ﷺ نے رازوں کی رازداری کے لیے ایک نیا طریقہ "رسالہ مکتوم" کو رواج دیا۔ آپ ﷺ کسی مہم کو روانہ کرنے سے قبل کچھ خفیہ ہدایات ایک خط میں تحریر کر کے اس کو مہر بند کر دیتے اور کسی منزل مقصود اور وقت موعود پر اس کو کھول کر دیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے۔ جیسا کہ سریہ نخلہ کے موقع پر آپ ﷺ نے کیا تھا۔(۵۳)

۸۔ تحفظ راز یا کتمان سر فنون حرب کے اصول وضوابط میں ایک اہم اصول ہے۔ عربی زبان وادب میں اس کے بارے میں بہت سی ضرب الامثال موجود ہیں جو اس بات کی شاہد ہیں کہ قرونِ وسطیٰ کے مسلمان کتمان راز کو کس قدر اہمیت دیتے تھے، مثلاً:

1۔ "خبردار تیری زبان تمہیں گردن زدنی قرار دیتی ہے۔"

2۔ "اور مچھلیوں کے بھی دو دو کان ہوتے ہیں۔"

3۔ "تمہارا سینہ تمہارے راز جتنا وسیع ہونا چاہیے۔"

4۔ "احتیاط اس امر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کسی مصیبت میں پڑ جائے۔"

5۔ "تمہارا راز تمہارا قیدی ہے جب تم نے اس کا تذکرہ کر دیا تو اسے رہا کر دیا۔"

6۔ "دل رازوں کے دفینے ہیں۔ اور ہونٹ ان پر لگے تالے ہیں اور ان تالوں کی چابی زبان ہوتی ہے۔ لہذا زبان کی ہر حرکت سے رازوں کا تالا کھلتا ہے لہذا اس کی سخت حفاظت کی جائے۔" (۵۴)

فریب ایک مفید ہتھیار

اسی طرح فریب بھی بہت مفید ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان صراط مستقیم کی بجائے چھوٹے راستوں سے ہوتا ہوا بھی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کا مقصد اپنے منصوبوں پر پردہ ڈالنا ہوتا ہے۔ اپنی فوج کو مختلف راستوں سے لیکر جانا ہی کمال ہوتا ہے تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے۔ آپ ﷺ نے رازداری سے خفیہ خبریں پہنچانے کا باقاعدہ بندوبست کیا۔ عبّاس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب مکہ میں آپ ﷺ کے جاسوس تھے۔ اسی طرح انس رضی اللہ عنہ ابن ابی مرثد الغنوی آپ ﷺ کے اواس (طائف کے نزدیک) میں خفیہ ایجنٹ تھے۔ ان کے علاوہ نجد میں المنذر رضی اللہ عنہ ابن عمرو السعیدی عرف عنق لیموت بطور ایجنٹ کام کر رہے تھے۔

آپ ﷺ اپنے کُوچ کو خفیہ رکھتے اور عام طور پر توریہ فرمایا کرتے تھے۔ توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ﷺ ایسے مواقع پر مُبہم الفاظ استعمال فرماتے تھے جن کے کئی معنی ہو سکتے تھے۔ آپ ﷺ ایسا اس مصلحت کے تحت کرتے کہ خُون ریزی نہ ہونے پائے اور محض لشکر کی نمائش ہی دُشمن کے دلوں میں مسلمانوں کا دبدبہ اور ہیبت پیدا کر دے۔ ایسا ہی فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ بیت اللہ کا تقدّس بھی برقرار رہا اور اہل مکہ سرنگوں بھی ہو گئے۔ آپ ﷺ غیر معروف راستوں پر چل کر اچانک ہی دشمن کے سر پر جا پہنچتے۔ اسی طرح اُونٹوں کے گلے سے گھنٹیاں علیحدہ کر دی جاتیں تاکہ دشمن کو فوج کی حرکت کا علم نہ ہو سکے۔ عام طور پر خود مسلمانوں کو یہ بھی علم نہ ہوتا کہ ان کی منزل کون سی ہے؟ یہ احتیاطی تدابیر اس بناء پر بھی تھی کہ مدینہ میں منافقین پانچویں کالم کا کام کرتے تھے۔ وہ قریش کو مدینہ میں ہونے والے لمحہ بہ لمحہ واقعات سے آگاہ کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔

جب آپ ﷺ نے طائف کے لئے کُوچ فرمایا تو آگے بڑھ کر اُسے ایک ایسے رُخ سے گھیرا جدھر وسیع میدان ہے اور پڑاؤ وغیرہ کی سہولت ہے۔ مگر جدھر سے آپ ﷺ کے آنے کا اہل طائف کے ذہن میں شائبہ تک نہ تھا۔ صرف غزوہ تبوک توریہ سے مستثنیٰ ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے لئے کُوچ کے دنوں میں گرمی اپنے شباب پر تھی اور سفر بھی دُور دراز علاقے کا تھا۔ اس کے علاوہ دشمن عددی اعتبار سے کثرت میں تھا، اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے صاف صاف بیان کر دیا کہ تبوک پر جانے کا قصد ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اپنے حالات کے موافق تیار کر لیں۔ (۵۵)

مختلف وسائل کا استعمال

آپ ﷺ دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے بیک وقت مختلف وسائل اختیار فرماتے تھے۔ تاکہ دشمن کے متعلق اطلاعات بھی ملتی رہیں اور مسلمانوں کی کسی بھی قسم کی پیش رفت سے غافل رہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اور سعید رضی اللہ عنہ بن زید کو قریش کے تجارتی کاروان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاطر بھیجا لیکن جب وہ لوٹے تو اُن کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ کو کاروان کی آمد کی اطلاع اپنے دیگر وسائل سے ہو چکی ہے اور آپ ﷺ مدینے سے روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

آپ ﷺ کے جنگی اسرار و رموز

حضور نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جنگی اسرار و رموز کو افشاء نہ کیا جائے۔ اس طرح کا افشاء مُنافقین کی علامت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ایسی تمام باتیں صرف سپریم کمانڈر کو ہی بتائی جائیں۔ جب آپ ﷺ نے غزوہ اُحد کے بعد علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ کو معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ تو اُن سے

فرمایا:" اگروہ گھوڑوں کو کوتل چھوڑ کر اُونٹوں پر سوار ہو رہے ہیں تو سمجھو کہ مکہ کا قصد رکھتے ہیں اور اگروہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اُونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو وہ مدینہ کا قصد کر رہے ہیں۔" آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ مرتضےٰ کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے مشاہدہ کا بِرملا اظہار نہایت ہی مضر ہوتا ہے۔

منصوبہ بندی: آپ ﷺ کی سنّت حسنہ

"منصوبہ بندی آپ ﷺ کی سنّت حسنہ تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت کے منصوبہ بڑے غور و فکر اور تدّبر سے بنایا تھا۔ آپ ﷺ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پُہنچے تو وہاں پہلے یہ پُوچھا کہ گھر میں کون کون ہے اور اس کے بعد اپنی ہجرت کے متعلق ارشاد ربّانی سے آگاہ فرمایا۔"(۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ وسیع تر صورت حال کو مدّ نظر رکھتے۔ کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ چھوٹی چھوٹی جزئیات پر بھی نظر رکھتے اور احکام ربّانی سے بھی انحراف نہ ہوتا۔

نظامِ سراغ رسانی: ایک مرکزیت

آپ ﷺ کے جاسوسی نظام کا یہ دستور تھا کہ آپ ﷺ کو براہِ راست اطلاعات خبریں فراہم کی جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاسوسی کا شعبے کو مکمل طور پر اپنے پاس ہی رکھا۔ اس سے ہمیں یہ نکتہ ملتا ہے کہ ہیڈ کوارٹرز کے ساتھ ہی ان اطلاعات کا رابطہ ہونا چاہئے تاکہ درمیان میں کسی بھی جگہ کوئی کڑی ٹُوٹ نہ جائے۔ اِن اطلاعات کو اپنے تک ہی محدود رکھنا (اور صیغہ راز میں رکھنا) آپ ﷺ کی عادت مُبارکہ تھی۔ شعبہ جاسوسی کی کامیابی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر ہی تھی۔ غزوہ اُحد کے موقع پر شہر میں رہ کر لڑنے یا شہر سے باہر جا کر لڑنے کے متعلق آپ ﷺ کی خاموشی سے مُنافقین اور قریش کے جاسوس بڑے حیران تھے کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ آپ ﷺ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ دشمن کے جاسوسوں کو صحیح اطلاع نہ مل سکے۔

غیر مسلم سراغ رساں کی خدمات

"آپ ﷺ غیر مسلم افراد کی خدمات بھی معاوضہ پر حاصل کرتے۔ تاکہ دشمن کے متعلق معلومات مل سکیں۔ جیسے ہجرت کے موقع پر عبداللہ بن اریقط کو راہبر بنایا تھا۔ جو ابھی مشرک تھا لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پر کامل اعتماد تھا۔"(۵۷)"وہ مکہ سے عرج تک آپ ﷺ کے ساتھ گیا۔ عرج سے مدینہ تک سعد العرجی کی خدمات مُستعار لی گئیں۔"(۵۸)"عرب کے جغرافیائی حالات کے پیش نظر راہبروں سے خدمات لی جاتی تھیں، جو پیشہ ور ہوتے تھے۔ غزوہ دومۃ الجندل میں آپ ﷺ نے بنو عذرہ کا ایک شخص اپنے ساتھ لیا۔ اس کا نام 'مذکور' تھا اور وہ ایک پیشہ ور راہبر تھا۔ غزوہ خیبر کے دوران میں ایک قلعے کے زمین دوز راستے کا پتہ آنحضرت ﷺ کو ایک یہودی ہی نے دیا۔"(۵۹)"غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے کنانہ بن ربیع سے بنی نُضیر کے خزانے کا پُوچھا۔ تو اُس نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا مگر بعد میں وہ خزانہ ایک کھنڈر سے مل گیا۔ اس کی خبر بھی ایک یہودی سے ہی ملی۔"(۶۰)

غیر اعلانیہ مسلم سے سراغ رسانی

"مکہ میں قریش کے احوال سے باخبر رہنے کیلئے دو قسم کے جاسوس سرگرم عمل تھے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اُن میں سے بیشتر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں خفیہ طور پر مدینہ ہجرت کر گئے۔ لیکن کچھ لوگ قریش کی نظر میں آ گئے تھے۔ جن کو وہاں زبردستی روک لیا گیا تھا۔ اِن لوگوں میں ایک ستّار بھی تھا۔ جس نے اپنے مشرّف بہ اسلام ہونے کا کسی سے اظہار نہ کیا تھا۔ وہ مکہ میں ہونے والی سرگرمیوں سے آپ ﷺ کو باخبر رکھتا اور مدینہ سے آپ ﷺ کے جو ایجنٹ آتے وہ اُن کو اپنے ہاں پناہ بھی دیتا۔ آپ ﷺ کے ایجنٹوں میں آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جن کو مکہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ زم زم کے کنویں کے محافظ تھے اور مکہ کی شہری ریاست کی دس رکنی کونسل کے رکن بھی تھے۔ مسجد حرام کی تولیّت بھی اُن کے سُپرد تھی۔ وہ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی آپ ﷺ کو قریش کی سرگرمیوں سے باخبر رکھتے تھے۔ غزوہ بدر میں ابو یسیر نے گرفتار کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ

عباس رضی اللہ عنہ درپردہ اسلام لے آئے تھے۔ لیکن اپنے اسلام کو اس لئے چھپاتے تھے کہ اُن کی بھاری رقوم بطور قرض قریش میں پھیلی ہوئی تھیں اُن کو اندیشہ تھا کہ اگر اُنہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا تو یہ رقمیں ڈوب جائیں گی۔"(۶۱)

علاوہ ازیں مکہ میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے وہ اُن کے تنہا ملجاء وماؤی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی اُنہوں نے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ تو آپ ﷺ نے اُنہیں باز رکھا اور فرمایا: "آپ رضی اللہ عنہ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے۔ خدا نے جس طرح مجھ پر نبوّت ختم کی ہے اُسی طرح آپ رضی اللہ عنہ پر ہجرت کو ختم کرے گا۔"(۶۲)

مکہ میں غزوہ بدر کی تیاریاں جاری تھیں۔ عبّاس رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے قریش کی جمعیّت اور اس کی روانگی کی کیفیّت و مقصد کی اطلاع ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے آپ ﷺ کو بھیجی۔ یہ قاصد بنو غفّار کا تھا۔ جسے اُجرت پر مقرّر کیا گیا تھا، اُنہوں نے لکھا کہ " قریش جنگ کیلئے مدینہ جا رہے ہیں اور وہ بہت بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ ہیں۔ ہتھیار اور سامان بھی بے پناہ ہے ں۔" اُنہوں نے قاصد کو یہ بھی تاکید کی کہ تین دنوں کے اندر اندر وہ مدینہ پہنچ جائے۔ آپ ﷺ کو یہ قاصد قُبا میں ملا۔ اسی طرح عبّاس رضی اللہ عنہ نے بدر الموعود اور خندق کے مواقع پر بھی آپ ﷺ کو قریش کے منصوبوں سے آگاہ کیا تھا۔ جب مدینہ پر احزاب نے یلغار کی۔ تو آپ ﷺ دومۃ الجندل گئے ہوئے تھے۔ جُونہی آپ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ آدھے راستے سے واپس آ گئے اور احزاب کے پُہنچنے سے پہلے دو ہفتے کی مہلت پا کر خندق کی کُھدائی مکمل کر لی۔

مابین کے سراغ رسانوں کا حال

جاسوس دونوں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ مسلمان ایک عظیم قائد کے ماتحت ایک اکائی کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اس کے برعکس قُریش محض ضرورت کے لحاظ اور طاقت میں بد مست ہو کر کاروائی کرنے پر مجبور ہُوئے تھے۔ مکہ میں ہی بنو خزاعہ کے مسلمان و مشرک دونوں ہی آنحضرت ﷺ کے مخلص رازدار تھے۔ یہ بھی مکہ میں رونما ہونے والے واقعات سے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ خزاعہ کے کم از کم دو افراد مکی عہد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ ان میں ایک الیمہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے ذوالشمالین رضی اللہ عنہ۔(۶۳) آپ ﷺ غیر مسلموں سے بھی اطلاعات وُصول کیا کرتے تھے۔ جیسے غزوہ تبوک پر آپ ﷺ کی اطلاعات کا ذریعہ نبطی سوداگر تھے۔

آپ ﷺ کے جاسوسی نظام کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ بعض دفعہ آپ ﷺ کا کوئی جاسوس اکیلا ہی آپ ﷺ کو اطلاع دینے والا ہوتا جس کے متعلق کسی دوسرے کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ بن عبدِ المطلب کی مثال واضح ہے۔ بعض دفعہ آپ ﷺ راہگیروں سے بھی معلومات حاصل کرتے۔ جیسے غزوہ ذی امر میں ثعلبہ کا ایک فرد مل گیا۔ اس سے پُوچھ گُچھ کی گئی تو معلوم ہوا کہ بنو ثعلبہ اور محارب ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلے اور یہ طے کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی آمد کا حال معلوم ہوتے ہی پہاڑوں میں جا کر دبک جائیں گے۔(۶۴)

خبروں کی تصدیق

عرب کا جغرافیہ مکمل طور پر آپ ﷺ کے سامنے تھا اور مختلف قبائل کی خصوصیات سے بھی آپ ﷺ کو آگاہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کو جب بھی کوئی اطلاع ملتی تو آپ ﷺ تصدیق کرائے بغیر کوئی اقدام نہ کرتے۔ آپ ﷺ کے پیش نظر یہ ارشاد ربّانی تھا۔ "اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔"(۶۵)

ڈس انفارمیشن سے بچاؤ

اسی حکم کے پیش نظر آپ ﷺ خبر کی فوری طور پر تحقیق کر لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو حارث بن ضرار کی ریشہ دوانیں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بُریدہ رضی اللہ عنہ بن حُصیب اسلمی کو بھیجا کہ صورت حال کی خبر لائیں۔ اُنہوں نے اطلاعات کے برحق ہونے کی تصدیق کی۔ اس پر آپ ﷺ نے

تادیبی اقدامات کئے۔ غزوہ ہوازن میں آپ ﷺ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی حدرد اسلمی کو دشمن کی صفوں کے اندر بھیجا اور ہر معاملے کے متعلق صحیح اور قطعی معلومات حاصل کیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے تو بہتر ہے، بصورت دیگر موقع و محل کی نسبت خاطر خواہ انتظامات کئے جائیں۔ آپ ﷺ کے انہیں اوصاف کے پیش نظر دشمن کیلئے یہ ناممکن تھا کہ آپ ﷺ تک غلط اطلاعات پہنچا کر آپ ﷺ کو پریشان کر سکتا۔ اطلاعات حاصل کرنے کے انہی مکمل انتظامات کی وجہ سے ہی آپ ﷺ کو اپنی سپاہ کی ہر بات کی اطلاع ملتی رہتی۔ جب بھی کوئی اہم بات ہوتی تو اس کا تدراک فوری طور پر کیا جاتا۔ فتح مکہ کے موقع پر سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے یہ کہ دیا۔ ''آج کا دن لڑائی کا دن ہے اور آج مکہ کی حرمت حلال ہو جائے گی۔'' اس پر آپ ﷺ نے کمان ان کے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی جو ایک ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک تھے۔

مُنافقین کی خبر کی چھان پھٹک

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جو خبریں اُن تک پُہنچیں اُن پر یقین یا عمل کرنے سے پیشتر اُن کی خُوب چھان بین کر لیا کریں۔ اطلاعات کی چھان پھٹک کرنے کے بعد آپ ﷺ ضروری اقدامات فرماتے۔ جب باز نطینوں کے حملے کی خبریں مدینے آئیں تو آپ ﷺ نے فوری طور پر اُن کے اِرادوں کو بھانپا اور اُن کی روانگی کی تاریخوں کا تعیّن کیا۔ اگر آپ ﷺ اس طرح کی معلومات حاصل نہ کر پاتے تو زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی فوج کبھی بھی باز نطینوں کے مرکز اجتماع پر نہ پُہنچ سکتی۔ آپ ﷺ خبروں کی چھان پھٹک کے بعد فوری طور پر ٹھیک ٹھیک وقت پر فیصلہ کرتے، جیسے غزوہ بنو مصطلق کے موقع عبداللہ بن اُبی نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک خُون ریز فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے صحیح صورت حال دیکھنے کے بعد فوری طور پر لشکر کے کُوچ کا حکم دے دیا۔ اِس طرح آپ ﷺ کے بروقت اقدام کی بناء پر مسلمان مُنافقین کی چالوں سے محفوظ ہو گئے۔

مستشرقین کا باطل دعوی

منٹگمری جیسے مستشرقین کا یہ دعوی ہے کہ: مسلم جاسوس قریش کے تجارتی قافلوں کے گزرنے کا صحیح وقت معلوم کرنے سے قاصر رہتے تھے یہی وجہ کہ مسلم فوج یہ مہم کی زد سے بچ جاتے تھے۔''(٦٦)

دعوی کا جواب

یہ دعوی یکسر باطل ہے کیونکہ ایسے دور میں جب کسی قسم کا کوئی لاسلکی نظام موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ کے مخبر آپ ﷺ کو صحیح معلومات فراہم کیا کرتے تھے۔ سریہ نخلہ کی مثال ہمارے سامنے ہے جسے مدینہ سے کوئی تین چار سو کلومیٹر دُور روانہ کیا گیا اور وہ مہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ اس طرح بدر سے پہلے قریش کے تجارتی کارواں کے متعلق آپ ﷺ کی اطلاعات اتنی حتمی تھیں کہ آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم روانہ کئے، دو جاسوسوں کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا جن کو آپ ﷺ نے اس قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے فعّال جاسوسی نظام کی ہی وجہ سے تھا کہ قریش غزوہ بدر کے بعد اگلی بار آپ ﷺ کو للکارنے سے پہلے آپ ﷺ کی اتھارٹی کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ:

"آپ ﷺ کے دور میں استخبارات کے محکمے کی خاص طور پر نشو و نما کی گئی اور اندرون ملک و بیرون ملک آپ ﷺ کو مکہ، نجد اور طائف اور کئی دیگر جگہوں (اُن کی فتح سے پہلے ہی) میں ہونے والے واقعات سے باخبر رکھنے کیلئے خبر بھیجنے والے مقرّر کئے گئے۔"(٦٧) "آپ ﷺ نے ابتداء ہی سے جاسوسی کے انتظام کے نظم پر بھرپُور توجہ دی۔ آپ ﷺ سرایا وغیرہ کے ساتھ جاسوسوں کو بھی بھیجا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے اُسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو صفر ١١ ہجری میں شام کی طرف ایک لشکر دے کر بھیجا۔ توُ انہیں اپنے ساتھ طلائع اور جاسوس وغیرہ لیجانے کی ہدایت فرمائی۔"(٦٨)

آپ ﷺ اپنے منظّم نظام جاسوسی کے ذریعے یہ کوشش کی کہ رفتہ رفتہ قریش کے چاروں طرف مسلمان یا مسلمانوں کے حلیف جمع ہو جائیں۔ اس کی مثالیں قبائل اسلم و خزاعہ کی ہیں، جو مضافات مکہ میں آباد تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کا جاسوسی نظام دُور دُور تک پھیل گیا۔ کیونکہ فتوحات کا سلسلہ پھیلتا

جارہا تھا۔ جب خسرو پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کیا۔ تو آپ ﷺ نے کسریٰ کے بھیجے ہوئے دو ایرانی افسروں سے فرمایا: "آج رات میرے رب نے تمہارے رب کو قتل کر دیا۔"(۶۹)

کسریٰ کے قتل کی اطلاع حدیبیہ کے روز آئی۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ سے مہینہ بھر پہلے کا ہو گا اور اس عرصے میں ایران کی خبر اُس زمانے میں مکے تک آسکتی تھی۔

تفتیشی طریقہ کار

"قیدیوں سے معلومات حاصل کرنے کا رواج آج بھی موجود ہے۔ رُوس میں اکثر و بیشتر گشتی دستے قیدیوں کو پکڑنے کیلئے انٹیلی جنس کے مقاصد کے تحت استعمال کئے جاتے ہیں۔ اُن کو واٹر بورڈ نگ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک ایک رُوسی فوجی حکم میں کہا گیا ہے۔" دشمن کے متعلق بہترین معلومات قیدیوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔"(۷۰)

افواہ اور نشر و اشاعت کی اہمیت

یُوں تو آپ ﷺ نے اپنے ہر غزوہ اور سریہ میں جاسوسوں سے کام لیا۔ لیکن غزوہ احزاب میں مسلمانوں کی فتح کلیتہً نظام جاسوسی کی مرہون منّت ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے۔ کہ "لڑائی فراست کا نام ہے"۔

اس غزوہ میں نعیم بن مسعود اشجعی نے آپ ﷺ کی منشاء کے مطابق احزاب میں افتراق پیدا کر دیا۔ آپ ﷺ پروپیگنڈہ، افواہ اور نشر و اشاعت کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس پر عصر حاضر کی جنگوں کا زیادہ تر انحصار ہے۔

آج متحاربین ایک دوسرے کے متعلق پروپیگنڈے پر بے پناہ انحصار کرتے ہیں اور دشمن کی تشکیلات سے متعلق طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں تاکہ اس کے مورال پر منفی اثرات مرتّب کئے جاسکیں۔ اسی اُصول کے تحت پروپیگنڈہ، افواہ اور نشر و اشاعت کی اہمیت نے احزاب میں افتراق پیدا کرنے کے اقدامات کئے۔ پروپیگنڈہ، افواہ اور نشر و اشاعت کی اہمیت آپ ﷺ کو معلوم تھی کہ افواہ سازی سے دشمن بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور یہ کام نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود اشجعی کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ لڑائی کے دوران ہی آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ احزاب بنو قریظہ کو مسلمانوں پر پیچھے سے وار کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ اس طرح مسلمان دو تلواروں کے درمیان ہوتے اور خندق مسلمانوں کو نہ بچاسکتی۔ آپ ﷺ نے احزاب کے نفسیاتی بندھن کو توڑا۔ جس کی شروع سے ہی تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیّت نہ تھی اور ظاہر ہے کہ شجر نازک پر جو آشیاں بنتا ہے وہ کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔ "قریش کو اپنے وسائل پر بڑا ناز تھا اس لئے ضروری تھا کہ اُن کی معیشت پر ضرب کاری لگائی جائے۔ چنانچہ اس کے لئے آپ ﷺ نے حبس الطریق کا طریقہ اختیار کیا۔ جب قریش پر دباؤ پڑا۔ تو انہوں نے حبشہ میں مقیم مسلمانوں کو اپنے ستم کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ ۶ ھجری میں آپ ﷺ کو اپنے وسائل سے اُن کے ارادوں کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے عمرو بن اُمیّہ ضمری نامی ایک غیر مسلم کو اپنا سفیر بنا کر حبشہ بھیجا اور اُن مہاجرین کو مدینہ بُلالیا۔"(۷۱)

آپ ﷺ اور سراغ رسانی کی اہمیت "آپ ﷺ جاسوسی کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ جن افراد کو یہ فریضہ سونپتے، اگر وہ اس بناء پر لڑائی میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔ تو اُن کو اُن کی اہم کارگزاری کے باعث مال غنیمت میں سے حصّہ مرحمت فرماتے اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دیتے۔ اس کی بیّن مثال غزوہ بدر کے موقع پر بھیجے گئے طلحہ رضی اللہ عنہ اور سعید رضی اللہ عنہ نامی جاسوسوں کی ہے۔ آپ ﷺ نے اُن کو مال غنیمت میں سے بھی حصّہ دیا اور ثواب کی بشارت بھی سُنائی۔"(۷۲)

نفسیاتی حربوں کا استعمال "آپ ﷺ نے ایک طرف قریش کی تجارتی شاہراہوں کی ناکہ بندی کی تو دوسری طرف آپ ﷺ نے نفسیاتی طریقے بھی استعمال کئے۔ ۵ ہجری محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ انصاری اپنے ایک دستے، جو تیس افراد پر مشتمل تھا، کے ساتھ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار

کر کے مدینہ لائے۔ اُنہوں نے مشرّف بہ اسلام ہونے کے بعد قریش کو غلّے کی برآمد روک دی۔ یمامہ مکہ کا پیداواری علاقہ تھا۔ اہل مکہ اس بندش سے بلبلا اُٹھے۔ آپ ﷺ نے اس بندش کا اثر محسوس کرادینے کے بعد یہ پابندی اُٹھا لینے کا حکم دیا۔" (۷۳)

اس کے علاوہ قحط کے زمانے میں اہل مکہ کو پانچ سو اشرفیاں بھی روانہ فرمائیں۔

عورت اور فوجی راز

غزوہ اُحد کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی۔ عسکری اعتبار سے اس حکم کا یہ فائدہ یہ ہوا کہ ایسی عورتوں کے ذریعے اہم رازوں کے افشاء ہونے کے جو امکانات تھے اُن کا آئندہ کیلئے سدّباب کر دیا گیا۔ دوسرے مسلمانوں کی نئی نسل پر ایسی عورتوں کی مشرکانہ تعلیم و تربیّت کا اثر پڑنا لازمی تھا، لہذا اس مکان کو بھی ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ اس آیت کا نزول کتنا بروقت تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی رُو سے اہل مکہ اور اُن کے مشرک حلیفوں کے مدینے کے مسلمانوں کے ساتھ میل جول کے راستے کھل گئے تھے۔ اس طرح ایک ایسا فتنہ پیدا ہو سکتا تھا جس کے ذریعے قریش و یہود کے لئے مسلمانوں کے فوجی راز معلوم کرنے، ان میں پُھوٹ ڈالنے اور بالواسطہ طریقے سے مشرکانہ عقائد پھیلانے کی راہ ہموار ہو سکتی تھی، یہاں یہ ذکر برمحل معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں بھی اسی طرح ایک قانون کے ذریعے کلیدی عہدیداروں پر پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم خواتین کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے۔

ضدِ استخبارات

ضدِ استخبارات اُن تمام اعمال، افعال اور اقدامات پر مشتمل ایک ایسی حکمت عملی ہے جس کے ذریعے غیر ممالک کے استخباراتی اداروں کی طرف سے کیے گئے اُن اقدامات کا توڑ کیا جاتا ہے جو وہ ہمارے ملک میں جاسوسی، تخریب کاری، ارہاب و دہشت گردی، قتل و غارت اور دیگر ملک دشمن سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے کرتے ہیں۔ ضد استخبارات آجکل درج ذیل شعبوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ (۷۴)

۱۔ ضد جاسوسی

۲۔ ضد تباہ کاری

۳۔ ضد ارہاب

۴۔ ضد تخریب کاری

۵۔ ضدِ قتل

۶۔ ضد تعاقب

آپ ﷺ تبلیغ اسلام اور پیغام ربانی کی ترسیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ ہر وہ قوت جو رسم کہن کی پرستار اور طرز نو سے بدکتی تھی، جن کی جبینیں غیر اللہ کے در پہ جھکنے کی خوگر تھیں۔ جن کے درون خانہ دل صنم خانے تھے۔ جو معاشرتی برائیوں میں اس قدر غرق تھے کہ وہ ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھیں۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن کے دشمن بن گئے۔ اسلام دشمن تمام قوتیں صرف ایک نکتے پر متحد تھیں کہ اس نئے ابھرنے والے دین کو کسی نہ کسی طرح بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے۔ اس کے ماننے والوں کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ اس اتحاد میں کفار مکہ، یہود مدینہ، منافقین مدینہ، مدینہ کے ارد گرد دور و نزدیک رہنے والے اعراب اور عرب کی ہمسایہ مملکتیں جن میں سلطنت روم و سلطنت فارس پیش پیش تھیں، سب شامل تھے۔ کچھ ظاہر و باہر دشمن تھے اور کچھ پوشیدہ اور دُزدیدہ کارروائیوں میں ملوث تھے۔ کچھ حضور ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ کچھ مسلمانوں کے دین و ایمان کے دشمن افواہ سازی، پروپیگنڈہ گری اور کردار کشی میں ملوث تھے۔ کچھ دسیسہ کاری، سازشوں اور بیرونی دشمنوں سے اقرار و پیمان کرنے والے تھے۔ کچھ دشمن کے لیے جاسوسی کرنے والے منافقین

ایسے بھی تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود حضور ﷺ کو متنبہ فرمایا: "اگر یہ تمہارے ساتھ مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تمہیں فتنے میں ڈالنے کی کوشش میں رہتے۔ ان کے سننے والے (جاسوس) خود تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"(۷۵)

اسی طرح سورۃ المائدہ میں حکم خداوندی ہے: "اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے۔"(۷۶)

یہ تھے وہ حالات جن میں اللہ کے رسول ﷺ نے باطل کے ساتھ چو مکھی لڑائی لڑی۔ ان حالات میں جب زمین بھی دشمن تھی اور زمین کے باسی بھی دشمن تھے۔ مسلمانوں کی چھوٹی سی یہ جماعت جو جہد للبقاء میں مصروف تھی، اپنے دشمنوں کی تدبیروں سے کیسے صرف نظر کر سکتی تھی۔ جہاں آپ ﷺ نے دشمن کے گھر کے اندر اپنے جواسیس مقرر کر رکھے تھے کہ بروقت اطلاعات مل سکیں وہیں آپ ﷺ نے دشمنوں کے جواسیس کو پکڑنے اور اُن کو ناکام بنانے کے لیے ایک منظم نظامِ ضدِ استخبارات وضع کر رکھا تھا۔

دشمن کے جاسوسوں کو پکڑنے، اُن کو رام کرنے اور اُن سے کام لینے، اُن کی تفتیش کرنے، دشمن کے جاسوسوں کو دھوکا دینے اور دشمن تک غلط اطلاعات دشمن کے جاسوسوں کے ذریعے بھجوانے کے بے شمار واقعات سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔

ضد تعاقب

کسی غزوے پر نکلنے یا کسی سریہ کی ترسیل سے قبل آپ ﷺ دشمن کے ایجنٹوں کو دھوکا دینے کی غرض سے ہدف یا منزل مقصود اور سمت سفر کو ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتے تھے۔(۷۷)

آپ ﷺ کے خلاف کفار مکہ نے بھی ایک جاسوسی جال ترتیب دے رکھا تھا۔ یہ لوگ آپ ﷺ کا مسلسل پیچھا کرتے اور آپ ﷺ کی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے۔(۷۸)

چنانچہ آپ ﷺ ان تعاقب کرنے والوں کے خلاف ایسے طریقے اختیار کرتے تھے کہ دشمن کے جاسوس راہ دیکھتے رہ جاتے۔ بیعت عقبہ ثانی کے مقام موعود پر پہنچنے کے لیے آپ ﷺ نے جو راستہ اور وقت مقرر کیا اس کی وجہ سے کفارِ مکہ کے تعاقب کرنے والے افراد آپ ﷺ کا بروقت تعاقب نہ کر سکے۔ اُن میں سے ایک شخص پیچھا کرتے اس وقت عقبہ کی گھاٹی میں پہنچا جب بیعت ہو چکی تھی اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر کفار مکہ کو خبر دار کرے۔(۷۹)

ہجرت کی رات آپ ﷺ نے اپنے گھر کا ساکن تعاقب یا نگرانی کرنے والوں کو مکمل بے خبر رکھتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر کا رُخ کیا۔ آپ ﷺ کو پتہ تھا کہ ہجرت مدینہ کے دوران آپ ﷺ کا تعاقب کیا جائے گا۔ لہذا آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف رُخ کرنے کی بجائے غارِ ثور کا رُخ کیا۔(۸۰)

آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف روانہ ہوتے ہوئے وہ راستہ اختیار کیا جو غیر معروف تھا تاکہ دشمن آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے شریک سفر اصحاب کا تعاقب نہ کر پائے۔(۸۱)

ضد جاسوسی

آپ ﷺ دشمن کے جاسوسوں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ضدِ جاسوسی کا ایک نظام مرتب کر رکھا تھا اور جاسوسوں کی شناخت اور گرفتاری کے لیے آپ ﷺ نے چند مخصوص افراد کو یہ فریضہ تفویض کر رکھا تھا۔ چنانچہ غزوہ بنو مصطلق کے دوران آپ ﷺ کے استخبارات کے عملے نے دشمن کا

ایک جاسوس گرفتار کر لیا۔ تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ اس نے مسلمانوں کے بارے میں کافی معلومات جمع کر لی تھیں۔ اسے اسلام کی دعوت دی گئی جو اس نے نامنظور کی اور پھر اسے قانون کے مطابق سزا دی گئی۔ (۸۲)

سریہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب جو فدک کی طرف ۶ ھ میں روانہ کیا گیا تھا کے دوران دشمن کا ایک جاسوس گرفتار کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو غلط قسم کی اطلاعات دے کر چھوڑ دیا۔ چنانچہ دشمن نے ان اطلاعات کے مطابق ردعمل ظاہر کیا اور یہ سریہ بغیر لڑائی کے کامیاب و کامران واپس آیا۔ (۸۳)

عمرہ قضاء کے لیے جب آپ ﷺ عازم مکہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ چودہ صد صحابہ کی جماعت تھی۔ منافقین اور یہود مدینہ نے اہل مکہ کو حضور ﷺ کی روانگی کی اطلاع قبل از وقت دے دی تھی۔ کفارِ مکہ نے مدینہ کے راستے پر واقع بلند پہاڑی چوٹیوں پر مشاہداتی چوکیاں قائم کر دیں تا کہ آپ ﷺ کی پیش قدمی کے بارے میں بروقت معلومات حاصل کی جا سکیں۔ (۸۴)

انہوں نے خالد بن ولید کی سربراہی میں ایک گھڑ سوار دستہ مسلمانوں کو روکنے کے لیے راستے میں تعینات کر دیا تھا۔ مشاہداتی چوکیاں اور گھڑ سوار دستہ مل کر ایک مکمل دفاعی نظام تشکیل دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان مشاہداتی چوکیوں کو دھوکا دینے کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جو غیر مستعمل تھا۔ کفار کا دفاعی نظام حضور ﷺ کی راہ تکتا رہ گیا اور آپ ﷺ حرم کی حدود میں داخل ہو گئے۔ (۸۵)

غزوہ خیبر کے دوران آپ ﷺ نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ بن بشر کو کچھ لوگوں کے ساتھ آگے روانہ کیا کہ وہ یہود خیبر کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ان کے فرائض میں یہود کے جاسوسوں پر نظر رکھنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ انہوں نے راستے میں یہود خیبر کا ایک جاسوس پکڑ لیا۔ جس نے بنو غطفان اور یہود خیبر کے درمیان طے پا جانے والے معاہدے کے بارے میں اطلاع دی۔ اس نے یہود خیبر کے بارے میں تمام دفاعی اور حربی معلومات بھی دیں۔ اس جاسوس کے مطابق یہود مدینہ نے کنانہ بن الحقیق کو حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر بھی اکسایا تھا۔ چونکہ حضرت عباد بن بشر نے اسے امان دے دی تھی۔ لہذا اسے اسلام کی دعوت دی گئی جسے اس نے قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ (۸۶)

غزوہ خیبر کے دوران قلعہ ناعم جو کہ انتہائی مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا کے محاصرے میں مسلمانوں کو کافی تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک رات گشتی دستوں نے دشمن کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ اسے ابتدائی تفتیش کے بعد حضور ﷺ کے پاس پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے جب اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے اپنے اہل و عیال اور اپنی جان کی امان کے بدلے انتہائی اہم تدبیراتی معلومات فراہم کرنے کی پیش کش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ حاصل کی گئی معلومات کی بنیاد پر قلعہ پر حملے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ حملہ کامیاب ہوا اور اس شخص کو حسب وعدہ امان دے دی گئی اور اس کے بیوی بچے بھی اس کے حوالے کیے گئے۔ (۸۷)

ایک رات جب اسلامی معسکر کا پہرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ ایک یہودی آتا دکھائی دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُسے گرفتار کر کے تفتیش شروع کر دی۔ ابتدائی تفتیش کے دوران وہ مشکوک پایا گیا۔ تب اُس شخص نے حضور ﷺ سے ملنے کا عندیہ دیا۔ وہ نطاط کے قلعے کا رہنے والا تھا، جاسوسی کی غرض سے نکلا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے تفتیش شروع کی تو وہ نہ صرف یہ کہ مان گیا بلکہ نطاط کے قلعے کے بارے میں کافی اہم معلومات بھی دیں۔ ان معلومات کی روشنی میں جب قلعہ پر حملہ کیا گیا تو قلعہ سر ہو گیا۔ (۸۸)

غزوہ فتح مکہ کی تیاری کے دوران آپ ﷺ کے ضد استخبارات نے بڑی کامیابی کے ساتھ مدینہ کے گرد اپنا حلقہ قائم کر رکھا تھا کہ آپ ﷺ کی روانگی کی اطلاع کفارِ مکہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس دوران حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے سارہ نامی مزنی خاتون کے ہاتھوں کفارِ مکہ کو اطلاعی چٹھی روانہ کیا۔ آپ ﷺ کو فوراً اس کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کو اس خط کے حصول کے لیے روانہ فرمایا۔ دونوں حضرات کامیابی سے واپس آئے۔ (۸۹)

مکہ کی طرف سفر کے دوران آپ ﷺ کے ضدِ استخبارات کے فرائض پر تعینات دستے نے ''الفرج'' اور ''الطلوب'' کے درمیان بنو ہوازن کا ایک جاسوس

گرفتار کر لیا۔ دورانِ تفتیش اس نے بنو ہوازن کی تیاری کے بارے میں مطلع کیا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، جسے اس نے نہ صرف یہ کہ قبول کر لیا بلکہ غزوہ بنو ہوازن کے دوران مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنے اہل قبیلہ کے خلاف بر سرِ پیکار رہا اور شہادت پائی۔(۹۰)

ضدِ قتل

حضور ﷺ کی ذات پر کفارِ مکہ، منافقین مدینہ اور یہود مدینہ نے کئی بار قاتلانہ حملے کے منصوبے بنائے۔ لیکن آپ ﷺ کا اعلیٰ نظامِ استخبارات آپ ﷺ کو بر وقت مطلع کر دیا کرتا اور آپ ﷺ حفاظتی اقدامات فرما لیا کرتے تھے۔ واقعہ شعب ابی طالب سے قبل آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر کئی دفعہ قاتلانہ حملے کیے گئے لیکن سب ناکام ہوئے۔ سب سے پہلا منظم اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ تیار کیا گیا پروگرام جس کے تحت آپ ﷺ کو قتل کیا جانا تھا وہ ہجرت کی شب والا منصوبہ تھا۔ اس کی اطلاع آپ ﷺ کو رقیہ بنت ابو سفیان بن الحارث جو کہ بنو زہرہ میں بیاہی ہوئی تھی نے دی اور پھر آپ ﷺ نے اذن ربّ کے تحت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت کا سفر شروع کیا۔(۹۱)

جنگ بدر کی شکست کے بعد کفارِ مکہ نے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے لیے عمرو بن وہب الجمحی کو مدینہ بھیجا۔ اس کے بدلے اس کا تمام قرض معاف کر دیا جانا تھا۔ اس منصوبے کے پیچھے ابو سفیان کا ذہن کار فرما تھا۔ مدینہ پہنچتے ہی عمرو بن وہب گرفتار کر کے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ تفتیش کے دوران اس نے اپنے مدینہ آنے کے بارے میں ایک حرف تک نہ بتایا۔ لیکن جب حضور ﷺ نے اس کے اور ابو سفیان کے درمیان حطیم میں بیٹھ کر تیار کیے جانے والے منصوبے کا حوالہ دیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔(۹۲)

غزوہ بدر کے فوراً بعد قریش مکہ کی دھمکی کے زیرِ اثر بنو نضیر نے آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ﷺ یہودی علماء کے ساتھ گفت و شنید کریں۔ اگر ان علماء کو آپ ﷺ کی نبوت پر یقین آ گیا تو وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے اور ساتھ ہی دیگر یہود مدینہ بھی اسلام لے آئیں گے۔ منصوبے کے مطابق حضور ﷺ کو گفت و شنید کے بہانے علیحدگی میں لے جا کر قتل کر دیا جانا تھا۔ ایک یہودی خاتون (جس کا بھائی مسلمان تھا) نے اس منصوبے کے بارے میں حضور ﷺ کو بر وقت مطلع کر دیا اور آپ ﷺ نے اس مناظرے کا پروگرام ترک کر دیا۔(۹۳)

دوسری بار جب حضور ﷺ بنو صعصعہ کے دو مقتولین جن کو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری نے قتل کر دیا تھا کی دیت کے معاملے میں بات چیت کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے ابتداً بڑی آؤ بھگت کی اور حضور ﷺ کو تشریف رکھنے کو کہا۔ گفتگو کے بہانے علیحدگی میں جا کر حضور ﷺ کے قتل کر دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ آپ ﷺ کو بر وقت اطلاع مل گئی اور آپ ﷺ وہاں سے خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر واپس آ گئے اور پھر یہی واقعہ بنو نضیر کے مدینہ سے انخلاء کی وجہ ثابت ہوا۔(۹۴)

غزوہ حدیبیہ کے دوران آپ ﷺ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور صلح کی گفت و شنید کے لیے مکی قاصد آ جا رہے تھے۔ کفارِ مکہ میں سے تیز مزاج لوگوں نے آپ ﷺ نے کیمپ پر حملہ کر کے آپ ﷺ کو شہید کر دینے کے لیے ۷۰ کے قریب مسلح افراد کو روانہ کیا۔ ان لوگوں نے حدیبیہ کے ارد گرد کے علاقے میں چھپ کر دن گزارا۔ پروگرام کے مطابق انہوں نے رات کی تاریکی میں حملہ آور ہونا تھا۔ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے استخباراتی نظام نے مطلع فرما دیا۔ آپ ﷺ نے جوابی منصوبہ بنایا اور رات کے وقت حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کی سرکردگی میں مدنی پہرے داروں نے ستر کے ستر افراد کو گرفتار کر کے باندھ دیا۔ صبح انہیں حضور ﷺ کے حضور پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان سب کو معاف فرما دیا۔(۹۵)

ضدِ تخریب

ضدِ تخریب کے لیے آپ ﷺ کا نظام انتہائی موثر اور بے انتہا کار آمد تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی ذہنی تربیت ہی اس انداز میں کی تھی کہ وہ صحیح اور غلط میں بخوبی اندازہ کر لیتے تھے۔ کفارِ مکہ اور یہود و منافقین کی تخریب کاری کا سب سے بڑا ہتھیار افواہ سازی تھا۔ وہ افواہوں کے ذریعے مسلمانوں کے اندر بددِلی اور مایوسی پھیلانا چاہتے تھے۔ جنگ احد میں جب آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلائی گئی تو وہ کافی کارگر ثابت ہوئی۔ لیکن آپ ﷺ نے فوراً ہی اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ظاہر کر دیا اور اس طرح ضدِ افواہ کا بنیادی اصول یعنی جو سامنے ہے وہ صحیح ہے۔ کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش و جذبہ دوبارہ عود کر آیا اور کفار مکہ کو میدانِ جنگ سے بھاگنا پڑا۔(۹۶)

افواہ سازی کا دوسرا بڑا واقعہ افک کا ہے جو حضور ﷺ کی پیاری بیوی مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش تھی۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے ایسے موقعوں کے لیے مسلمانوں کو ایک واضح اصول دے دیا: "تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا ہمیں ایسی بات منہ سے بھی نہیں نکالنی چاہیے۔ یا اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے۔"(۹۷)

یعنی افواہ سازی اور اس کی نشر و اشاعت جرم ہے اور خلاف واقعہ بات کو نہ صرف یہ کہ سنتے ہی رد کر دینا چاہیے بلکہ اسے آگے بھی نہیں کہنا چاہیے۔ افواہ سازی اور افواہوں کے خاتمے کے لیے آپ ﷺ نے ایک کمیٹی جو جید صحابہ پر مشتمل تھی تشکیل دی تھی۔ آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جو خبریں اُن تک پہنچیں ان پر یقین یا عمل کرنے سے پیشتر اس کمیٹی تک پہنچائی جائیں۔ قرآن مجید میں ایسی صورت حال کے لیے واضح حکم آیا ہے: "جہاں انہیں کوئی خبر امن یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے کسی ایسی بات کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے اور نتیجہ اخذ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند لوگوں کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے"۔(۹۸)

چنانچہ مسلمان ہر قسم کی آمدہ اطلاعات کی تحقیق کرنے لگے اور اُن کو ذی علم اور اصحاب الرائے حضرات کے پاس لے جانے لگے۔ اس طرح افواہ سازوں کی کاوشیں سرد ہونے لگیں اور افواہیں اپنی موت آپ مرنے لگ گئیں۔ منافقین اور یہود مدینہ اس طرح کے کاموں میں بڑے ماہر تھے۔ منافقین مدینہ نے جاسوسی کی کارروائیوں کے لیے اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کو موثر انداز میں چلانے کے لیے مسجد ضرار کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کے انہدام کا حکم صادر فرمایا۔(۹۹)

منافقین مدینہ مسلمانوں میں افتراق اور تفریق کے بھی خواہاں رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دورِ جاہلیت والے اوس و خزرج دوبارہ لوٹ آئیں اور ان کے درمیان تلوار حائل رہے۔ چنانچہ ایک بار شاس بن قیس نے ایک نوجوان کو اس محفل میں بھیجا جس میں اوس و خزرج کے لوگ باہم شیر و شکر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اس نوجوان نے بھیجنے والے کے ایما پر جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا۔ پرانے زخم ہرے ہونے لگے۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں، آپ ﷺ فوراً موقع پر پہنچ گئے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ اللہ کیا میرے رہتے ہوئے یہ جاہلیت کی پکار اور وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرما چکا ہے۔ آپ ﷺ کی نصیحت سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احساس ہوا کہ یہ ایک شیطانی چال تھی چنانچہ وہ رونے لگے۔ ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت شعار بن کر مدینہ کے اندر لوٹ آئے۔(۱۰۰)

قرآن مجید میں ان کی اس قسم کی حرکات اور مجرمانہ روش کا تفصیلی تذکرہ سورہ آل عمران میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ غیر ضروری اختلاط سے بھی اسی لیے منع فرمایا تاکہ اُن کو مسلمانوں میں ذہنی پراگندگی پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"(۱۰۱)

یہ تو اس دور کی بات ہے جب غیرت اسلامی اور حمیت ملی اپنے عروج پر تھی۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ نے اس قدر سختی سے یہود و نصاریٰ پر اعتماد و بھروسہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اب جب کہ ذہنی مرعوبیت، اخلاقی پستی، معاشی کمزوری، علمی کم مائیگی اور سائنس اور ٹیکنالوجی سے تہی دامن کی حالت میں یہ اختلاط

باہمی کیا رنگ لا سکتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر صاحب عقل کر سکتا ہے۔

تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی وغیرہ کے حصول کے لیے ان کے ساتھ میل جول رکھا جا سکتا ہے تاہم وہاں جانے والے طالب علموں کو اغیار کی طرف سے ذہنی تخریب کاری سے بچانے کے لیے پہلے سے آگاہ اور تیار کر کے بھیجنا زیادہ سود مند ہو گا۔

ضد ارہاب

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: "بات یہ ہے کہ خلق خدا پر تسلط جمانے کا ارادہ ظلم ہے کیوں کہ سارے انسان ایک ہی جھنڈ سے وابستہ ہیں۔ پس کسی کا یہ چاہنا کہ وہی سب سے اونچا ہو کر رہے اور اس جیسے دوسرے اس کے ماتحت بن کر رہیں یہ ظلم ہے۔"(۱۰۲)

حقیقت یہ ہے کہ دوسروں پر تسلط جمانے کی خواہش ظلم اور فساد کی جڑ ہے اور شریعت خیر الانام ﷺ کا بنیادی مقصد رفع شر و فساد اور قیام امن و اصلاح ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں زمین میں فساد اور شر کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے وہ فیصلے جو مختلف اقضیہ میں آپ ﷺ نے صادر فرمائے تھے اُن میں جہاں روز مرہ زندگی کے آداب، خوشگوار انسانی زندگی اور انسانوں کے مابین عمدہ تعلقات اور امورِ دین دنیا کی اعلیٰ معیار کار کردگی کے مطابق انجام دہی آپ ﷺ کا مقصد تھا، وہاں آپ ﷺ کے ان فیصلوں نے قیامِ عدل، ازالہ ظلم و فساد اور قیام امن و صلاح جیسے اعلیٰ مقاصد کو بھی مد نظر رکھا۔ آپ ﷺ نے ضد ارہاب کے بارے میں بھی پورا نظام وضع فرمایا۔ قرآن مجید میں فساد فی الارض کو انتہائی برا عمل قرار دیا گیا ہے۔ فساد فی الارض کو قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں حکم ہے: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔"(۱۰۳)

تخریب کاری چاہے قرونِ اولی میں تھی یا قرونِ وسطیٰ میں یا پھر آجکل کے دور میں مفسدین کے ہاں یہ اصلاح احوال کی تگ و دو ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اُن کی اس کیفیت شعور کا یوں احاطہ کیا گیا ہے: "جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ''ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبر دار حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔"(۱۰۴)

قرآنی حکمت کے ان موتیوں کے تناظر میں اگر آج استعماری طاغوتی طاقتوں کے اصلاح فی الارض کے پروگرام پر نظر ڈالیں یا نام نہاد مزاحمتی تنظیموں کی مسلم کش آدم بیزار کاوشوں کا جائزہ لیا جائے۔ جو نہ تو مساجد میں رکوع و سجود کرنے والوں کو معاف کرتے ہیں نہ علم کے منابع کو، نہ آمد و رفت کے ذرائع کو اور نہ ہی کسی ایسے مسلمان کو جو اُن کے مسلک سے وابستہ نہ ہو، تو سب فساد فی الارض کے داعی اور مفسدین فی الارض ہیں۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ مگر یہ سودا اُن کے لیے نفع بخش نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ہر گز صحیح راستے پر نہیں ہیں۔"(۱۰۵)

آپ ﷺ فساد فی الارض کے خلاف ہمیشہ ہوشیار رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا نظام استخبارات اس معاملے میں انتہائی سرعت سے کارروائی کرتا۔ اور آپ ﷺ کا لشکر دشمن کو ان کے گھروں میں جا لیتا تھا۔ آپ ﷺ یہ بات ہر گز پسند نہیں فرماتے تھے کہ کفار اور منافقین کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ مدینہ یا اس کے گرد و نواح میں حملہ کریں اور لوٹ مار کریں، چنانچہ آپ ﷺ کے بھیجے گئے سرایا اور وہ غزوات جن کی قیادت آپ ﷺ نے خود فرمائی ان میں اکثریت ایسی ہی اطلاع ملنے پر روانہ کیے گئے اور اس سے قبل کہ دشمن دار الاسلام پر حملہ آور ہوتا۔ آپ ﷺ کی سپاہ اُن پر حملہ کر کے اُن کو تتر بتر کر دیتی

تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے افراد جو اللہ اور اس کے رسول سے عہد کر چکے تھے اور پھر نہ صرف یہ کہ وہ عہد سے پھر گئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف عسکری معرکوں میں حصہ بھی لیا، کو قرار واقعی سزائیں دیں۔ کیونکہ یہ بھی زمین میں فساد پھیلانے والوں کے زمرے میں آتے تھے۔ مثلاً جنگ بدر کے دوران ابو عزہ عمرو ابن عبد اللہ گرفتار ہو کر آیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے درخواست کی کہ میری پانچ بیٹیاں ہیں مجھے اُن کی خاطر معاف کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے اسے رہا کر دیا۔ رہائی پاتے ہی اس نے عہد کیا کہ آئندہ زندگی بھر نہ تو آپ ﷺ کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لے گا اور نہ آپ ﷺ کے خلاف کسی قسم کی معاندانہ کارروائی کا حصہ بنے گا۔ جنگ اُحد کے دوران دوبارہ گرفتار ہو کر لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر مشہور جملہ ادا فرمایا:

"یعنی مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جا سکتا اور اس کو فوراً قتل کرا دیا"(۱۰۶)

قبیلہ عُرنیہ کے آٹھ آدمی حضور ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا۔ مدینہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے اونٹوں کی چراگاہ میں رہنے کو کہا۔ وہ لوگ وہاں رہے یہاں تک کہ تندرست ہو گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے اونٹوں کے رکھوالے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ اُنکی آنکھیں نکال دیں اور زبان کاٹ کر تڑپتا چھوڑ گئے۔ حضور ﷺ نے کرز بن جعفر الفہری کو اُن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ وہ انہیں گرفتار کر کے اور تمام اونٹوں سمیت واپس لے آیا۔ آپ ﷺ نے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹنے، آنکھیں پھوڑنے اور کھجوروں کے ساتھ لٹکا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُنکو یہی سزا دی گئی۔(۱۰۷)

مندرجہ بالا تمام بحث سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں کہ آپ ﷺ ارہاب کی کسی بھی صورت کو برداشت نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ دہشت گردوں کے بارے میں پیشگی اطلاعات کے متمنی رہے۔ جہاں کہیں اُنکے بارے میں معلوم ہوتا آپ ﷺ کے سپاہی اُن پر ٹوٹ پڑتے اور ثانیاً اُنکو عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں تاکہ دوبارہ ایسی حرکت کوئی نہ کر سکے۔

ضد سبوتاژ

سبوتاژ ایسی کارروائیاں ہوتی ہیں جن کے ذریعے استخباراتی ادارے اپنے خصوصی وسائل استعمال کرتے ہوئے دشمن ملک کے اُن وسائل کو تباہ یا ناقابل استعمال بناتے ہیں جو دشمن کی حربی کارروائیوں کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ مثلاً تیل، اسلحہ، گولہ بارود یا دیگر ضروری سامانِ حرب کے ذخائر کو کلی یا جزوی طور پر تباہ کر دینا۔ وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن مجید میں عمومی طور پر سبوتاژ کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حکم خداوندی ہے: "جب اسے اقتدار (قوت) حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ فساد پھیلائے۔ کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا ہے) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"(۱۰۸)

لیکن میدانِ جہاد میں یہ سب کچھ جائز ہے۔ تاکہ دشمن کی استعدادِ کار کو مفلوج کر دیا جائے اور جنگ کی تباہ کاری کو جلد از جلد اپنے منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔ حضور ﷺ نے غزوہ بنو نضیر کے دوران کھجور کے درخت، جن پر دشمن کے جانوروں کے چارے کا انحصار تھا، کٹوائے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید فرقانِ حمید اس بارے میں یوں بیان کرتا ہے: "جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا اُن کو اُن کی جگہ پر قائم رہنے دیا۔ سو دونوں باتیں خدا کے حکم اور رضا کے مطابق ہیں، تاکہ وہ کافروں کو رسوا کرے۔"(۱۰۹)

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کے دشمن ابو سفیان نے بھی یہ کام کیا تھا جب وہ غزوہ بدر کا انتقام لینے کے لیے چوری چھپے مدینہ پر حملہ آور ہوا، کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور حضور ﷺ کے ملازمین میں سے چند ایک کو قتل کیا اور پلٹ گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا، وہ ستو کے تھیلے پھینکتا انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ ایک دفعہ عینیہ بن حصن فزاری نے بھی ایسی حرکت کی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے آئندہ اس قسم کے

حملوں سے بچنے کے لیے مدینہ منورہ کے اندر باقاعدہ شب پہرہ کا بندوبست فرمایا اور دن کے وقت گشت اور چوکیداری کا نظام رائج فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے بیت المال، اسلحہ خانوں اور گھوڑوں کے اصطبل وغیرہ کا حساب کتاب رکھنے والے لوگ مقرر فرمائے۔ اس طرح سبوتاژ کی وارداتوں کا سدِّباب فرمایا۔

استخبارات کے حصول کے ذرائع

استخبارات کا بنیادی کام اخبار کا حصول ہے۔ استخباراتی ادارے اس مقصد کے لیے ظاہری ذرائع اور مخفی ذرائع استعمال کرتے ہیں۔
عہدِ رسالت میں اطلاعات کے حصول کے لیے دونوں ذرائع استعمال ہوتے تھے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

ظاہر ذرائع

"ظاہر" میں ایسے تمام ذرائع شامل ہیں جن کا حصول عام آدمی کے لیے آسان ہوتا ہے۔ مثلاً اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ۔(۱۱۰)

حوالہ جات:

1. القرآن النحل:
2. القرآن، المائدہ:۸۷
3. القرآن، انفال:۴۳
4. القشیری مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم شریف، ترجمہ: مولانا عزیز الرحمن، مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور، س۔ن۔ حدیث نمبر ۷، جلد ۲، ص۔ ۸۲۔ ۸۳
5. پروفیسر محمد صدیق قریشی رسول اکرم کا نظام جاسوسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص۲۵
6. القرآن، توبہ:
7. القرآن ۳۳:۲۱
8. علامہ علی بن برہان الدین حلبیؒ، غزوات النبیؐ، کراچی، دارالاشاعت، س۔ن، ص۔ ۵۵
9. ابن قیم، علامہ حافظ، زادالمعاد، ترجمہ رئیس احمد جعفری۔ کراچی، نفیس اکیڈمی، ء ج ۲، ص ۱۳۳
10. رونلڈ، وکٹر کارٹنے، باڈلے، محمد رسول اللہ، مترجم، سید محمد امین زیدی، لاہور، ء، ص۔ ۔
11. محولہ بالا بخاری جلد۔ اوّل ص۔ ۶۵۵
12. فضل الرحمن، محمد ایز ملٹری کمانڈر، لندن، مسلم اسکول ٹرسٹ، ء، ص
13. طبریِ ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، کراچی، نفیس اکیڈمی، س۔ن، ج ۲، ص ۔
14. ایضاً۔
15. ابن اسحاق، محمد، کتاب السیر والمغازی، ترجمہ: پروفیسر رفیع اللہ شہاب، لاہور، مقبول اکیڈمی، ء، ص
16. محولہ بالا تاریخ الامم والملوک ص ۔
17. سعد، محمد ابن، الطبقات، ترجمہ: عبداللہ الغمادی، کراچی، نفیس اکیڈمی، س۔ن، حصہ اوّل، ص۲۸۸۔

18. ہشام، عبد الملک بن، السیرۃ النبویہ لابن ھشام، ترجمہ: محمد انشاءاللہ خان، ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۳ء، حصہ اوّل، ص ۱۶۷۔
19. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر ۲۸۸۵
20. ایضاً
21. الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، تحقیق مارسیڈن جونز، اکسفورڈ، مطبعہ جامعہ، ۱۹۶۶ء، ج ۱، ص ۱۳۳۴ اور ۳۳۶
22. محولہ بالا واقدی، ص ۳۳۶، ۳۹۷ اور ۶۰۶
23. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام ص ۲۳۱
24. محولہ بالا غزوات النبیؐ ص ۲۱۷
25. محولہ بالا واقدی، ص ۴۷۴۔
26. محولہ بالا غزوات النبیؐ ص ۳۴۴
27. محولہ بالا واقدی، ص ۵۵۵
28. گلزار احمد، بریگیڈئر، غزواتِ رسولؐ، راولپنڈی، مکتبہ الختیار، ۴-اے گلستان کالونی، ۱۹۹۲ء، حصہ پنجم، ص ۲۲۵
29. محولہ بالا واقدی، ص ۲۲۷،
30. ایضاً ص ۸۲۴
31. ایضاً الجزء الثالث، ص ۹۰۳
32. عروہ بن زبیر، مغازی رسول، ترجمہ: سعید الرحمن علوی، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۱
33. محولہ بالا محمد ایز ملٹری کمانڈر ص ۲۴۰
34. محولہ بالا تاریخ الامم والملوک ج ۲، حصہ اوّل، ص ۲۸۶
35. القرآن سورۃ النساء: ۱۰
36. محولہ بالا مسلم شریف حدیث نمبر ۶۶۶۶
37. محولہ بالا سنن ابی داؤد، احادیث نمبر ۱۳۴۴ اور ۱۳۴۵
38. محولہ بالا واقدی، ص ۱۰۰
39. ایضاً ص ۱۰۵
40. ایضاً ص ۴۱۰
41. ایضاً
42. محولہ بالا مسلم شریف حدیث نمبر ۳۰۹
43. ایضاً، حدیث نمبر ۳۱۰
44. القرآن ۳: ۱۶۱
45. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر ۴۴۱۸۔

46. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر ۴۱۹۷
47. محولہ بالا واقدی، ص ۷۹۷
48. ایضاً
49. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر ۳۹۸۳، ۴۲۷۳۔
50. محولہ بالا زاد المعاد ص ۴۲۷
51. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر ۳۰۳۰، ۳۰۲۸
52. ایضاً حدیث نمبر ۔
53. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام ص
54. محمود شیث خطاب۔ دُروس فی الکتمان من الرسول القائد، بیروت، دار الارشاد للطباعۃ والنشر والتوزیع، ء، ص
55. محولہ بالا بخاری ص۔ ۹۲۱
56. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد اوّل ص۔
57. محولہ بالا الطبقات جلد سوئم ص۔
58. الجزری، عزالدین بن الاثیر، اسدُالغابہ، ترجمہ عبد الشکور فاروقی، لاہور، المیزان پبلیشرز، ۲۰۰۶ء، جلد دوئم ص۔ ۲۸۶۔۲۸۷
59. ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ عہد نبوی کے میدان جنگ۔ اسلام آباد۔ ملت پبلیکیشنز۔ فیصل مسجد، اگست ء صفحہ نمبر ص۔ ۹۸
60. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد دوئم ص۔ ۴۰۳
61. ایضاً جلد اول، ص۔ ۴۴۷
62. محولہ بالا اسد الغابہ، جلد سوم، ص۔ ۱۱۰
63. محولہ بالا کتاب السیر والمغازی، ص۔ ۳۳۴، ۳۲۸
64. ہیکل، محمد حسین، سیرہ رسول، ترجمہ: ابویحییٰ امام، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۶۰
65. القرآن الحکیم ۴۹:۶
66. Montgomary Watt, Muhammad at Madina, Oxford Press, 1956, p.6
67. محمد رسول اللہ ﷺ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ترجمہ و توضیح: پروفیسر خالد پرویز، لاہور، بیکن بکس اُردو بازار، ۲۰۰۵ء ص ۱۱۷
68. محمد صدیق قریشی، رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، لاہور ء، ص۔
69. محولہ بالا الطبقات جلد دوم ص۔ ۳۶
70. Raymond L. GarthoffHow Russia Makes War,P.263
71. ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص۔ ۱۱۱
72. محولہ بالا اسد الغابہ، جلد سوئم ص۔ ۱۵۹
73. محولہ بالا زاد المعاد جلد دوم ص۔

74. نارمن پالمر اینڈ تھومس بی الین، دی انسائیکلوپیڈیا آف اسپینیج، جرمنی بکس، نیویارک، ء، ص
75. القرآن
76. القرآن
77. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر
78. محولہ بالا تاریخ الامم والملوک ص ۸۸
79. محمد احمد باشمیل، غزوہ بدر، ص ۶۸، ۶۹
80. محولہ بالا الطبقات، ص ۲۹۴
81. ایضاً ص ۲۹۴
82. محولہ بالا واقدی، ص
83. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام ص ،
84. محولہ بالا واقدی، ص
85. محولہ بالا السیرۃ النبویہ لابن ھشام ص
86. محولہ بالا واقدی، ص
87. ایضاً ص ،
88. ایضاً ص ۲۶۶
89. محولہ بالا بخاری حدیث نمبر
90. محولہ بالا واقدی، ص
91. ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ محمدؐ رسول اللہ۔ لاہور، بیکن بکس، ، ص
92. محولہ بالا تاریخ الامم والملوک ص
93. اکرم ضیاء العمری۔ مدنی معاشرہ عہد رسالت میں۔ ترجمہ عذرا نسیم فاروقی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ء، ص
94. محولہ بالا الطبقات ص
95. محولہ بالا تاریخ الامم والملوک ص ۲۵۲
96. محولہ بالا واقدی، ص ،
97. القرآن ۲۴:۱۶
98. القرآن النساء: ۸۳
99. محولہ بالا واقدی، ص ،
100. صفی الرحمن، الرحیق المختوم، لاہور، المکتبہ السلفیہ، ء، ص
101. القرآن ۵:۵۱

102. ابن تیمیہ، السیاسۃ الشریعۃ، التراث مرکز ابحاث الحاسب الآلہ لیزر ڈسک، ء، باب ثانی، فصل ۸ جلد اوّل، ص ۳۹، ۴۰
103. القرآن ۵:۳۳
104. القرآن ۲:۱۱، ۱۲
105. القرآن ۶:۱۲
106. محولہ بالا واقدی، ص ۱۱۱
107. محولہ بالا الطبقات ص
108. القرآن، البقرہ: ۲۰۵
109. القرآن حشر: ۵
110. محولہ بالا دی انسائیکلوپیڈیا آف اسپینیج، ص ۴۲۰

SHARIA STATUS OF BEARD AND MOUSTACHE

ڈاڑھی اور مونچھوں کی شرعی حیثیت

خالد محمود ریسرچ اسکالر، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

ABSTRACT: *Islam teach us complete way of life. It guides human to face any circumstance from birth to death such as clothing and appearance etc., Beard on male face is one of those guidance, through which male can be differentiated from female. Quran and Sunnah, Ijma and Qiyas (four principles of sharia) has made beard a part of human and Islamic nature. Due to this beard is obligatory and not having beard on face and large mustaches on face is the appearance of non-Muslims. And we are ordered to oppose that appearance. And by leaving beard less than one hand is forbidden, and group of many sins. And Hazrath Muhammad (SAW) also hate them. And according to sharia having beard on face have a lot of benefits for health and not having beard on face is much harmful for health. And cutting beard more than one hand is allowed and as well evident that it is Sunnah and Mustahib, because it is the original quantity of beard. And also it is based on the principles of nature and common sense instead of copying.*

Keywords: *Beard and Moustache, Beard in Sharia, Moustache in Sharia, Facial hears.*

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام حالات، مراحل، انسان کی وضع قطع، چال ڈھال، شکل وصورت، طور طریقہ اور تمام چیزوں کے بارے میں راہنمائی موجود ہے۔انسانی زندگی کا کوئی شعبہ کوئی حال کوئی چیز ایسی نہیں جس میں دینِ اسلام کی راہنمائی نہ ہو۔جو چیز انسان کے لیے فائدہ منداور ضروری ہے اسلام نے اس کے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور جو چیز انسان کے لیے نقصان دہ اور مضر ہے اس سے منع فرمادیا ہے۔اسلام نے لباس سے متعلق ہدایات کو بھی بڑی اہمیت دی ہے اور یہ چیز دنیا کی تمام اقوام عالم اور تمام ممالک میں بھی مسلم ہے، ہر ملک اور ہر قوم کی کچھ خصوصیات اور امتیازات ہوتی ہیں جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے ہر حکومت وسلطنت کی فوج کا لباس (وردی) دوسرے ملک سے الگ ہے اسی سے میدان جنگ میں امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح ہر ملک کی جھنڈی کا رنگ، ڈیزائن دوسرے ملک کی جھنڈی علیحدہ ہے، پھر ملک کے اندر مختلف شعبوں کا یونیفارم الگ الگ ہے، فوج کا الگ پولیس کا الگ، بری فوج کا الگ، بحری فوج کا الگ، سوار کا الگ پیادہ کا الگ، ٹریفک پولیس کا الگ چیک پوسٹ والے کا الگ اور ڈاکیا کا الگ غرض ہر ایک کا یونیفارم علیحدہ ہے۔اگر کوئی ملازم بوقت ڈیوٹی اپنی مخصوص یونیفارم میں نہ ہو تو وہ مستوجب سزا ہوتا ہے۔کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنی کچھ خصوصیات اور یونیفارم مقرر کرے جس سے ان کی شناخت اور پہچان ہو سکے اور دوسروں سے ممتاز ہو سکے، اسی طرح اسلام نے مسلمانوں کو لباس سے متعلق ایک طرح کے احکامات تو اس طرح دیے ہیں جس سے مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہوتا ہے اور ایک طرح کی ہدایات اس طرح ہیں کہ جس سے مرد وعورت میں فرق ہو جاتا ہے۔مرد کے لیے اس کی جنس کے مطابق احکامات دیے ہیں اور عورت

کے لیے اس کی جنس کے مطابق احکامات دیے ہیں تاکہ مرد و عورت کا وہ بنیادی فرق ختم نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے ہر مرد اور عورت کو عطا فرمایا ہے۔ مرد اور عورت میں بدن کے اعتبار سے بھی فرق ہے اور یہ فرق لباس کے فرق سے بھی بڑا ہوا ہے اس لیے کہ لباس تو انسانی جسم سے ایک اضافی اور الگ چیز ہے جب کہ جسم تو ہر انسان کو پیدائشی طور پر دیا گیا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کے جسمانی ساخت میں فرق کے ساتھ ساتھ مرد و عورت کے چہرے پر اگنے والے بالوں کا بھی فرق ہے۔ مرد کے چہرے پر ڈاڑھی آتی ہے اور عورت کے چہرے پر نہیں آتی۔ اسلام میں ڈاڑھی کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کی کیا حیثیت ہے؟ سنت ہے یا واجب ہے؟ اس کی شرعی مقدار کتنی ہے؟ اس کی حدود اربعہ کیا ہے؟ ڈاڑھی سے متعلق لوگوں میں پائے جانے والے شکوک و شبہات، غلط فہمیاں اور اعتراضات اور ان کے تسلی بخش جوابات اس زیر تحقیق مقالے میں زیر بحث لایا گیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

موضوع کی اہمیت و ضرورت:۔

ڈاڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ عمل اور مستقل معمول اور خود ہمارے آقا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام و تابعین عظام اور محدثین و فقہائے کرام بلکہ تمام اولیائے کرام کا دائمی عمل ہے۔ ڈاڑھی شرافت اور بزرگی کی علامت ہے۔ نہایت احترام کی چیز ہے۔ چھوٹے اور بڑے میں، اور مرد و عورت میں امتیاز و فرق کرنے والی ہے، **سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب.** "پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی کے ذریعے اور عورتوں کو سر کے بالوں کے ذریعے زینت بخشی" 1 اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے۔

ڈاڑھی کا مفہوم اور اس کی حدود اربعہ

ڈاڑھی کو عربی زبان میں "**لحية**" اور انگریزی زبان میں "Beard" کہا جاتا ہے۔ جس کی جمع عربی زبان میں "**اللحیٰ**" اور انگریزی زبان میں "Beards" آتی ہے۔ قرآن وسنت میں ڈاڑھی کے بارے میں "**اللحية**" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور عربی لغت میں "**لحی**" اور "**لحی**" منہ کی اس ہڈی یا جبڑے کو کہا جاتا ہے جس پر دانت اگتے ہیں۔ اور جس ہڈی پر دانت اُگتے ہیں وہ انسانی چہرے میں دو قسم کی ہڈیاں ہیں ایک اوپر ہڈی، جس کو اوپر کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے اور ایک نیچے کی ہڈی جس کو نیچے کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے۔2 کئی احادیث میں منہ کے دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کے لیے "**لحیین**" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: **من يضمن لي مابين لحييه ومابين رجليه اضمن له الجنة.**3: ترجمہ: "جو میرے لیے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) اور دونوں پیروں کے درمیان کی چیز (یعنی شرم گاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" اس طرح کی احادیث میں "**لحیین**" یا "**لحيية**" کے الفاظ سے منہ میں اوپر نیچے کے دونوں جبڑے یا وہ دونوں ہڈیاں مراد ہیں جن پر دانت اگتے ہیں۔ اسی مناسبت

سے اس ہڈی پر اگنے والے بالوں کو عربی زبان میں ''**لحیة**''اور اردو زبان میں ''ڈاڑھی'' کہا جاتا ہے۔4

ڈاڑھی کی مشروعیت قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن مجید میں ہے کہ شیطان نے ملعون ومردود وقت کہا تھا کہ : {**ولامرنهم فليغيرن خلق الله**} 5''میں انسانوں کو ضرور حکم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت بگاڑا کریں''قرآن مجید کی یہ آیت صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنے کے شیطانی حکم اور اس کے قبیح اور برا ہونے کی وضاحت کر رہی ہے اور ڈاڑھی کا منڈانا اللہ تعالیٰ کی اس فطری صورت کو بگاڑنے میں داخل ہے۔اسکے علاوہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا واقعہ مذکور ہے۔**لاتاخذ بلحيتی ولا براسی**.6 ترجمہ:''تم میری ڈاڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو''

ڈاڑھی کی مشروعیت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ : **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية**.7 ترجمہ:''حضور ﷺ نے فرمایا کہ :مونچھوں کو کاٹنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا فطرت میں سے ہے۔'' اس حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت بتلایا گیا ہے اور فطرت کسے کہتے ہیں اس کے بارے میں صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے کہ :**ارادبالفطرة السنة القديمة التى اختارهاالانبياء عليهم السلام واتفقت عليهاالشرائع فكانهاامرجلى فطرواعليه** .8 ترجمہ:''اور فطرت سے مراد قدیم (پرانا) طریقہ ہے جس کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار کیا ہے۔اور اس پر تمام شریعتیں متفق رہی ہیں۔گویا کہ یہ ایسا واضح حکم ہے کہ جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے۔''

اور امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : **من الفطرة اى السنة يعنى سنة الانبياء الذين امرنابالاقتداء بهم** .9 ترجمہ:''فطرت (یعنی سنت) سے مراد انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جن کی اقتداء و پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔'' اور امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں فطرت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :**ذهب اكثرالعلماءالى انهاالسنة ،وكذاذكره جماعة غيرالخطابى قالوا:ومعناه انهامن سنن الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم ، وقيل هى الدين** .10 ترجمہ:''اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ فطرت سے مراد طریقہ ہے اور اسی طرح سے خطابی کے علاوہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے،انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کے طریقوں میں سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطرت سے مراد دین ہے۔'' ڈاڑھی کے بارے میں بعض احادیث میں آتا ہے کہ ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹانا اسلام کی فطرت میں داخل ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : **ان رسول الله ﷺقال :ان فطرة الاسلام الغسل يوم الجمعة والاستنان واخذالشارب ،واعفاءاللحى**.11 ترجمہ:''بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :اسلام کی فطرت جمعہ کے دن

غسل کرنا، مسواک کرنا، مونچھوں کا کاٹنا اور ڈاڑھی کا بڑھانا ہے۔" اس سے پہلے والی حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ اور فطرت ہونا بتلایا جاچکا۔ اور اس حدیث سے ڈاڑھی بڑھانے کا فطرتِ اسلام بھی ہونا معلوم ہو گیا۔اور ڈاڑھی کے بڑھانے کے فطرت اسلام ہونے کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی بڑھانے سے ہی فطرت اسلام کا تقاضہ مکمل ہوتا ہے، چھوٹی چھوٹی اور خشخشی ڈاڑھی رکھنے سے فطرت اسلام کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں ڈاڑھی بڑھانا نہیں پایا جاتا ہے۔

ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم

ڈاڑھی کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عرب میں ڈاڑھی رکھنے کا دستور تھا اس لیے حضور ﷺ خود بھی ڈاڑھی رکھتے تھے اور اسی دستور وعادت کی وجہ سے دوسروں کو بھی ڈاڑھی رکھواتے تھے وگرنہ ڈاڑھی رکھنا نہ کوئی عبادت ہے اور نہ کوئی ضروری اور واجبی حکم ہے۔حالانکہ بات یہ نہیں ہے کہ بلکہ ڈاڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا تھا۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ: **امرنی ربی باعفاء لحیتی وقص شواربی** .12 ترجمہ:"مجھے میرے رب نے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایاہے۔" اور خود حضور اقدس ﷺ نے بھی امت کو ڈاڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایاہے۔چنانچہ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: **عن ابن عمررضی اللہ عنه عن النبی ﷺ قال:احفواالشوارب واعفوااللحی.** 13 ترجمہ:"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم مونچھوں کو پست کرو اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔" اس حدیث شریف میں واضح طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمانے کا ذکر ہے۔جس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ڈاڑھی رکھنا اور بڑھانا ہماری شریعت میں واجب اور ضروری درجہ کا حکم ہے۔کیونکہ اس کا نبی ﷺ نے حکم فرمایاہے۔

ڈاڑھی کی اہمیت کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "اصلاح الرسوم" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "حضور اقدس ﷺ نے صیغہ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقتاً وجوب کے لیے ہوتا ہے۔پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم (ڈاڑھی بڑھانا، مونچھیں کٹانا) واجب ہیں۔اور واجب کا ترک کرنا حرام ہے۔پس ڈاڑھی کا کٹانا اور مونچھیں بڑھانا دونوں فعل حرام ہیں۔جب اس کا گناہ ہونا ثابت ہو گیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور ڈاڑھی بڑھانے کو عیب جانتے ہیں بلکہ ڈاڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں ان سب مجموعہ امور سے ایمان کا سالم رہنا از بس دشوار ہے۔"14

ڈاڑھی منڈانا، مونچھیں بڑھانا غیروں کا طریقہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **قال رسول اللہ ﷺ:قصواالشوارب،واعفوااللحی ،ولاتمشوافی الاسواق الاوعلیکم الازرانه لیس منامن عمل بسنة غیرنا.** 15 ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مونچھوں

کا کٹاؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور بازاروں میں بغیر تہبند کے (یعنی ستر کھول کر) نہ چلو، بے شک جس نے ہمارے غیروں کے طریقہ پر عمل کیا وہ ہم میں سے نہیں۔" کیونکہ مونچھیں بڑھانا اور ڈاڑھی کٹانا بھی غیروں کا طریقہ ہے اس لیے جو شخص مونچھیں بڑھائے یا ڈاڑھی کٹائے تو اس کے لیے یہ وعید ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو اپنی جماعت سے باہر کا شخص قرار دیا، جو کہ ان دونوں گناہوں پر بہت سخت وعید ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **ان رسول الله ﷺ قال: من لم یاخذ من شاربه فلیس منا.** 16 ترجمہ: "بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے اپنی مونچھیں نہیں کاٹیں تو وہ ہم میں سے نہیں۔"

اس حدیث پاک کی تشریح میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب "ڈاڑھی کا وجوب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"کس قدر سخت وعید ہے لمبی لمبی مونچھوں والے اپنے آپ کو شریف سمجھیں اور سرکاری کاغذات میں اپنے آپ کو مسلمان بھی لکھوا دیں مگر سید الکونین ﷺ ان لوگوں کو اپنی جماعت میں شمار کرنے سے انکار فرماتے ہیں۔ طبع سلیم بھی مونچھوں کے بڑھانے سے کراہت کرتی ہے۔ پانی چائے وغیرہ پینے کی جتنی چیزیں بھی منہ میں جائیں گی وہ مونچھوں کے دھوؤں کے ساتھ جائیں گی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ مونچھوں کو دھو کر پیالی میں رکھ کر اس کو پی لیں تو کس قدر گھن آئے گی لیکن پانی اور پینے کی چیز کا ہر گھونٹ اس دھوؤں کے ساتھ اندر جا رہا ہے مگر ذرا بھی گھن نہیں آتی۔" 17

ان تمام روایتوں اور اکابرین واسلاف کی تحریرات سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی منڈانا اور مونچھیں بڑھانا غیروں کا (اعاجم یعنی مشرکین، کفار، یہود و نصاریٰ) طریقہ ہے جس کی مخالفت کا ہمارے دین و شریعت میں حکم ہے۔ اور یہ باقاعدہ شریعت میں مطلوب و ماموربی حکم ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **عن النبی ﷺ قال: خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب.** 18 ترجمہ: "حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مشرکین کی مخالفت کرو ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھیں پست (یعنی چھوٹی) کرو" اس حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمانے کے ساتھ ساتھ مشرکین کی مخالفت کی بھی حکم فرمادیا کیونکہ بعض مشرکین مونچھیں لمبی لمبی رکھتے تھے اور ڈاڑھی نہیں بڑھاتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں مروی ہے: **قال النبی ﷺ: خالفوا المجوس احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ.** 19 ترجمہ: "نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجوسیوں (یعنی آتش پرستوں) کی مخالفت کرو مونچھیں پست (یعنی چھوٹی) کرو اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ" اس روایت میں مشرکین کے ایک خاص مذہب والوں یعنی مجوس کا ذکر فرما کر ان کی مخالفت کرنے اور ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا اور مجوسیوں میں ڈاڑھی منڈانے اور کاٹ کر چھوٹی کرنے دونوں کا رواج تھا۔

قدم علی رسول الله ﷺ وفد من العجم قد حلقوا لحاهم وترکوا اشواربهم، فقال رسول الله ﷺ: خالفوا علیهم فحفوا الشوارب واعفوا اللحی. 20 ترجمہ: "حضور ﷺ کے پاس عجم (یعنی غیر عرب) کا ایک

وفد حاضر ہوا جنہوں نے اپنی ڈاڑھیوں کو منڈایا ہوا تھا اور اپنی مونچھوں کو لمبا چھوڑا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم ان لوگوں کی مخالفت کرو اور مونچھیں پست (یعنی چھوٹی) کرو اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔"

حضور ﷺ نے ان غیر عربیوں کے ڈاڑھی منڈانے کے عمل کی مخالفت کا حکم دیتے ہوئے صرف ڈاڑھی منڈانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا جس میں ڈاڑھی منڈانے کی ممانعت بھی آگئی اور ڈاڑھی چھوٹی رکھنے کی ممانعت بھی آگئی۔ غیر مسلموں کے ساتھ ظاہری مشابہت بھی اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے آہستہ آہستہ باطن بھی ان ہی جیسا ہو جاتا ہے اور آخر کار دین و مذہب بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے (الامان والحفیظ)۔

ڈاڑھی کی مشروعیت اقوالِ فقہاء کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام وتابعین عظام کی روایات وآثار فقہاء ومحدثین کے اقوال وعبارات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے بھی دراصل مذکورہ احادیث وروایات اور آثار کی پیروی کرتے ہوئے ہی ڈاڑھی منڈانے یا ایک مٹھی سے کم کرانے کو گناہ اور ایک مٹھی سے زائد کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے۔ چاروں ائمہ فقہ (حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مٹھی تک ڈاڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے۔ اور ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ مٹھی سے ڈاڑھی کم کرنے والا فاسق وفاجر اور گنہگار ہے۔

اساطین علماء کی چند تصریحات درج ذیل ہیں: علامہ محمود خطاب لکھتے ہیں: **فلذالک کان حلق اللحیة محرماعندائمة المسلمین المجتهدین :ابی حنیفة ومالک والشافعی واحمدوغیرهم.اقوال الفقهاء الذین قصدوالاستنباط الاحکام صریحة فی التحریم کماهومقتضی الاحادیث فیعمل علی مقتضاهااذالواجب علی المکلف ولاسیمااهل العلم ان لایخرجواعن العمل بالاحکام الواردة علی لسان الرسول ﷺ**.21 ترجمہ:"اسی وجہ سے تمام مجتہدین جیسے حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیر ھم کے نزدیک ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔ تمام فقہاء کرام کے اقوال جو مسندِ اجتہاد پر جلوہ افروز ہیں ڈاڑھی منڈانے کی حرمت کو صراحۃ بیان کرتے ہیں جیسا کہ احادیث کا مقتضی ہے۔ لہذا تمام مکلفین خصوصاً اہل علم کے حضرت حکیم الامت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔" "در مختار کا قول" **لم یبحه احدنص فی الاجماع**"22 ترجمہ:"ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔" ان اجماعی حوالوں کے بعد اب ذیل میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہیں۔

فقہ حنفی کی تصریحات:

در مختار میں ہے کہ: **واماالاخذمنهاوهی دون ذالک کمایفعله بعض المغاربة ،ومخنثة االرجال فلم یبحه احد،واخذکلهافعل هنودالهندومجوس الاعاجم** .23 ترجمہ:"اور (ڈاڑھی) ایک مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض مغرب

کے لوگ اور مردوں میں ہیجڑے (مزاج والے) کرتے ہیں ۔تو یہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ،اور پوری ڈاڑھی منڈادینا ہند کے یہودیوں اور عجمی مجوسیوں کا فعل ہے۔''

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ : ''**وکذایحرم علی الرجل قطع لحیته**''.24 ترجمہ:''اوراسی طرح مرد پر اپنی ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔''

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ابوداود شریف کی شرح ''**بذل المجہود**'' تحریر فرماتے ہیں کہ:**فعلم من ذالک ان مایفعله بعض من لاخلاق له فی الدین من المسلمین فی الهندوالاتراک حرام** .25 ترجمہ:''ہندو ترک کے بعض کم نصیب مسلمان جو کام (ڈاڑھی مونڈنا) کرتے ہیں اس کا حرام ہونا (حدیث سے) معلوم ہو گیا۔''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ : **واماتقصیراللحیة بحیث تصیرقصیرة من القبضة فغیرجائزفی المذاہب الاربعة** .26 ترجمہ:''اور ڈاڑھی کا اس طرح کاٹنا کہ وہ ایک مٹھی سے کم ہو جائے تو یہ چاروں مذاہب (فقہاء کرام) میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔''

مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :''ڈاڑھی منڈانا یا اتنی کتروانا کہ ایک مٹھی سے کم رہ جائے حرام ہے۔.27''

فقہ شافعی کی تصریحات:

شوافع کی کتاب حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج میں ہے کہ :**فی حاشیة الکافیة بان الشافعی رضی الله عنه نص فی الام علی التحریم قال :الزرکشی وکذاالحلیمی فی شعب الایمان واستاذه القفال الشاشی فی محاسن الشریعة .وقال الاذرعی :الصواب تحریم حلقهاجملة لغیرعلة بهاکمایفعله القلندریة** .28 ترجمہ:''کافیہ کے حاشیہ میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الام'' میں وضاحت فرمائی ہے ڈاڑھی مونڈنے کے حرام ہونے پر اور امام زرکشی اور حلیمی نے شعب الایمان میں اور ان کے استاد قفال شاشی نے محاسن شریعت میں اسی طرح فرمایا۔ اور اوذاعی نے فرمایا کہ درست بات یہ ہے کہ ڈاڑھی مونڈنا سب کو حرام ہے۔ بغیر کسی بیماری کے جیسا کہ قلندریہ لوگ مونڈتے ہیں۔''

فقہ مالکی کی تصریحات:

فقہ مالکی کے مشہور عالم شیخ احمد نفراوی مالکی ،ابوزید کے رسالہ کی شرح میں لکھتے ہیں ۔ **فماعلیه الجندفی زماننامن امرالخدم بحلق لحاهم دون شواربهم ،لاشک فی حرمته عند جمیع الائمة لمخالفته لسنة ا لمصطفی ﷺ ولموافقته لفعل الاعاجم والمجوس**.29 ترجمہ:''ہمارے زمانہ کے فوجیوں کا جو ڈاڑھی منڈانے اور مونچھیں نہ منڈوانے کا طریقہ ہے وہ بلاشک وشبہ حرام ہے تمام ائمہ دین کے نزدیک۔ کیونکہ یہ سنت مصطفوی کے خلاف ہے اور عجمیوں اور مجوسیوں کی موافقت ہے۔''

فقہ حنبلی کی تصریحات:

الاقناع فقہ حنبلی کی مفتٰی بہ کتاب ہے مصنف لکھتے ہیں۔**واعفاء اللحية واجب ويحرم حلقها**.30 ترجمہ: ''ڈاڑھی چھوڑنا واجب ضروری ہے اور اس کا منڈانا حرام ہے۔''

فقہ ظاہری کی تصریحات: وكان من عادة الفرس قص اللحية ،فنهى الشارع من ذالک وامرباعفائها.31 ترجمہ: ''مجوسیوں کی عادت ڈاڑھی منڈانا تھا اس لیے شارع نے اس سے روکا اور اسکو چھوڑے رکھنے کا حکم دیا۔''

مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام اور دیگر فقہاء کرام کی تصریحات اور دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ : ''کہ ڈاڑھی رکھنا واجب اور اس کا منڈانا، یا ایک مٹھی سے کم کرنا حرام ہے۔''

ڈاڑھی کی شرعی مقدار

ڈاڑھی کی شرعی مقدار کے بارے میں حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فقديحتمل ان يكون لعفواللحى حدوهوماجاء عن الصحابة فى ذلک فروى عن ابن عمرانه كان يقبض على لحيته فمافضل عن كفه امرباخذه،وكان الذى يحلق راسه يفعل ذلک بامره وياخذعارضيه ويسوى اطراف لحيته وكان ابوهريرة ياخذبلحيته ثم ياخذمايجاوزالقبضة**.32 ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ نے جو ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا اس میں اس بات کا احتمال وامکان ہے کہ ڈاڑھی بڑھانے کی کوئی حد مقرر ہو اور وہ مقدار وہ ہے جو اس سلسلہ میں صحابہ سے مروی ہے۔پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ک وہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے، پس جو ڈاڑھی ان کی مٹھی سے زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیا کرتے تھے، اور جو آپ کے سر کو مونڈتا تھا وہ آپ کے حکم سے ایسا کرتا تھا۔اور وہ رخسار کے (یعنی اوپر کے جبڑے پر اگنے والے) بالوں کو کاٹ دیا کرتے تھے اور اپنی ڈاڑھی کے کناروں کو برابر کر لیا کرتے تھے۔اور حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے تھے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیا کرتے تھے۔''

عظیم محدث امام بیہقی رحمہ اللہ (جو کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے حامی ہیں) کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے جو ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے اس کی مقدار میں وہ احتمال قوی ہے جو صحابہ کرام سے مروی ہے اور وہ ایک مٹھی کی مقدار ہے۔درمختار میں ہے کہ: **بقدرالمسنون وهوالقبضة**.33 ترجمہ: ''ڈاڑھی کی سنت مقدار ایک مٹھی ہے۔''

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: **هوان يقبض الرجل لحيته فمازادمنهاعلى قبضة قطعه كذاذكره محمدفى كتاب الاثارعن الامام قال وبه ناخذ**.34 ترجمہ: ''آدمی اپنی ڈاڑھی اپنی مٹھی میں پکڑ لے جو بال مٹھی سے زائد نکلے ہو اس کو کاٹ لے اسی طرح ذکر کیا ہے امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الاثار میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے۔''

مذکورہ بالا اقوال فقہاء کرام و مجتھدین سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ڈاڑھی کی سنت مقدار ایک مٹھی/مشت/قبضہ ہے جو کہ واجب

ہے،اور مٹھی کی مقدار سے ڈاڑھی بڑھاناواجب نہیں بلکہ اس کے بعد اضافی بالوں کو کاٹ دیناکم از کم جائز جبکہ بعض کے نزدیک سنت و مستحب ہےاور یہی حق اور صحیح ہے۔

ڈاڑھی اور اس کی مقدار اطباء اور حکماء کی نظر میں

اب تک ڈاڑھی کے شرعی پہلو کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے اور اگر طبّی پہلو سے غور کیا جائے تو طبّی اعتبار سے بھی ڈاڑھی کی افادیت اوراس کے منڈانے کا ضرر اور نقصان طے شدہ ہے۔ چنانچہ قدیم طب میں تو یہ بات پہلے ہی سے طے شدہ تھی کہ ڈاڑھی مرد کے لیے زینت اور گردن وسینہ کے لیے بڑی محافظ ہے مگر بعد کے تحقیق دانوں کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ ڈاڑھی صحت کے لیے انتہائی مفید چیز ہے۔اوراس کو منڈانے سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ ماہرین کی رائے یہ ہے کہ : ''ڈاڑھی کے موجود ہونے سے مضر جراثیم حلق اور سینے میں پہنچنے سے رکے رہتے ہیں۔اوراس کے برعکس متعدد ماہرین کی رائے کے مطابق ڈاڑھی منڈانے سے مردانہ قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔اوراسی وجہ سے ان کا کہنا ہے کہ اگر سات نسلوں تک ڈاڑھی منڈانے کی عادت قائم رہے تو آٹھویں نسل بغیر ڈاڑھی کے پیدا ہوگی ۔ڈاڑھی مونڈنے سے دماغ پر برا اثر پڑتا ہےاور دماغ کمزور ہو جاتا ہےاور دیگر کئی دماغی بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں ۔ڈاڑھی منڈانے سے پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں (مثلاً نمونیہ ،سل وغیرہ) پیدا ہوتی ہیں ۔ڈاڑھی کو بار بار مونڈنے سے آنکھوں کی رگوں پر برا اثر پڑتا ہےاور نظر کمزور ہو جاتی ہے۔(جس کی آج کل اکثر لوگوں کو شکایت ہے)اور اگر ڈاڑھی کو ایک مٹھی ہونے کے بعد بھی نہ کاٹا جائے اوراس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ڈاڑھی کے بالوں کا اوپر والا حصہ پتلا ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سر میں اثر پیدا ہوتا ہےاوراس کی وجہ سے عقل اور دماغ میں فتور اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔''35

اس بارے میں سب سے زیادہ واضح تحریر امریکن ڈاکٹر چارلس ہومر کی ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔اس کا بلفظہ ترجمہ یہ ہے:

''ایک مضمون نگار نے ڈاڑھی مونڈنے کے لیے برقی سوئیاں ایجاد کرنے کی مجھ سے فرمائش کی ہے تاکہ وہ تمام وقت جو ڈاڑھی مونڈنے کی نظر ہوتا ہے بچ جائے۔لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ڈاڑھی کے نام سے لوگوں کو لرزہ کیوں چڑھتا ہے؟لوگ جب سروں پر بال رکھتے ہیں تو پھر چہرہ پر ان کے رکھنے میں کیا عیب ہے؟کسی کے سر پر سے اگر کسی جگہ کے بال اڑ جائیں تو اسے گنج کے اظہار سے شرم آیا کرتی ہے۔لیکن یہ عجیب تماشہ ہے کہ اپنے چہرہ کو خوشی سے گنجا کر لیتے ہیں اوراپنے کو ڈاڑھی سے محروم کرتے ذرا نہیں شرماتے،جو کہ مرد ہونے کی سب سے زیادہ واضح علامت ہے۔ڈاڑھی اور مونچھیں انسان کے چہرہ کو مردانہ قوت،استحکام سیرت کمال فردیت اور علامتِ امتیاز بخشتی ہیں ۔ اوراس کا بقاء وتحفظ بھی دلیری کی بناء پر ہوتا ہے۔یہی تھوڑے سے بال ہیں جو مرد کو زنانہ صفات سے ممتاز بناتے ہیں، کیونکہ اس کے علاوہ بدن کے تمام بالوں میں مرد اور عورت دونوں مشترک ہیں ۔عورتیں اپنے دلوں میں ڈاڑھی اور مونچھوں کی بڑی قدر رکھتی ہیں اور باطن میں بے ریش مردوں کی بہ نسبت باریش مردوں کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں ۔اور بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ڈاڑھی اور مونچھیں اچھی معلوم نہیں ہوتیں، لیکن اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ فیشن کی غلام

اور لباس کی ماتحت ہوا کرتی ہیں۔ اور بد قسمتی سے آج کل ڈاڑھی اور مونچھیں فیشن کی بارگاہ سے مردود ہو چکی ہیں، نتھنوں اور منہ کے سامنے تھوڑے سے بالوں کی موجودگی ایک اچھی چھلنی کا کام دیتی ہے اور مضرت رساں خاک مٹی اور بہت سے جراثیم ناک اور منہ میں نہیں جانے پاتے، لمبی اور گھنی ڈاڑھی گلے کو سردی کے اثرات سے بچائے رکھتی ہے۔" 36

ڈاڑھی منڈانے اور کٹانے میں پائے جانے والے دیگر گناہ

ڈاڑھی منڈانا بظاہر ایک گناہ ہے لیکن در حقیقت اس عمل میں کئی گناہ پائے جاتے ہیں جن کا ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک گناہ یہ کہ گناہ علانیہ (کھلم کھلا) گناہ ہے۔ جو لوگوں کی نظروں سے مخفی نہیں رہتا اور گناہ کو ظاہر کرنا بھی مستقل گناہ ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **سمعت رسول اللہ ﷺ یقول :کل امتی معافی الا المجاهرین** .37 ترجمہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: میری سب امت کی معافی کر دی جائے گی مگر کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی نہیں۔"

ڈاڑھی منڈانے میں ایک گناہ یہ ہے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مردانی چہرہ کے حسن و جمال اور زینت کو تبدیل کر کے حلیہ خراب کرنا (یعنی مثلہ بنانا) اور اپنی فطری شکل کو بگاڑنا اور تغییر خلق اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت و خلقت کو بدلنا) پایا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں عمل یعنی مثلہ بنانا اور تغییر خلق اللہ حدیث کی رو سے ممنوع ہیں۔

ڈاڑھی منڈانے میں ایک گناہ یہ پایا جاتا ہے کہ اس میں کافروں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرماتے وقت کافروں کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر بڑی سخت وعیدیں آئیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **ان رسول اللہ ﷺ قال :لیس منامن تشبه بغیرنالاتشبهوابالیهودولابالنصاری** .38 ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔ اور تم نہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کے ساتھ۔"

ڈاڑھی منڈانے میں پائے جانے والے گناہوں میں سے ایک گناہ "خواتین کے ساتھ مشابہت" اختیار کرنا پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ڈاڑھی کو اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے درمیان امتیازی شرف کی چیز بنایا ہے۔ اور جس عمل میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا پایا جاتا ہو ایسے عمل کو اختیار کرنا احادیث کی رو سے گناہ بلکہ باعثِ لعنت عمل ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: **لعن رسول اللہ ﷺ المتشبهین من الرجال بالنساءوالمتشبهات من النساء بالرجال** .39 ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

ڈاڑھی منڈانے میں پائے جانے والے گناہوں میں سے ایک گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈا کر یا ایک مٹھی سے کم کرا کر جب تک انسان اس عمل کا مرتکب رہتا ہے اس وقت تک اس کا گناہ برابر جاری رہتا ہے۔ یعنی یہ گناہ مسلسل، مستمر اور جاری گناہ ہے وقتی اور عارضی گناہ نہیں ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا گنہگار رہتا ہے اور ڈاڑھی منڈانے کا گناہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے جاگنے کی حالت میں، نیند کی حالت میں، کھانے کی حالت میں، پینے کی حالت میں، عبادت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوتِ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کا مبارک ذکر) کی حالت میں، حضور پاک ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی حالت میں، تہجد، اشراق، اوابین اور چاشت وغیرہ نفلی نمازوں کی حالت میں، بازار میں خریداری کرتے ہوئے، کوئی چیز بیچتے ہوئے، کوئی معاملہ کرتے ہوئے، دین وایمان کی بات سنتے اور بولتے ہوئے، مسجد میں، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھنے کی حالت میں، خوشی غمی کی حالت میں، قضاء حاجت کی حالت میں، غرض یہ کہ یہ گناہ مسلسل اور مستمر اور جاری گناہ ہے۔

خلاصہ بحث: ڈاڑھی کی شرعی حیثیت قرآن وسنت، اجماع اور شرعی قیاس (چاروں شرعی اصولوں) کی روشنی میں تفصیلی طور پر سامنے آگئی ہے۔ جس سے اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہی کہ کم از کم ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کو منڈا دینا یا کٹا دینا حرام اور کئی گناہوں کا مجموعہ اور نبی کریم ﷺ کی اذیت و نفرت کا باعث ہے اور ایک مٹھی کی مقدار پوری ہونے کے بعد زائد بالوں کو کٹا دینا بلاشبہ جائز بلکہ بہت سے حضرات کے نزدیک سنت و مستحب ہے۔ کیونکہ ڈاڑھی کی شرعی مقدار ہے جو نقل کے علاوہ فطرت اور عقل کے اصولوں پر مبنی ہے۔ لہذا مسلمانوں کو عقیدت و محبت اور شوق وذوق کے ساتھ شرعی ڈاڑھی رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہنے کی سعادت حاصل کر سکیں کہ: ﴿**تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں**﴾

{حوالاجات}

1 (ترمذی، محمدبن عیسی، جامع الترمذی (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۳۸) ابواب الادب، باب فی التوقیت فی تقلیم الاظفارواخذالشارب، رقم الحدیث: ۲۷۵۹)

2 (بلیاوی، مولاناعبدالحفیظ، مصباح اللغات، (لاہور: المصباح، ۱۹۵۳)، ص۷۷۲)

3 بخاری، محمدبن اسماعیل، الصحیح البخاری، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۳۸) کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

4 (رضوان، مفتی محمد، ڈاڑھی کاشرعی حکم، (راولپنڈی: ادارہ غفران، ۲۰۰۹) ص۲۰۴)

5 (سورۃ النساء، ۱۱۹:۴) عثمانی، مفتی شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارۃ المعارف ۲۰۰۳، ج ۲ ص۵۴۹)

6 (سورۃ طہ، ۹۴:۲۰) عثمانی، مفتی شفیع، معارف القرآن (کراچی: ادارۃ المعارف ۲۰۰۳ ج ۶ ص۱۴۰)

7 قشیری، مسلم، الصحیح المسلم، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۳) کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، رقم الحدیث: ۲۷۵۷)

8 (عینی، محمود، عمدۃ القاری، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، رقم الحدیث: ۲۴۸۷)

9 مناوی، عبدالرؤف، فیض القدیر شرح جامع الصغیر مصر: المکتبۃ التجاریۃالکبری، ۱۳۵۶ کتاب الادب، باب فی الفطرۃ

والختان ،ج :۴ص۳۱۶رقم الحدیث :۵۴۳۲)
10(نووی ،یحی بن شرف،المنہاج (بیروت :دارالفکر،۱۹۴۳)کتاب الطہارۃ ،باب خصال الفطرۃ، ج: ۳ص۱۴۸)
11(ابن حبان ،امام حاتم محمد،صحیح ابن حبان(کراچی :قدیمی کتب خانہ،۱۳۸۱ھج)کتاب الطہارۃ ،ذکرالبیان بان الاغتسال للجمعۃمن فطرۃ الاسلام،رقم الحدیث:۱۲۲۱)
12(ابوداود،سلیمان، سنن ابی داود کراچی: قدیمی کتب خانہ،۱۹۳۰ باب ماجاءفی قص الشارب، رقم الحدیث۴۶۰۴)
13(قشیری، مسلم، الصحیح المسلم (کراچی :قدیمی کتب خانہ،۱۹۳۰)کتاب اللباس ،باب اعفاءاللحی ،رقم الحدیث:۵۸۹۳)
14(تھانوی، اشرف علی ،اصلاح الرسوم(کراچی : اسلامی کتب خانہ ،۱۳۹۳ھج)باب اول ،فصل چہارم ،ص۲۱)
15(طبرانی سلیمان بن احمد،المعجم الکبیر(موصل :مطبۃ الزہراءالحدیثۃ،۱۹۸۴)ج:۱ص۲۷۷،رقم الحدیث:۱۱۷۲۴)
16(ترمذی، محمدبن عیسی، جامع الترمذی, قدیمی کتب خانہ ،۱۹۳۸، باب ماجاءفی قص الشارب، رقم الحدیث:۱۷۲۸
17(شیخ الحدیث،مولانازکریا،ڈاڑھی کاوجوب (کراچی :گاباسنز،۲۰۱۵)صفحہ:۲۸،۲۰)
18(بخاری، محمدبن اسماعیل،الصحیح البخاری قدیمی کتب خانہ ،۱۹۳۸)کتاب الادب ،باب ماقالوافی الاخذمن اللحیۃ
19ترمذی، محمدبن عیسیٰ،جامع الترمذی قدیمی کتب خانہ،۱۹۳۸)، باب ماجاءفی قص الشارب ،رقم الحدیث :۱۷۸۹
20(ابن ابی شیبہ، عبداللہ، مصنف ابن ابی شیبہ, ادارۃ القرآن ،۱۴۰۴ھج), باب ماقالوافی الاخذمن اللحیۃ، نمبر:۲۵۹۹۱)
21(علامہ محمودبن محمدخطاب ،المنہل العذب المورودفی شرح سنن ابی داود(کراچی :قدیمی کتب خانہ،س ن)ج:۱ص۱۸۶)
22(حکیم الامت،مولانااشرف علی،بوادرالنوادر(کراچی :اسلامی کتب خانہ ،س ن)ص۴۴۳)
23(علاءالدین محمدبن علی الحصکفی ،الدرالمختار, ایچ .ایم سعیدکمپنی،۱۴۰۶ باب مایفسدالصوم ومالایفسدہ،ج:۲ص۴۱۸)
24(شامی, ابن عابدین ،ردالمحتارعلی الدرالمختار, ایچ.ایم سعیدکمپنی،۱۴۰۶،باب مایفسدالصوم ومالایفسدہ ،ج۲ص۴۲۴)
25(سہارنپوری ،مولاناخلیل احمد،بذل المجہودفی حل ابی داود(کراچی :مکتبۃ الشیخ،س ن)ج: ۱ص۳۳)
26(کشمیری ،علامہ انورشاہ،العرف الشذی (کراچی :اسلامی کتب خانہ ،س ن)
27(مفتی عبدالرحیم لاجپوری ،فتاوی رحیمیہ ،(کراچی :اسلامی کتب خانہ ،(س ن)،ج :۱ص۷۵)
28 احمدبن قاسم، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج, بیروت، دارالکتب العلمیہ، باب فی العقیقۃ،ص۳۷۶)
29(شیخ احمدبن غنیم ،الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید(بیروت:دارالمعرفۃ،س ن)باب فی الفطرۃ، ج۲،ص۳۰۷)
30(ابوالنجاءشرف الدین موسی حجاوی مقدسی ،الاقناع فی فقہ الامام احمد(بیروت:دارالکتب العلمیہ،(س ن)کتاب الطہارۃ،باب فی الامتشاط والادہان.ج:۱ص۲۰)
31(قاضی محمدبن علی شوکانی ،نیل الاوطار(بیروت :داراحیاءالتراث العربی،(س ن)ج:۱ص۱۰۷)
32(امام بیہقی ،شعب الایمان (کراچی :قدیمی کتب خانہ ،(س ن)فصل فی الاخذمن اللحیۃ والشارب،ج:۸ص۴۱۱)
33 محمد بن علی الحصکفی، الدرالمختار, ایچ .ایم سعیدکمپنی ،۱۴۰۶, باب مایفسدالصوم ومالایفسدہ،ج:۳ص۴۳۱)
34(شامی, ابن عابدین، ردالمحتار (کراچی :ایچ .ایم سعیدکمپنی،۱۴۰۶ھج)کتاب الصوم ،باب مایفسدومالایفسدہ،ج:۳ص۴۷۳)
35(لکیھم پوری, حکیم شمیم احمد،ڈاڑھی طبی نقطہ نظرسے(دیوبند:کتب خانہ دارالعلوم دیوبند،۱۹۸۹)،ص۱۶۷)
36(ایضا،صفحہ۲۸۹)
37(بخاری، محمد، الصحیح البخاری, قدیمی کتب خانہ ،۱۹۳۸)کتاب الادب ،باب سترالمومن علی نفسہ ،رقم الحدیث:۲۹۹۰)

38(ترمذی ،محمد، جامع الترمذی, کراچی: قدیمی کتب خانہ ،۱۹۳۸ ابواب الاستئذان، باب ماجاءفی کراہیۃاشارۃ الیدبالسلام)

39(بخاری ،محمدبن اسماعیل ،الصحیح البخاری (کراچی :قدیمی کتب خانہ ،۱۹۳۸)کتاب اللباس ،باب المتشبھون بالنساءوالمتشبھات بالرجال ،رقم الحدیث:۵۸۸۵)

PHILOSOPHICAL GROUNDS OF ISLAMIC AND WESTERN RESEARCH PARADIGMS: AN APPLIED ANALYSIS

اسلامی اور مغربی تحقیق کی فلسفیانہ مبادیات کا اطلاق وافتراق

محمد نعیم جاوید ایم فل سکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور
حافظ ساجد اقبال شیخ لیکچرار، شعبہ ایم فل اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور

ABSTRACT: *This paper focuses on the comparative study of Islamic and Western research foundations. Debate in academia concerning to the issues faced by the researchers of religious studies seems a gap of diversion between two major discourses of Islam and the West. A researcher has to find out appropriate methods from diverse philosophical variations available in both paradigms. Applying phenomenological method in qualitative paradigm the paper explores that there is a significant difference in the world views of Islamic and Western research paradigms and it is not pertinent to search out points of intersection between them. Finally, the study concludes that researchers of theological concerned areas must rethink paths to ponder cutting edge philosophical and applied issues of contemporary era.*

Keywords: *Islamic Civilization, Waltenshuang, Western paradigm, research methodology, theology studies.*

تعارف: تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے، باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ''دریافت کرنا، حقیقت معلوم کرنا، کھوج لگانا''(۱) اردو میں بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے اور ریسرچ ''ری'' دوبارہ ''سرچ'' ''ڈھونڈنا'' بھی یہی معنیٰ ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ تحقیق ایک تصور کا نام ہے اور تصور کی ایسی تعریف کرنا جو جامع اور مانع بھی ہو اور اس قدر عام فہم بھی ہو کہ سامع کو سنتے ہی سمجھ میں آجائے، قدرے مشکل امر ہے۔ فن تحقیق کے ماہرین نے کئی تعریفات بیان کی ہیں مثلاً: ''کرافورڈ کہتے ہیں کہ یہ ایسے مسائل کے مطالعے کا ایک طریقہ ہے جن کے حل کا استخراج، جزوی طور پر یا کلی طور پر حقائق سے کیا جاتا ہو۔ ڈاکٹر تلک سنگھ لکھتے ہیں: تحقیق علم کا وہ شعبہ ہے جس میں منظم لائحہ عمل کے تحت سائنسی اسلوب میں نامعلوم و ناموجود حقائق کی کھوج اور معلوم و موجود حقائق کی نئی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ علم کے علاقے کی توسیع ہوتی ہے۔''(۲)

تحقیق کی اہمیت: اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور صرف ہمارے لیے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ تہذیبوں کا تصادم، رسم و رواج کا اختلاف اور علاقائی ثقافت کے اختلاف کی وجہ سے نئے نئے مسائل کا سامنا ہے اور ان کا حل نکالنے کے لیے تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں ہمیں نت نئے چیلنجز اور درپیش مسائل کا سامنا ہے اور اس کے حل کے لیے تحقیق کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ اس چیز کی ضرورت سے لگایا جاسکتا ہے اور ہر آنے والا دن ہماری

ضروریات میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے جس کے لیے تحقیق کا عمل ناگزیر ہو چکا ہے۔

ابتداء آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک جستجو کا مادہ ودیعت رکھ دیا ہے جس کی بدولت ذہن میں پنپنے والے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے اسے تحقیق کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔ تحقیق ایک علمی سرگرمی ہے جو تسلسل چاہتی ہے جو اس کے دامن سے چمٹا رہے تو کسی قدر اس کی سیرابی ہو بھی جائے اس کے باوجود وہ ہمیشہ تشنگی کا شکوہ کرتا ہے اور جستجو کبھی اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ یہی وہ جستجو ہے جس کی وجہ سے لاتعداد قوتیں انسان کے تابع ہیں۔ آج اگر انسان ہواؤں کا سینہ چیرتا ہوا آسمانوں کی بلندیوں میں ہزاروں من کی مشین کو اڑا سکتا ہے، خلا سے ہوتا ہوا چاند کے سینے پر اپنا قدم جما سکتا ہے، چند سیکنڈ میں اپنے پیغامات کو دنیا بھر میں پلک جھپکتے پہنچا سکتا ہے، ایک انسان کے اجزاء دوسرے کو دئے جا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ تو یاد رکھئے! یہ سب اسی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

تحقیق میں نامعلوم سے معلوم کرنے کا عمل جس قدر ضروری ہے اس سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اہل علم کے درمیان اسے ایک سند توثیق بھی حاصل ہو۔

قرآن وسنت میں تحقیق کی اہمیت:

نبی آخری الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو چیزوں کو ہمیشہ تھامے رکھنے کا حکم دیا اور ان کے چھوڑ دینے کو گمراہی سے تعبیر کیا اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔ چنانچہ اسی حکم کے پیش نظر آپ کی تیار کردہ جانثار جماعت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، مفسرین، محدثین، صوفیاء کرام نے اپنی تمام تر تحقیقات میں قرآن و سنت کو ہی اولین ترجیح دی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: (یا ایھاالذین اٰمنو ا ان جاء کم فاسق بنبأفتبینوا)(۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو''۔ ظاہر ہے کہ تحقیق نہ کی جائے اور مبادا کوئی خطا ہو جائے تو بعد میں ندامت اور شرمندگی ہی جھیلنی پڑتی ہے۔

(افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا)(۴) ترجمہ: ''کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے (اس قرآن میں) یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟'' اسی طرح قرآن پاک میں سائلین کے سوالات نقل کر کے جوابات دیئے گئے ہیں تاکہ ان کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور جستجو کی راہیں ہموار ہوں۔ جیسے: (یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج)(۵)

ترجمہ: ''اے پیغمبر! پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی صورتوں کے متعلق کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کا تعین اور حج کی تواریخ اور اوقات کی علامتیں ہیں۔''

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو پوچھا اگر آپ کے سامنے کوئی مقدمہ پیش کیا جائے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ میں تلاش کروں گا پھر پوچھا اگر کتاب اللہ سے نہ ملا تو جواب دیا کہ سنت رسول میں تلاش کروں گا پھر پوچھا اگر دونوں چیزوں میں نہ ملا تو؟ فرمایا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کے سینے کو تھپتھپایا اور فرمایا کہ تمام تر تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسول کے رسول (حضرت معاذؓ) کو اس چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں۔اس میں محض اپنی رائے مراد نہیں تھی بلکہ اس سے مراد قرآن وسنت میں خوب غور و خوض کے بعد اس سے مأخوذ رائے مراد تھی۔(۶)

اسلامی تحقیق کا معنٰی: علوم اسلامیہ میں تحقیق ایک بابرکت اور معظم کام ہے۔اس کارِ مکرم کے لیے انتخاب کیا نہیں بلکہ (خداوندِ عالم کی طرف سے) کروایا جاتا ہے اور اس توفیق کو محض عطیہ خداوندی سمجھنا چاہیے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خداوندِ عالم کی طرف سے نازل کردہ دین میں اس کے علوم و معارف کو تلاش کرنا ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کا محض دعویدار نہیں بلکہ اس پر پورا بھی اترتا ہے۔دورِ حاضر میں تحقیق ناگزیر ہو چکی ہے کیونکہ دن بدن نت نئے چیلنجز کا سامنا ہے اور اس کے نمٹنے کے لیے تحقیق ایک لابدی امر ہے۔اسلامی تحقیق وہ تحقیق ہے جس کا موضوع ہماری ان مقدس کتابوں (قرآن و حدیث) کے مشتملات ہوں۔اور جس کا مقصد یہ ہو کہ ان مشتملات کو لوگوں کے لیے زیادہ قابل فہم بنایا جائے۔(۷)

اسلامی فلسفہء تحقیق کی مبادیات: اسلام میں تحقیق اِس کے علمی دنیا کا حصہ اور عروج ہے خواہ ایک آیت ہی ہو اس کو آگے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔اسلامی اصول میں دعویٰ بلا دلیل معتبر ہی نہیں ہے۔اسلام ایک ایسا دینِ حق ہے جو سچائی کی تلاش میں عقل کو استعمال کرنے کی کسی حد تک اجازت دیتا ہے کیونکہ تحقیق ایک انداز فکر ہے جو ہمیں تدبر کی طرف مدعو کرتا ہے، غور خوض اور تدبر و فکر سے پہلو تہی اختیار کرنا حقائق تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، لیکن جو علوم ماوائے عقل ہیں ان میں عقل کو استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک دائرہ کار متعین کر دیا ہے۔ہر عضو کو ایک کام سونپ دیا ہے مثلاً کان کا کام سننا، آنکھ کا کام دیکھنا، ناک کا کام سونگھنا ہے اسی طرح عقل کا بھی ایک دائرہ کار ہے اور جہاں عقل کے اس دائرہ کار کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے وحی کا آغاز ہوتا ہے۔

علوم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات لا محدود ہے اور اس نے اپنے خلیفۃ الارض کو بذریعہ وحی محدود علم سے نوازا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:(و ما اوتیتم من العلم الا قلیلاً)(۸) ترجمہ: ''اور تمہیں نہیں علم دیا گیا مگر تھوڑا سا۔''

(و لا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء)(۹) ترجمہ: ''اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔''

وحی کی دو اقسام ہیں: ''آنحضرت ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی وہ دو قسم کی تھی۔ایک تو قرآن کریم کی آیات جن کے الفاظ اور معنٰی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھے اور جو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لیے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی نہ بدلا جا سکا اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔اس وحی کو علماء کی اصلاح میں وحیٔ متلو کہا جاتا ہے، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے، دوسری قسم اس وحی کی ہے جس جو قرآن کریم کا جز نہیں بنی، لیکن اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے احکام عطا فرمائے گئے، اس وحی کو وحیٔ غیر متلو کہا جاتا ہے۔(۱۰) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تمام علوم اسلامیہ (علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم تصوف، سیاسیات، معاشیات وغیرہ) کا ماخذ اور مرجع قرآن وحدیث (سنت) ہی ہیں۔

مروجہ مبادیات تحقیق اور اشتراک عمل کے ممکنہ عوامل:

تجرباتی تحقیق:

اقسام تحقیق میں سے ایک اہم قسم تجرباتی تحقیق ہے جو کہ اہل مغرب کے نزدیک بھی تحقیق کی بنیاد ہے۔سائنسی تحقیق کا انحصار تجربات پر ہوتا ہے اور چونکہ یہ انسانی کوشش کا نتیجہ ہے اس لیے تجربات میں غلطی کا واضح امکان موجود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ آئے روز سائنس کے نتائج تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن قرآن مجید میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے علوم و معارف کی بنیادیں بیان کر دی ہیں جو ہمیں صحیح راہ دکھاتی ہیں۔قرآن پاک میں حضرت ابرہیم علیہ السلام کا پرندوں کو زندہ کرنے والا واقعہ بیان کیا گیا ہے: جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ ! آپ دکھائیں کہ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں ؟ارشاد فرمایا: کیا آپ ایمان نہیں رکھتے ؟فرمایا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: چار پرندوں کو پکڑ لے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر ہر ایک کے حصے کر کے پہاڑوں پر رکھ دے پھر ان کو پکار، وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لے اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔(۱۱)

قابل توجہ بات ہے کہ اس واقعہ سے نہ صرف تجرباتی تحقیق کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ بہت اچھی مثال بھی موجود ہے باوجود اس کے کہ ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر نبی ہیں، مختلف آزمائشوں کی بھٹی سے آزما کر گزارا گیا مثلاً بیٹے کی قربانی، نمرود کی آگ میں پھینکا جانا ان کے ایمان کی مضبوطی میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے ! لیکن یہ تقاضا اطمینان قلب کے لیے تھا اور اطمینان قلب ایمان کا بہت اعلیٰ درجہ ہے۔اہل تحقیق کے لیے پورا طریق کار اس مثال میں موجود ہے۔جیسا کہ واقعہ میں مواد کو اکٹھا کرنا، مانوسیت کے پہلو کو مد نظر رکھنا، اجزاء رکھنے سے پہلے یقین کی دولت سے مالامال ہونا وغیرہ۔

تفتیشی تحقیق:

جرائم معاشرے کا ناسور ہے اور جرائم کی روک وتھام کے لیے حدود کا نفاذ بھی ضروری ہے جرم کے ثبوت اور عدم ثبوت کی وجہ سے بھی تحقیق کی جاتی ہے جس کے متعلق بھی بنیاد قرآن مجید میں موجود ہے اور قرآن پاک اس سلسلے میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔جو حضرت یوسف علیہ السلام پر لگنے والے الزام کی تحقیق کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ارشاد خداوندی ہے: (شهد شاهد من اهلهاان كان قميصه قد من قبل فصدقت و هو من الكاذبين و ان كا ن قميصه قد من دبر فكذبت و هو من الصادقين)(۱۲)"جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرائن کی گواہی کہتے ہیں۔یہاں شاہد اور شہادت اپنے اصطلاحی، فقہی معنیٰ میں نہیں جو بہت بعد کی پیداوار ہے کہ گواہ کے عاقل ہونے، بالغ ہونے، وقوع واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں، یہ گواہ تو صرف اس معنیٰ میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔"(۱۳) قرآن مجید میں جرائم کی تحقیق و تفتیش کے حوالے سے یہ رہنما اصول ہماری عدالتوں اور قانون شہادت میں رہنمائی

کرتے ہیں اور جدید دور کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ گو کہ اس تحقیق کا ثبوت بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔(۱۴)

فرضی تحقیق: بعض اوقات ایک مفروضہ قائم کر لیا جاتا ہے اور بعد میں حقائق کی روشنی میں اس کی تثویب یا تردید کر دی جاتی ہے اس کی مثال بھی قرآن مجید فرقان حمید میں موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: (فلما رای القمر بازغاقال هذا ربی فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی فاکونن من القوم الضالین فلما رای الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بریء مما تشرکون)(۱۵) ترجمہ: ''پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں ضرور تمہاری طرح گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ (کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے) پھر جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے اے لوگو! میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔'' ''یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لیے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان، جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی، کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔''(۱۶)

اس آیت سے بظاہر ہمیں ایک مفروضہ قائم کرنے، اس میں غور و خوض کرنے اور اس سے حتمی نتیجہ اخذ کرنے میں رہنمائی مل رہی ہے۔ نیز مفروضے کا غلط ثابت ہو جانا کوئی مستبعد چیز نہیں اور ممکن ہے جیسا کہ آیت مبارکہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو چکا ہے۔

علاقائی دریافت کی تحقیق: بعض اوقات تحقیق سے علاقہ جات بھی دریافت کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق واقعہ مذکور ہے کہ ہدہد نے آکر اطلاع دی کہ میں نے ایک عورت دیکھی ہے جو ان پر حکمران ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا ایک پرندہ دور دراز علاقہ کی طرف نکل گیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی تفتیش کرنے پر انہیں ایک ایسے علاقے کا پتہ چلا جہاں ایک ایسی قوم قیام پذیر تھی جو سورج کو پوجتی (مجوسی) تھی اس واقعہ سے بھی تحقیق کی راہیں کھلتی ہیں۔(۱۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی ضرورت سے اُڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہدہد ان میں نظر نہ آیا تو فرمایا کہ کیا بات ہے میں ہدہد کو نہیں دیکھتا، آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھے نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟۔ پرندوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیتے تھے جیسے ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا، اب پہنچا، سبا ایک قوم کا نام ہے۔ یہ وطن عرب میں یمن کی طرف تھا۔(۱۸)

تحقیق کی بنیاد حدیث مبارکہ کی روشنی میں:

((قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع))(۱۹)ترجمہ:''نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو آگے نقل کردے۔'' بلا تحقیق بات کو نقل کرنے پر انسان کو بزبان نبوی صلی اللہ علیہ (جن کی زبان مبارک سے جھوٹ کا گمان کرنا بھی اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے) جھوٹا قرار دے دیا گیا ہے۔ پس سیرت نبویہ کے واقعات نبوت کے سو سال بعد لکھے گئے اور اصول و معیار یہ مقرر کیا گیا کہ واقعہ شریک واقعہ کی زبانی ہو اور اگر وہ خود شریک نہیں تھا تو بترتیب راوی مکمل بیان کرے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والے راوی کون کون تھے اور کیسے تھے؟ان کے مشاغل کیا تھے؟

حافظہ کیسا تھا؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ الفاظ بعینہ نقل کیے گئے ہیں یا تقدیم وتاخیر ہے؟ ان باتوں کا اندازہ لگانا قدرے مشکل امر تھا لوگوں نے اس میں اپنی عمریں صرف کردیں اور یوں اسماء الرجال کا عظیم فن بھی تیار ہو گیا۔ جیسے جیسے معیار بڑھتا گیا اسی طرح بتدریج موضوع روایتیں اور مبالغہ آمیز روایتوں میں مزید کمی واقع ہوتی گئی۔ پہلی صدی کے آخر میں (یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ تھا) تدوین کا عمل تحقیق کے اصولوں پر سرکاری سطح پر معرض وجود میں آیا جبکہ دوسری صدی میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ آثار صحابہؓ اور فتاویٰ تابعین بھی مدون ہوئے اور تیسری صدی میں روایت ودرایت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے زیادہ عمدہ کتابیں لکھی گئیں ابھی تک وہ احادیث فقہ سے الگ نہیں تھیں اس وجہ سے لوگ اقوال صحابہؓ کو سنت سے ملا لیتے تھے لیکن ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث کو بحیثیت فن الگ سے مدون کیا جائے چنانچہ اقوال صحابہؓ کو سنت سے خارج کر دیا گیا اور خود احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لیے اصول روایت ودرایت بنائے گئے اسباب جرح وتعدیل کی تعین کی گئی۔(۲۰)ان تمام ابحاث اور دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کے عمل سے خود قرآن پاک اور احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گزارا گیا اور خود قرآن وسنت نے ہمیں تحقیق کی بنیادیں سمجھائی ہیں۔ بنیاد جس قدر مضبوط ہوگی عمارت بھی اسی قدر مضبوط کھڑی ہوگی اب بھی کوئی ان اصول تحقیق سے روگردانی کرے گا وہ لازماً اس میدان تحقیق میں ٹامک ٹوئیاں مارے گا اور خالی واپس لوٹنا اس کا مقدر بنے گا۔

مغربی فلسفہ تحقیق کی بنیادیں: ایمان اور الحاد کے درمیان جو طویل عرصہ سے جو بحث جاری ہے اسے بظاہر ایمان اور عقل کے درمیان افتراق کا عنوان دیا جاتا ہے لیکن یہ بحث ایمان اور عقل کے درمیان ہے ہی نہیں بلکہ ''وجود انسانی اور اس کی ماہیت'' سے متعلق ہے جبکہ مغربی مفکرین اس کو ''ایمان اور عقل'' کے عنوان سے پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر دور میں موجودات دنیا کی حقیقت جاننے سے متعلق انسانی کوششوں کے نتیجے میں مختلف فلسفے اور نظریات وجود پاتے رہے ہیں اور اس بحث کی جڑیں نشاۃ ثانیہ سے جا ملتی ہیں۔ اور نشاۃ ثانیہ یورپ سے اٹھنے والی تحریک جو 14 ویں صدی سے 17 ویں صدی تک جاری رہی اور نشاۃ ثانیہ کو دراصل مغربی تہذیب کو مسلمانوں کے ہاتھوں ملنے والے قدیم یونانی فلسفے اور جدید اسلامی فلسفے سے تحریک ملی تھی۔

''سوال یہ ہے کہ موجوداتِ دنیا کی حیثیت کیا ہے ؟اس سوال کے نتیجے میں مختلف فلسفوں نے جنم لیا مثلاً ایک مذہبی فلسفہ ہے کہ سب کچھ منشائے خداوندی سے وجود پذیر ہوا چاہے وہ نظر آئے یا نہ آئے جبکہ دوسرا فلسفہ یہ باور کرواتا ہے کہ حقیقت میں وہی چیزیں وجود رکھتی ہیں جو قابلِ مشاہدہ ہوں اور جو قابل مشاہدہ نہیں ہیں ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ دونوں ہی ایک ایسی حقیقتیں ہیں کہ ان کی نوخیز طبائع پر سرعتِ اثر اندازی کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔''(۲۱) فطرت انسانی میں شامل ہے کہ وہ مشاہدات کے نتائج کو فی الفور قبول کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ((لیس الخبر کالمعاینۃ))(۲۲) ترجمہ: ''خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔''

یعنی خبر سے حاصل ہونے والا علم مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل والے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تو تھی کہ جدید علوم سے وابستہ افراد نے سائنسی تجربات سے حاصل ہونے والے نتائج کو بلا جھجک قبول کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ اسباب کی وجہ سے سائنس خدا کے وجود سے ٹکرا گئی لیکن اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ مذہب اور سائنس کا میدان الگ الگ ہے۔ سائنس کا مذہب میں کوئی عمل دخل نہیں البتہ مذہب کا سائنس کے امور میں دخل ضرور ہے۔ مذہبی دانشور سائنسدان موجوداتِ دنیا کو منشأ خداوندی مان کر اس کی وجہِ تخلیق جاننے کی کوشش کرتا ہے جبکہ ملحد مغربی مفکر (ملحد) اس جہت سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔

دینِ اسلام نے جو اسلوب تحقیق اپنے پیروکاروں کو دیا ہے وہ سب سے پہلے باری تعالیٰ کی ذات سے آگاہ کرتا ہے کہ علم کا اصل مأخذ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہیں سے علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں اور انسانیت کی تشنگی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ آیئے! چند علوم کی بنیاد کو اسلام کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

سرورِ کونین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں جو سب سے پہلی وحی کا ورود ہوا ملاحظہ ہو: (اقرا باسم ربک الذی خلق-خلق الانسان من علق-اقرا و ربک الاکرم-الذی علم بالقلم-علم الانسان ما لم یعلم)(۲۳)

ترجمہ: ''پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

''اول الذکر آیت میں ''اقراء'' فرما کر عالم طبیعی سے متعلق علم کی بات کائنات اور انسان کے خالق کے حوالے سے کی گئی، دوسری آیت میں ''علق'' فرما کر خون کا ذکر کیا جو انسانی زندگی سے متعلق ہے، تیسری آیت اپنے پڑھنے والے کو عقیدہ توحید کی طرف موڑ لاتی ہے، چوتھی آیت میں ''قلم'' کا تذکرہ کیا گیا جو علمِ ٹیکنالوجی پر دلالت کرتا ہے اور پانچویں آیت ان تمام علم کے دائروں کا خدا تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہونے کا مظہر ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو ٹیکنالوجی کی دنیا سمیت تمام شعبہ ہائے علوم کی ابتداء اسی نقطہ سے ہوتی ہے کہ انسان، کائنات، خدا آپس میں مربوط ہیں اور ان کو آپس میں مربوط کرنے والا ایک اصول ہے جسے ہدایت کہا جاتا ہے۔''(۲۴)

قرآن پاک میں جابجا غور فکر کی دعوت دی گئی ہے جس مقصد یہی ہے کہ کائنات کے مناظر میں غور کرے کس طرح اللہ تعالیٰ نے

ڈاواں ڈول ہوتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی شکل میں میخیں گاڑھ کر اسے ٹھہراؤ بخشا ہے، کہیں بہتے ندی نالے اور کہیں پہاڑوں سے آبشاریں پھوٹ رہی ہیں، اونٹ کو ہی لے لیجیے! کیسی عجیب خلقت ہے کہ اس قدر جثہ رکھنے کے باوجود ایک بچہ اگر اس کی نکیل کو پکڑ کر چل پڑے تو یہ بھی اس کی اتباع میں چلنے لگتا ہے۔ بہر کیف یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مسلمان مفکرین نے جہاں ہدایت الٰہیہ سے اپنی تحقیق میں استفادہ کیا وہاں عقل اور تجربہ کو طریقہ تحقیق کے سفر میں زاد راہ کے طور پر ضرور ساتھ لیا ہے۔ ''اس پس منظر کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی تاریخ کے علم کے چار اسلوب ہیں وہ خدائی ہدایت، عقل، وجدان اور تجربہ ومشاہدہ ہے۔ دین اسلام نے ان کو ایک خوبصورت لڑی میں پرو دیا۔''(۲۵)

مغرب میں تاریخ، فلسفہ اور علوم پر لکھنے والے اسلامی تہذیب کی تحقیق ایک خاص طریقے سے کرتے ہیں۔ مغرب کے نزدیک اسلامی تحقیق یونان اور مغرب جدید کے درمیان ایک رابطہ ہے یا تجرباتی سائنس کی حیثیت سے اسلامی مزاج کی ایک خاص اہمیت ہے۔ ان کے نزدیک تصورِ تہذیب عروج وزوال کے تابع ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط تک فلسفہ و تحقیق کے ماہرین اسلامی تہذیب کا ذکر سرسری انداز میں کرتے تھے لیکن آگے بڑھتے ہوئے اسلامی تہذیب کی اہمیت بڑھنے لگی۔ یورپی نشاۃ ثانیہ کے مطالعہ میں گہرائی پیدا ہوتے ہی اسلام کا وہ عہد پیش نظر آجاتا ہے جب علمی، عملی اور فکری طور پر تاریخی مؤثرات اس تہذیب کے کنٹرول میں تھے لیکن کچھ خرابیاں بھی پیدا ہوئیں کہ یورپ میں تہذیب کا تصور ہمیشہ فلسفی کی اپنی ذاتی تعریف اور اس کے رجحان سے متعین ہوتا ہے اور عروج وزوال کا معیار مظاہر میں منحصر ہوتا ہے۔ درحقیقت تہذیب تحقیق کے ساتھ حرکت اور عروج وزوال کا تصور پیش کرتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ یورپ اسلامی روح تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام ہے کیونکہ سارے طریقہ کار اسلامی تحقیق کی اس روح سے وابستہ رہتے ہیں جو عالمی تہذیبی منظر نامے میں منفرد ہے اس کی بنیاد انسان، کائنات اور خدا کے درمیان وہ تعلق ہے جو تاریخ کے سیاق وسباق میں حجیت وحی سے متعین ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ تحقیق کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ قدیم زندگی سے نہایت مضبوطی سے جڑی ہوئی ہے۔ اس نے ہمیشہ کسی بھی تہذیب کے ارتقاء میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مادی چیزوں پر تحقیق نے جہاں سہولیات کے انبار ہمارے دامن میں ڈالے ہیں وہاں اس کی وجہ سے بنی آدم کا سکھ اور چین بھی ناپید کر دیا ہے۔ چونکہ مغربی تحقیق کے اصول تحقیق معین نہیں ہیں، ان کے اغراض و مقاصد بھی مبہم ہیں، اطلاقی نہیں ہیں، مابعد الموت کی زندگی کا کوئی تصور نہیں وغیرہ اسی لیے یہی چیزیں اسلامی اور مغربی تحقیق اصولوں میں افتراق کا مظہر ہیں۔ مغربی اصولِ تحقیق میں تعین نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی عقل کو اصل ماخذ مانتا ہے تو کوئی قوت اور ریاست کو مانتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام مفکرین میں ایک فکری انتشار ہے۔ ایسے لوگ عقل کو ایک مکمل ماخذ مان کر اپنی عقل کے ناقص ہونے پر ہی خود ہی شہادت ہیں اور ان کے درمیان صف ماتم برپا ہے۔(۲۶)

اسلامی اصول تحقیق کا کوئی نہ کوئی مقصد متعین ہے لیکن مغربی محققین کا دائرہ تحقیق کسی خاص مقصد کے گرد نہیں گھومتا جس کی وجہ خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان نہ لانا ہے اگر کوئی خدا تعالیٰ کی ذات پر ایمان بھی رکھے تو اس کی تحقیق پھر بھی خوشنودی رب کی خاطر نہیں ہوتی اور ہمیشہ گردشِ زمانہ کو قصور وار ٹھہراتے ہیں جبکہ اسلامی تناظر میں گردشِ ایام کو برا بھلا کہنا بھی روا نہیں ہے کیوں کہ زمانہ میں اثر رکھنے والی بھی رب تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس کے علاوہ مسلم مفکرین کی تحقیق مفاد انسانیت کے گرد گھومتی ہے لیکن مغربی مفکرین اپنی ذات، قوم، رنگ ونسل کی عصبیت میں اپنے ہاتھ رنگین کر چکے ہیں اور بظاہر مفاد انسانیت کے دعویدار ہیں لیکن وہ صرف کتابی حد تک محدود ہیں حقیقت میں ایسی کسی چیز کا ان کے ہاں وجود نہیں ہے۔

مغربی اصول تحقیق میں دہرا معیار قائم کیا گیا ہے وہ اپنے اصولوں کی روشنی میں دوسروں کا جائزہ لیتے ہیں لیکن اپنی سابقہ تحقیقات پر ان کو پرکھنے سے کتراتے ہیں۔ اسے تحقیقی خیانت کا نام دینا بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ مسلمان اپنے مذہب کی لاج رکھتے ہوئے دائرہ اسلام کے اندر رہتے ہوئے تحقیق کا عمل انجام دیتے ہیں اور ایسی سرگرمی سے راہ فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا ان کا دامن گناہ سے داغ دار ہو اس کی وجہ یہ ہے آخرت کی جاودانی حیات کا تصور آڑے آجاتا ہے جبکہ مغربی محققین کے اصولوں کی بنیاد ہی انکار خدا پر ہے جسے الحاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب وہ آخرت کے تصور سے ہی ناآشنا ہیں تو شتر بے مہار کی طرح آزادانہ طور پر تحقیق کا عمل انجام دے رہے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فرید بکڈپو، دہلی، انڈیا، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۴۸

(۲) عباسی، عبدالحمید، پروفیسر، ڈاکٹر، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، پاکستان، دسمبر ۲۰۱۵، ص: ۹۱، ۹۰

(۳) الحجرات ۴۹: ۱۲۷

(۴) محمد ۴۷: ۲۶

(۵) البقرۃ ۲: ۲۱۹

(۶) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب القضاء، باب اجتہاد الرای فی القضاء، حدیث: ۳۵۹۲

(۷) رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، دار الاشاعت اسلامیہ، لاہور، پاکستان، ص: ۵

(۸) الاسراء ۱۷: ۸۵

(۹) البقرۃ ۲: ۲۵۵

(۱۰) عثمانی، محمد تقی، شیخ الاسلام، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۱۵ھ، ص: ۴۰

(۱۱) البقرۃ ۲: ۲۶

(۱۲)یوسف ۲۶،۱۲:۲۷

(۱۳)دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن، کراچی، پاکستان، ۱۴۲۰ھ، ج:۲، ص:۵۹۵

(۱۴)وارث علی، ابحاث، قرآن و حدیث کی روشنی میں مبادیات تحقیق، لاہور گیرژن یونیورسٹی، لاہور، پاکستان، ج:۲، شمارہ:۵، جنوری مارچ ۲۰۱۷، ص:۱۰

(۱۵)انعام ۶:۷۷

(۱۶)ابوالاعلیٰ، مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان، ج:۱، ص: ص:۵۵۷

(۱۷)وارث علی، ابحاث، قرآن وحدیث کی روشنی میں مبادیات تحقیق، ص:۱۰

(۱۸)عثمانی، شبیر احمد، مولانا، تفسیر عثمانی، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، پاکستان، ص:۲۶۲

(۱۹)قشیری، مسلم بن حجاج، مقدمہ الجامع الصحیح، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع

(۲۰)وارث علی، ابحاث، قرآن وحدیث کی روشنی میں مبادیات تحقیق، ص:۱۴

(۲۱)ثروت جمال اصمعی، تحقیق کے مغربی فلسفے اور اسلامی اسلوبِ تحقیق کی اساسیات، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، پاکستان

(۲۲)احمد بن حنبل، الامام، مسند احمد، دار الحدیث، قاھرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۰۰۵ء، ج:۱، ص:۴۲۴

(۲۳)العلق ۹۶:۵،۴،۳،۲،۱

(۲۴)تحقیق کے مغربی فلسفے اور اسلامی اسلوبِ تحقیق کی اساسیات

(۲۵)ایضاً

(۲۶)محمد باقر خان، ڈاکٹر، اسلامی اصول تحقیق، ادبیات، لاہور، پاکستان، مئی ۲۰۱۵، ص:۱۲۱،۱۲۰

ACADEMIC AND RELIGIOUS SERVICES OF MUHAMMAD MAQSOOD ILAHI (MAHBOOB ILAHI) AND ITS EFFECT ON THE SOCIETY

محمد مقصود الٰہی نقشبندی المعروف محبوب الٰہی کی دینی و علمی خدمات اور معاشرے پر اس کے اثرات

عبدالصمد لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طلبہ نارتھ کراچی

ABSTRACT: *Allah the Almighty sent a chain of the Prophets for the guidance of human beings, Hadrat Adam (A.S) is the first while the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) is the last prophet of this chain, after the Holy Prophet (peace be upon him) his companions discharged this duty and then Aulia (Allah's friends) of this Ummah have been busy in reformation of the human beings, there is a one in them who has spent his whole life in preaching Islam and reformation of Muslim Ummah, he was born on 1st October, 1955, his parents named him Maqsood Ilahi, he passed M.S.C in chemistry. He took an oath to follow spiritual guide at the hand of Huzoor sohna sae'n (R.A) in 1975 and after few years his spiritual guide sohna saen (R.A) bestowed him khlifata and sent Karachi. Since the life of his student life till today he has lived his life in preaching Islam, he has travelled hundreds of times for the sake of preaching deen, he went India, Central Africa, Mozambique, Malavi, Maputo, Nampola, Nicala, Arab and so many other places. in and out of the city, many Masajid ,Schools and other educational and training institutions are being run under his supervision, he has also set up an organization "Islami Roohani Mission". By the day and night he is serving the humanity preaching, treating, educating and reforming them. This contribution explores the hidden academic and religious services of Maqsood Ilahi and shows the real faces and effects on society.*

KEYWORDS: *Maqsood Ilahi, Mahboob Ilahi, Naqshbandi Sent, Academic Services of Maqsood Ilahi, Islami Roohani Mission.*

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد وہدایت کے لیے بے شمار انبیاء کرام علیہم السّلام مبعوث فرمائے جن کا مقصد حیوانی و نفسانی خواہشات و عادات میں مبتلا مخلوق کو ربِّ کائنات کی محبت و معرفت کی راہ دکھانا اور اُن کے باطن کی اصلاح کر کے اُن کا تعلق اللہ سے ملانا تھا۔ حضرت آدمؑ سے اس سلسلے کا آغاز ہوا جس کی آخری کڑی نبیِ آخر الزماں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ حضورِ اکرمؐ کے بعد رشد وہدایت کا فریضہ ان کی امت کے حصے میں آیا جسے اوّلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ سرانجام دیا، ان کے بعد تابعین و تبع تابعین غرض یہ کہ اولیاءِ امت نے نہایت محبت و شفقت اور محنت سے دینِ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت و فروغ کے لیے کوششیں کی اور آج تک یہ صلحاءِ امت مسلمانوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لیے کوشاں نظر آرہے ہیں۔

ہر دور میں عوام الناس باطل عقائد اور نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہوتے نظر آئے ہیں جس کی ایک بڑی وجہ علومِ شریعہ اور اس کے حقائق سے ناواقفیت ہے، بالخصوص عصرِ حاضر میں ایک بڑا طبقہ شریعتِ مقدسہ سے منحرف نظر آتا ہے، جس کے ذمہ دار وہ نام نہاد، بے عمل لوگ ہیں جو خود کو بابا، بزرگ یا صوفی کہلاتے ہیں اور ان کا کام خود بھی گمراہ ہونا اور عوام الناس کو بھی گمراہ کرنا ہے۔ ایسا اِس لیے ہے کہ کثیر التعداد لوگ روحانی پیشواؤں پر اندھا یقین رکھتے ہیں لیکن انھیں یہ پہچان نہیں کہ روحانیت کسے کہتے ہیں اور شریعت کی حدود

کیا ہیں۔اسی لیے وہ بے عمل، گمراہ اور شریعت سے منحرف لوگوں کو اپنا پیشوا مان کر اُن کی اتباع کرتے ہوئے گمراہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اِس دور کی انتہائی اہم اور ایک بڑی ضرورت ہے کہ عوام الناس کو ایسے لوگوں کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔ انھیں شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں صوفیت اور کامل ولی کی پہچان کرائی جائے تاکہ وہ جہل کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کے نور سے آراستہ ہوں۔

اِس پُر فتن دور میں بھی کئی ایسے صلحاءِ امت ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی اصلاحِ امت کے لیے وقف کر دی، جن میں ایک نمایاں نام پروفیسر ڈاکٹر محمد مقصودالٰہی صاحب کا ہے، جو نقشبندی مجددی سلسلے کے بزرگ ہیں۔ان کے آباءواجداد کا تعلق ہندوستان کی ریاست بیکانیر سے ہے،ان کا خاندان عزت و شرافت اور شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

پروفیسر مقصودالٰہی صاحب کا مختصر تعارف: حضرت پروفیسر ڈاکٹر مقصودالٰہی صاحب کے آباؤاجداد کا تعلق ہندوستان کی ریاست بیکانیر سے ہے۔(۱) قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۷ء میں آپ کے دادا صوفی محمد حسین رحمۃاللہ علیہ ہجرت کر کے پاکستان کے صوبے پنجاب، ضلع بہاولنگر، تحصیل ہارون آباد، چک نمبر ۸۴ میں آکر مقیم ہوئے۔آپ کے نانا حضرت عبدالرحمٰن رحمۃاللہ علیہ کا تعلق انڈیا میں فیروزپور سے تھا۔ انڈیا سے ہجرت کر کے آپ کے نانا نے ڈسٹرکٹ ساہیوال، تحصیل اوکاڑہ، چک نمبر ۴۳ جی ڈی میں سکونت اختیار کی، محبوب سائیں(۲) کا خاندان عزت و شرافت اور شجاعت و بہادری میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔دین داری آپ کے گھرانے کا طرۂ امتیاز ہے۔ بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت ومحبت آپ کے خاندان کے ہر فرد کی وصفِ خاص ہے۔دنیوی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے،اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔(۳)

حکمت آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔آپ کے دادا جان محترم صوفی محمد حسین رحمۃاللہ علیہ صاحب کا حکمت میں پایہ بہت بلند تھا۔ ملکِ پاکستان میں صوفی دواخانہ آپ ہی کے نام سے مشہور ہے،آپ کے پردادا حضرت محمد میاں علیہ الرحمہ اپنے عصر کے بہت بڑے صوفی بزرگ تھے، آپ کی دادی ساحرہ بی بی انتہائی نیک و پرہیز گار خاتون تھیں، آپ کے نانا حضرت عبدالرحمن رحمۃاللہ علیہ بھی اپنے وقت کے صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔(۴) آپ کے والدِ محترم صوفی محمد سلیم عفی عنہ ماہر طبیب، متقی، پرہیزگار اور صوفی مزاج شخص ہیں، محبوب سائیں کا خاندان آرائیں ہے، آرائیں ذات میں بھی کئی نامور صوفیاء ومشائخ اور علماء گزرے ہیں، حضرت باہو بُھلّے شاہ رحمۃاللہ علیہ کے مرشدِ کریم حضرت عنایت اللہ رحمۃاللہ علیہ بھی آرائیں تھے،اس نسبت سے بھی آپ کو کافی روحانی فیوض وبرکات حاصل ہیں۔

محبوب سائیں نے میٹرک ڈی۔سی ہائی اسکول سے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ڈگری کالج نواب شاہ میں فرسٹ ائیر پری میڈیکل میں داخلہ لے لیا، یہاں آپ نے سائنس کے شعبے میں ایف۔ایس۔سی پھر بی۔ایس۔سی پاس کیا۔بی۔ایس۔سی میں آپ کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ پورے ڈسٹرکٹ نواب شاہ میں بی۔ایس۔سی میں پاس ہونے والا صرف ایک طالبِ علم مقصودالٰہی تھا۔ اس کے بعد آپ نے مزید تعلیم کے حصول کے لیے نواب شاہ سے تنہا حیدرآباد ہجرت فرماتے ہوئے سندھ یونیورسٹی جام شورو کا رخ

فرمایا اور وہاں سے نمایاں نمبروں سے کیمیا (کمیسٹری) میں ایم۔ایس۔سی کی سند حاصل کی، کیمیا میں ایم۔ اس۔ سی کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر ایڈہاک بنیادوں پر لیکچرار ان کیمسٹری (کیمیا) کی حیثیت سے عبدالحامد بدایونی ڈگری سائنس کالج (اورنگی ٹاؤن) میں ہوا۔ کچھ عرصے بعد ہی آپ نے کمیشن کا امتحان پاس کیا اور مستقل بنیادوں پر لیکچرار مقرر ہوئے پھر آپ کا تبادلہ اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طلبہ نارتھ کراچی میں ہو گیا، یہاں سے آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ڈگری کالج سرجانی ٹاؤن میں بہ حیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ ہیںآپ کا تبادلہ دوبارہ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طلبہ نارتھ کراچی میں کر دیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر ۱۷ گریڈ کے لیکچرار کی حیثیت سے ہوا اور درجہ بہ درجہ ترقی پاکر آپ ۲۰ گریڈ کے پروفیسر کی حیثیت سے اکتوبر ۲۰۱۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ محبوب سائیں ایک ماہر حکیم بھی ہیں۔ آپ نے حکمت کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم جناب صوفی محمد سلیم سے حاصل فرمائی پھر ادارہئ فروغِ حکمت لاہور میں داخلہ لے لیا اور باقاعدہ حکمت کی تعلیم حاصل فرمائی۔ آپ ہومیوپیتھک ڈاکٹر بھی ہیں جس کی تعلیم نیشنل کانسل آف ہومیوپیتھک آف پاکستان سے حاصل فرمائی۔ (۵)

حضرت محبوب سائیں کی نسبتِ ارادت غوثِ زماں حضرت خواجہ اللہ بخش المعروف سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ شیخِ کامل کے دستِ مبارک پر آپ نے ۱۹۷۵ء میں بیعت کی اور سلسلہئ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے، آپ نے آدابِ مرشد اور اتباعِ شیخ کے وہ اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں جو ہر فقیر کے لیے قابلِ اتباع ہیں (٦)، آپ کو سنگِ درِ مرشدِ کامل کی صحبت بابرکت میں ابھی آٹھ سال ہی گزرے تھے کہ آپ کہ مرشدِ کریم حضور سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر خصوصی نظرِ کرم فرماتے ہوئے فیضِ روحانی و وجدانی کے دریا سے آپ کے قلبِ مصفّٰی کو سیراب فرمادیا اور ۱۹۸۳ء میں آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۸ سال تھی۔ (۷) محبوب سائیں نے علم کی نشر و اشاعت کے ہر شعبے میں توجہ فرمائی ہے، آپ نے کئی مفید کتب بھی تالیف فرمائی اور کچھ زیرِ تالیف بھی ہیں، آپ کی تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پردہ نہ اٹھاؤ ۲۔ پریشانیوں سے نجات ۳۔رزق کی تنگی ٤۔دو جنتیں ٥۔زیارتِ حرمین شریفین ٦۔مال کی حفاظت ۷۔مقصود الدنیا والآخرۃ (3 جلدیں) ۸۔انعام یافتہ لوگ ۹۔سفر نامہ ہندوپاک ۱۰۔گھر کا ڈاکٹر ۱۱۔کیمسٹری گائیڈ بک ۱۲۔مکتوباتِ مقصودیہ (دفتر اول ودوم) ۱۳۔بہن کے نام ١٤۔ بن دیکھے سودے ۱٥۔وسیلہ ١٦۔ خطباتِ مقصودیہ ۱۷۔رزق کی تنگی ۱۸۔ سفر نامہ ہندوپاک (۸)

علمی خدمات اور اصلاحِ معاشرہ: محبوب سائیں کا شمار ان اہلِ طریقت صوفی حضرات میں ہوتا ہے جو تصوف کے طریق پر عوام الناس کو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کے دین کا پابند بنانے کی کوشش کرتے ہیں، صوفی کی بنیاد علمِ تصوّف پر ہے جو کہ تزکیہئ نفس اور تصفیہئ قلب کے لیے علمِ باطن ہے اور ابدی سعادت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے، اسی علمِ تصوّف کو علم الاخلاق اور علم الاحسان کا نام بھی دیا جاتا ہے، اس علم کا بھی اصل سرچشمہ حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے، جن کی شانِ کریمی میں کہیں یُزَکِّیھِم

(۹)کا نزول ہوا تو کہیں اِنَّکَ لعلیٰ خلقٍ عظیم(۱۰)، کا نزول ہوا اور اس علم کی وضاحت میں کہیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے بُعِثْتُ لاُتَمِّمَ مکارمَ الاَخلاق(۱۱) فرمایا تو کہیں آپؐ صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سامنے آیا: "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم بارزًا یوما للناسِ فأتاہ رجل فقال ماالایمان قال الایمان أن تؤمنَ باللہ و ملٰئکتہٖ و بلقآئہٖ و رسلہٖ وتؤمن بالبعثِ۔ قال ماالاسلام، قالَ الاسلامُ أَ نْ تعبدَ اللہَ ولا تشرک بہٖ وتقیم الصلوٰۃ و تؤدّی الزکوٰۃالمفروضۃ وتصوم رمضان، قالَ ماالاحسانُ، قالَ أَنْ تعبدَ اللہ کأنکَ تراہ فاِنْ لّم تکن تراہ فانہ یراکَ، قال متی الساعۃ قال المسؤل بأعلم من السائلِ وسأخبرک عن أشراطھا اذا ولدت الامۃُ ربھا واذا تطاول رعاۃ الابل البھم فی البنیانِ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم تلا النبیُّ صلّی اللہ علیہ وسلّم اِ نّ اللہ عندہ علم السّاعۃِ الآیہ ثمّ ادبر فقال ردوہ فلم یروا شیأاً فقال ھذا جبریلُ جآءَ یعلم النّاس دینھم" '(۱۲) ترجمہ:"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی صلّی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا ایمان کیا ہے؟(آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے (آخرت میں) ملنے، رسولوں اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ، اس نے دریافت کیا کہ اسلام کیا ہے؟(آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا تم اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ قیامت کب قائم ہو گی؟ فرمایا جس سے یہ پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، لیکن ، میں تمہیں اس کی علامات بتاتا ہوں جب لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی، جب چرواہے عالیشان عمارتوں میں رہیں گے۔(قیامت کا علم) ان پانچ باتوں سے ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان اللہ عندہ علم السّاعۃ(بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے" (۱۳) "پھر جب وہ چلا گیا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے واپس بلاؤ لیکن وہاں کوئی نہ تھا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السّلام تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔"

یہ وہ حدیثِ قدسی ہے جسے ابو یحیٰ زکریا انصاری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوّف کی اصل قرار دیا ہے جس میں شریعت کے تینوں بنیادی علوم (علومِ ثلاثہ) کا ذکر ہوا۔"ماالایمان" میں اصلاحِ عقد کا ذکر ہوا ہے (جس کی ذمہ داری علماءِ امّت کے اہلِ اصول نے اٹھائی) "ما الاسلام" میں اعمالِ ظاہرہ کی اصلاح کا مضمون آگیا (اس کا بار امّت کے فقہاء نے اپنے کندھوں پر اٹھایا) اور "ماالاحسان" میں اصلاحِ اخلاق کا تذکرہ کیا گیا (اس فن میں صوفیاء کفیل ہوئے اور لوگوں کی اصلاح کے لیے علمِ تصوّف کو مدوّن کیا)

اس حدیثِ جبرائیل علیہ السّلام سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان علومِ ثلاثہ کی دعوت و تبلیغ کی اور تینوں علوم کی کماحقہ تشریح اور اشاعت فرمائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ ان تینوں علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جامعیت میں کمی آتی گئی پھر علماءِ امت نے دین کی حفاظت اور خدمت کے لیے علیحدہ علیحدہ ان تینوں شعبوں کو مدوّن کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ امّت نے ایمان واسلام کی صحت کے لیے اخلاص کا ہونا لازمی قرار دیا اور اخلاص احسان کا مترادف لفظ ہے اور اخلاص کے بغیر ایمان واسلام کی حقیقت سے عاری صورت نظر آتی ہے۔ لہٰذا اخلاص واحسان ایسی

عظیم نعمت ہے کہ ان کے بغیر علوم واعمال کی حیثیت بے معنی ہو جاتی ہے۔

اسلامی روحانی مشن کے پلیٹ فارم سے حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مقصودالٰہی نقشبندی کے زیرِ سرپرستی معیاری اور دورِ جدید کے تقاضوں سے آراستہ نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ آج کے دور میں اسکول کالج کے مضامین اور مدارس و جامعات کے مضامین میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور یہ فرق آج سے ۱۷۰ سال پہلے ایک گورنر جنرل لارڈ میکالے نے پیدا کیا جو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان میں بطور وائسرائے تعینات تھا(۱۴)، اس کالازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسکول و کالج کے طلباء کی اسلامی تربیت اور علمی وروحانی تربیت نہ رہی تو دوسری طرف مدارسِ اسلامی کے طلباء کو جدید علوم وفنون اور سائنسی دنیا کی کرشماتی ترقی کی سمجھ نہ رہی۔

اسلامی روحانی مشن نے جس نظامِ تعلیم کی بنیادی رکھی ہے اس کے تحت جدید سائنسی علوم اور اسلامی معلومات اور روحانی واخلاقی تربیت کا حسین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ امت مسلمہ تاریخی غلطی اور سازش کو بھرپور انداز میں ناکام بناسکے، اسلامی روحانی مشن کا نظامِ تعلیم اپنی مثال آپ ہے، جہاں طلباء واساتذہ کے لیے دورِ جدید کے تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق پُرسکون اور وسیع ماحول فراہم کیا گیا اور اِس نظام میں مزید بہتری اور وسعت کے لیے کوشش جاری ہیں، اس نظامِ تعلیم میں انتہائی بنیادی کلاس یعنی کے پری پرائمری (جونئیر لیول) سے طالب علم کو داخلہ دیا جاتا ہے اور ماسٹر زلیول تک یونیورسٹی کی دینی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت سے آراستہ کیا جاتا ہے، اسی نظام میں طالبِ علم بنیادی مضامین کا علم تو حاصل کرتا ہی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ زبان پر عبور، کمپیوٹر میں مہارت، اسلامی اور دنیاوی تاریخ کا علم، اسکاؤٹنگ اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا کرنا وہ خصوصیات ہیں جو اس تعلیمی نظام کے طلباء کا اعزاز ہیں، اس تعلیمی نظام میں اسکولنگ سسٹم، قرآن نیٹ ورکس، کیڈٹ کالجز، میڈیکل کالجز، ٹیکنیکل کالجز اور لاء کالجز کے ساتھ ساتھ انجنیئرنگ، ٹیکنالوجی اور مینجمنٹ یونیورسٹیز شامل ہیں۔ المقصود ایجوکیشن سسٹم کے تحت چلنے والا ایک عالمی ادارہ المقصود ریسرچ سنٹر بھی قابل ذکر ہے جس کے تحت نہ صرف المقصود تعلیمی نظام میں پڑھائے جانے والے نصاب کی تیاری کی جاتی ہے بلکہ طلباء کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق تخریج (Referencing)، تصنیف (Writing) اور تحقیق (Research) کی بھی تربیت دی جاتی ہے، ریسرچ سینٹر کی بنیادی ذمہ داری امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل، دینِ اسلام پر لگنے والے بے بنیادی الزمات اور تربیتِ مطہرہ کا احسن انداز میں پیش کرنے پر تحقیق کرنا ہے۔

دنیا میں جب بھی کوئی معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس کی ساخت انتہائی کمزور ہوتی ہے، وہ کمزور معاشرہ اگر گزرتے وقت کے اعتبار سے سامنے آنے والی تمام ضروریات کو پورا کرنے اور تمام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہے تو ترقی پاتا رہتا ہے، کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی ضرورت تعلیم ہے، دنیا میں کسی بھی معاشرے کا مشاہدہ کر لیا جائے، جس معاشرے میں مضبوط تعلیمی نظام رائج ہے وہ معاشرہ دنیا میں نمایاں ہے، اس کے برعکس جس معاشرے میں تعلیمی نظام ناقص ہے وہ معاشرہ مسلسل

پستی کا شکار ہے، آج ہم خوش قسمتی سے ایسے معاشرے کا حصہ ہیں جس کی بنیاد خالصتاً اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے، جہاں ہم ایسا تعلیمی نظام رائج کر سکتے ہیں کہ دنیا کے مختلف معاشرے اس نظام کا حصہ بننے کی خواہش رکھنے لگیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اسلامی طریقۂ تعلیم رائج کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جس کے باعث ہمارے معاشرے میں تعلیم کا مسئلہ اتنی سنگین نوعیت اختیار کر چکا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ افراد کی شرح میں کمی آتی جا رہی ہے، ہمارے معاشرے میں تعلیمی معیار پرکھنے کا آلہ، قابلیت ہونے کے بجائے قوتِ حافظہ بن گیا ہے، تعلیمی معیار کی عمارت بے پناہ ناقص ہے اور اس میں کئی جھول نظر آتے ہیں، کوئی طالبِ علم دنیاوی تعلیم کے حصول میں کوشاں ہے تو کوئی دینی مدارس میں مگر ہزاروں میں چند ہی طالبِ علم اس نظامِ تعلیم کا حصہ بنتے ہوئے کسی منزل تک رسائی حاصل کر پاتے ہیں، ان حالات میں ایک ایسے ادارے کی اشد ضرورت تھی جہاں کا تعلیمی نظام طلباء کو قابل بنائے، انہیں دینی و دنیاوی دونوں شعبہ جات ہیں بیک وقت بہترین تعلیم میسر کرے اور طلباء کی تمام تر فنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائے تاکہ ایسے نوجوان تیار ہوں جو ملک و ملت اور امت اسلامیہ کے لئے نفع بخش ہوں چنانچہ حضرت علامہ مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مقصود الٰہی دامت برکاتہم العالیہ نے "المقصود یونیورسٹی آف اسپریچول اینڈ ماڈرن سائنسز" کی بنیاد رکھی ہے جس میں ماہر ترین منتظمین، ڈاکٹرز، فلاسفرز اور تعلیم دان حضرات کے ذریعے ایسا نظام مرتب کیا گیا ہے کہ ہر طالبعلم، دینی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنی دلچسپی اور قابلیت کے اعتبار سے کسی ایک شعبے میں جدید تعلیم بھی حاصل کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے المقصود یونیورسٹی آف اسپریچول اینڈ ماڈرن سائنسز میں دینی و دنیاوی تعلیمی شعبہ جات کو یکجا کر کے نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

شعبہ جات: المقصود یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام درجہ ذیل شعبے کام کر رہے ہیں۔

شعبہ ناظرہ و تجوید: اس شعبے میں طلباء کو قواعد و مخارج کے ساتھ ناظرہ قرآنِ پاک کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ علم التجوید کا باقاعدہ کورس کرایا جاتا ہے، اس شعبہ سے اب تک ہزاروں طلباء استفادہ کر چکے ہیں جبکہ سینکڑوں طلباء مستقل زیرِ تعلیم ہیں۔

شعبہ تحفیظ القرآن: اس شعبے میں طلباء قرآنِ کریم اپنے سینوں میں محفوظ کرتے ہیں اور اس کے زیرِ اہتمام اب تک سینکڑوں سینے قرآن پاک کے نور سے منور ہو کر ملک بھر میں یہ نور پھیلا رہے ہیں۔

شعبہ درس نظامی: اس شعبے کے زیرِ اہتمام درسِ نظامی کے تیار کردہ بہترین نصاب کی تعلیم دی جاتی ہے جس کی تکمیل کے بعد طلباء ترجمہ و تفسیرِ قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، میراث، فلسفہ اور منطق پر کمال کی دسترس حاصل کرتے ہیں۔

شعبہ علومِ عصریہ: اس شعبہ کے تحت مزید تین ذیلی شعبہ جات کا انعقاد کیا گیا ہے۔

1- عصری تعلیم برائے حفاظ: جو طلباء قرآن پاک، ناظرہ و حفظ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کے لیے جدید تقاضوں کے تحت بہترین بنیادی عصری تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، جس میں وہ انگریزی، عربی، اردو، ریاضی، جنرل سائنس، مطالعہ پاکستان اور کمپیوٹر کی تعلیم

پرائمری سے سیکنڈری سطح تک حاصل کرتے ہیں۔

ii-عصری تعلیم برائے طلباء درس نظامی: درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لیے یہ انتظام بھی کیا گیا ہے کہ وہ اپنی دلچسپی کے مطابق سائنس، آرٹس یا کامرس میں سے کسی بھی شعبے میں انٹر میڈیٹ لیول تک کی تعلیم بھی حاصل کریں۔

iii-اعلیٰ تعلیم برائے طلباء: المقصود یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے گریجویشن اور ماسٹرز سطح تک کی تعلیم حاصل کرنے کا انتظام بھی کیا گیا ہے جس کے لیے فی الوقت درج ذیل شعبہ جات کا آغاز کیا گیا ہے۔

۱-شعبہ کیمیا ۲-شعبہ تعلیم ۳-شعبہ اسلامی تعلیم ٤-شعبہ عربی ٥-شعبہ اردو ٦-شعبہ انتظام وسائنسیات

ریسرچ سینٹر: زندگی گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیائے کائنات اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے دنیا میں روزانہ کی بنیاد پر ہونے والے تغیر و تبدل کے باعث سامنے آنے والی پریشانیوں سے مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ تحقیق (Research) ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے، ان فی خلقِ السموات والارضِ واختلاف الیل والنہار لآیت لاولی الالباب، بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں (۱۵) اس حکمِ ربانی کے مطابق اگر انسان اپنی تحقیقی صلاحیت کو استعمال نہ کرتا تو آج بھی پتھروں سے آگ جلاتا اور غاروں میں رہائش پذیر ہوتا، لہٰذا زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ تحقیق کا کام اشد ضروری ہے، تحقیق (Research) ایک ایسا عمل ہے جس کی اہمیت کبھی نہیں گھٹتی بلکہ بڑھتی ہی ہے، اس کی ضرورت جتنی گزرے ہوئے کل مے ں تھی اس سے کئی زیادہ آج ہے، تحقیق کی بدولت ہی دنیا اپنے کئی پوشیدہ اور پنہاں راز آشکار کر چکی ہے جن کی افادیت یا مضمرات سے عقلِ انسانی ناواقف تھی، یہ تحقیق ہی ہے جس نے انسانوں کو غاروں سے نکال کر مکانات میں منتقل کر دیا، اندھیرے سے روشنی کا انتظام کر دیا، تھکا دینے والی تادیر محنت کے ایسے متبادل بتا دیے کہ جن کے ذریعے گھنٹوں کے کام لمحوں میں ہونے لگے، کئی انجان بیماریوں کے علاج دریافت کر کے زندگی کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، ہزارہا نفع بخش اور نقصان دہ اشیاء کی نشاندہی کر دی اور اس کے علاوہ بھی بے شمار فوائد کے حصول کا سہرا تحقیق کے سر ہے، اگر آج کے معاشرے کا مشاہدہ کیا جائے تو جس معاشرے نے تحقیقی عمل کو خاص اہمیت دی ہے وہ دنیا بھر کے تمام معاشروں میں نمایاں ہے، آسان الفاظ میں اسے ترقی یافتہ معاشرہ کہا جاتا ہے اس کے برعکس جن معاشروں میں تحقیقی عمل کا فقدان ہے وہاں زندگی تنگ اور مشکلات میں گھری نظر آتی ہے۔

وہ معاشرہ جہاں تحقیق کو اہمیت دی جاتی ہے ان معاشروں سے کئی سال آگے ہے جہاں یا تو تحقیق کا کام نہیں ہو رہا یا تحقیق کے نام پر فقط تالیف ہو رہی ہے، کسی بھی معاشرے کے لیے عصرِ حاضر میں وقت اور دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ موجودہ تمام تر شعبہ جات میں تحقیق کو انتہائی اہمیت دی جائے، دنیا میں سماجی، معاشی، اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، سیاسی، تدریسی، تنظیمی، تولیدی، تخریجی، تحریری، تفتیشی، تخریبی، تفریحی وغیرہ جیسے جتنے بھی عوامل ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی تحقیق سے نظر انداز کرنا اپنے ہاتھوں سے معاشرے کی نشو نما کا گلا گھوٹنے کے مترادف ہے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کیا

جائے کہ وہاں کا ہر فرد تحقیقی فکر کا حامل ہو جائے، اس فکر کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اسلامی روحانی مشن کے زیرِ اہتمام قائم شدہ جامعہ المقصود یونیورسٹی آف اسپریچول اینڈ ماڈرن سائنسز میں تحقیقی شعبے کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے تاکہ بیان کردہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے سعی کی جاسکے، اس تحقیقی شعبے (CentreResearch) کے سرپرستِ اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مقصود الٰہی عفی عنہ ہیں جنہوں نے مختلف مدارج میں معیاری تحقیق کے لیے عصرِ حاضر کے ماہر محققین، پی ایچ ڈی ڈاکٹرز، ریسرچ اسکالرز، مفتیانِ کرام، شیوخ الحدیث، انجینئرز، فلاسفرز، وکلاء، ماہرِ نفسیات و منطق کی ایک مشترکہ ٹیم تحقیق کے شعبے سے وابستہ فرمائی ہے، اس شعبے کے علاوہ شعبۂ تصنیف اور شعبۂ تراجم کا انعقاد بھی کیا گیا ہے، شعبۂ تصنیف کے تحت ریسرچ آرٹیکلز، پیپرز اور جرنلز کا اجراء کیا جائے گا جب کہ شعبۂ تراجم میں اردو سے انگریزی اور عربی، انگریزی سے اردو اور عربی، عربی سے انگریزی اور اردو میں مفید مواد کے تراجم کیے جائیں گے۔ تذکرہ کردہ تمام شعبہ جات میں کامیابی سے معیاری کام کا آغاز کرنے کے لیے ریسرچ لائبریری اور ریسرچ لیب کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے اس کے علاوہ ماہر ریسرچ سپروائزرز کے زیرِ نگرانی کئی ریسرچ اسکالرز تحقیقی کام کی شروعات بھی کر چکے ہیں الحمد للہ، یہ اسکالرز نہ صرف المقصود جامعہ کے ریسرچ سینٹر میں تحقیق کر رہے ہیں بلکہ مختلف ریسرچ سینٹرز اور یونیورسٹیز کے بوقت ضرورت دورے بھی کرتے ہیں۔

دار الافتاء: اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، انسان کی پیدائش سے لے کر زندگی کی سانسیں ختم ہونے تک کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس سے متعلق مذہبِ اسلام نے رہنمائی نہ کی ہو، انسان کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں مکمل کتاب نازل فرمائی اور اپنے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس کی ایسی وضاحت بھی فرما دی کہ جو بھی انسان ہدایت و رہنمائی حاصل کرنا چاہے وہ قرآن پڑھ لے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے "ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین"(١٦) اور قرآن کی تفہیم میں دشواری ہو تو حدیث نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم سے سہارا لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واطیعوالرسول"(١٧)، قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کے ضوابط و قوانین کی احسن تفہیم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی مکمل تعلیم حاصل نہ کی جائے، عصرِ حاضر میں زیادہ تر لوگوں نے قرآنی تعلیم کو صرف قرأت سیکھنے تک محدود کر دیا ہے کچھ ہی لوگ ہیں جو اس کی تفہیم کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں، ایسے میں اکثر لوگ مختلف مسائل میں الجھے ہوئے حل ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو کبھی فتویٰ لینے کے لیے کسی عالم دین یا مفتیانِ کرام کی مجلس کا پتہ پوچھتے نظر آتے ہیں اور کبھی اپنی فکر کے ترازو میں ناپ کر مسئلے کا خود حل نکال بیٹھتے ہیں جو شرعی تقاضوں کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، ان تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی روحانی مشن کے زیرِ اہتمام عالمی سطح پر "دار الافتاء المقصود" کا قیام عمل میں لاے اجاچکا ہے، عوام الناس کی سہولت کے لیے پورے ملک پاکستان مے ں سو(100) سے زے ادہ اور کچھ دیگر ممالک میں بھی دار الافتاء آفسز کھول دیے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس ادارے کا مرکزی آفس اسلامی روحانی مشن کا عالمی مرکز "المرکز مقصود العلوم" ہے، یہ ادارہ حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مقصود الٰہی مد ظلہ العالی کی زیرِ سر

پرستی عوام الناس کی خدمت پر معمور ہے، اس ادارے کے تمام ذیلی آفسز سوالات وصول کر کے باقاعدہ فتویٰ کوڈ نمبر جاری کرتے ہیں اور مرکزی آفس ارسال کر دیتے ہیں پھر مرکزی آفس میں موجود مفتیانِ کرام کی مجلس ہر سوال کا جواب باقاعدہ قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرما کر فتویٰ جاری کرتی ہے، جس پر دار الافتاء کی اور مفتیانِ کرام پر مشتمل مجلس کی مہریں سبط ہوتی ہیں، اس تمام عمل کے بعد جاری شدہ فتویٰ سائل تک پہنچ جاتا ہے، تمام جاری شدہ فتاویٰ دار الافتاء المقصود کے ویب پیج پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

فہمِ دین: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو احکامات فرض کیے ہیں ان کو سیکھنا ہر صورت میں اہلِ ایمان پر لازم ہے تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں، عصرِ حاضر میں مسلمان علومِ اسلامی سے کوسوں دور ہیں حتیٰ کہ زندگی کے آخری حصے میں پہنچ جاتے ہیں اور شریعت کے بنیادی فرائض سے لاعلم رہتے ہیں، امتِ مسلمہ کی اخروی کامیابی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا منفرد کورس بنام "فہمِ دین" اسلامی روحانی مشن کی جانب سے مرتب کیا گیا ہے جو عوام کے ہر طبقے کے لیے مؤثر اور مفید ہے، اس منفرد کورس میں قرآن و سنت کے ان علومِ فرضیہ کا علم سکھایا جاتا ہے جس کے بغیر ایک مسلمان کی زندگی ناگزیر اور نامکمل ہے "فہمِ دین" کورس میں طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تجوید، تفسیر، احادیث سنن و آداب اور فنِ تقریر کا علم سکھایا جاتا ہے تاکہ اللہ اور حضور نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کر کے امتِ مسلمہ فلاحِ دارین کو حاصل کر سکے۔

فاصلاتی تربیتی کورس: فاصلاتی تربیتی کورس ایک ایسا منفرد کورس ہے جس کے ذریعے گھر بیٹھے لوگ باآسانی قرآن و سنت کا علم حاصل کر سکتے ہیں، اس کورس کی خاصیت یہ ہے کہ ہر فرد کسی بھی جگہ اپنے گھر بیٹھے خود مطالعہ کر کے بآسانی فرائض، واجبات، سننِ مبارکہ، موت اور دیگر احکامِ الٰہی کا علم حاصل کر کے اپنی زندگی کو کامیاب و کامران بنا سکتا ہے، اس کورس میں جوان، بوڑھے، بچے، خواتین اور مصروف ترین لوگ باآسانی شمولیت اختیار کر سکتے ہیں، اس سلسلے میں اسلامی روحانی مشن کے سرپرستِ اعلیٰ قبلہ پیرِ طریقت ڈاکٹر پروفیسر محمد مقصود الٰہی المعروف محبوب سائیں مدظلہ العالی کی تصنیفِ لطیف "المقصود الدنیا والاخرۃ" بطور نصاب شامل ہے جس میں انتہائی عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے جس سے ہر عام فہم مسلمان استفادہ کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ایک تحریری سوالنامہ بھی فراہم کیا جاتا ہے کہ طلباء باآسانی موضوعات کا مطالعہ کر سکیں، فاصلاتی تربیتی کورسز کا اہتمام علاقائی تربیت گاہ میں کیا جاتا ہے اور وہاں ایک انسٹرکٹر کو بطور رہنما متعین کیا جاتا ہے، تاکہ دورانِ کورس پیش آنے والے مسائل کو حل کیا جا سکے اور کورس کے شرکاء اپنے تحریری مقالہ جات متعین استاد کو جمع کرا سکیں، جب کہ طلباء کی رہنمائی کے لیے ماہر علماء اور انسٹرکٹرز کو متعین کیا جاتا ہے تاکہ کورس کے شرکاء کو بہترین رہ نمائی فراہم کی جائے اور وہ احسن طریقے سے قرآن و سنت کا علم حاصل کر سکیں، المقصود ریسرچ سینٹرز کے تحت بہترین فاصلاتی تربیتی کورسز کی تیاری احسن طریقے سے کروائی جاتی ہے، فاصلاتی تربیتی کورس میں رہنمائی اور عملی تربیت کے لیے علاقائی جگہوں کو بطور تربیت گاہ استعمال کیا جاتا ہے اور انسٹرکٹر کے زیرِ نگرانی ماہانہ تربیتی کلاسز کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ طلباء کو بہترین رہنمائی فراہم کی جا سکے، اس کے علاوہ سالانہ عملی کلاسز کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے جس میں منتخب نصاب کے موضوعات پر گفتگو کرنا اور ابلاغِ دین

کا طریقہ کار سکھایا جاتا ہے، فاصلاتی تربیتی کورس کو 3 درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ۱۔اخی ۲۔محب ۳۔مخلص، ہر درجے کا دورانیہ ایک سال پر مشتمل ہے۔(۱۸) آپ کے مرتب کردہ درج بالا نظام سے عوام الناس میں سے کئی لوگ منسلک ہو کر نفعِ دارین حاصل کر رہے ہیں، آپ کے قائم کردہ اسکولوں سے سالانہ بنیادوں پر کئی سو بچے بہترین بنیاد کے ساتھ حفظِ قرآن اور میٹرک کر کے آگے بڑھ رہے ہیں، کئی علماء درسِ نظامی کی تعلیم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ماسٹر کی ڈگری حاصل کر کے دینِ متین کی خدمت کر رہے ہیں، بہت سے لوگ اپنے مسائل کا حل باآسانی پا رہے ہیں سب سے بڑھ کر ان تمام ذرائع کے باعث ہفتہ وار بنیادوں پر سینکڑوں لوگ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے دین کے غلام بن رہے ہیں، وہ لوگ جو شعور کھو بیٹھے تھے نئی زندگی پا رہے ہیں، تعلیم کی اہمیت اور افادیت عام ہو رہی ہے، یہاں تک کہ محبوب سائیں کے ان گنت منسلکین و متعلقین اور مریدین میں سے شاید ہی کوئی ہو جو اعلیٰ مدارج تک تعلیم حاصل کرنے کی جستجو نہ رکھتا ہو، آپ کی اسی تربیت کہ باعث آپ کی صحبت سے متعلقین کی نسل میں تمام اہلِ خانہ تعلیمی میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے اور قلبی وروحانی تربیت تو ان کے خون میں بچپن ہی سے شامل ہے، بالخصوص وہ طبقہ جو عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ دینِ مبین کا بنیادی علم بھی حاصل نہیں کر پایا تھا یا وہ لوگ جو دیگر مصروفیات یا معمولات کی وجہ سے بنیادی دینی علوم کے حصول پر توجہ نہیں دے پا رہے ان کے لیے فہمِ دین کورس، محبوب سائیں کی ایک بڑی کاوش ہو کیوں کہ یہ کورس پورے پاکستان کے کئی شہروں کے کئی علاقوں میں ہفتہ وار اتوار کے روز کرایا جاتا ہے، اس کورس کی برکت سے اب تک ان گنت لوگ دین کے فرائض کا علم اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بہ خوبی جان کر اپنی زندگی میں لاگو کر چکے ہیں، نیز اسی کورس کی تکمیل کے بعد کئی احباب دینِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں بھی سرگرم ہیں۔

آپ کی خدمات کا دائرہ صرف تعلیم و تربیت تک ہی نہیں بلکہ علاج و معالجہ بھی اس کا اہم حصہ ہے، آپ اتوار کے روز المرکز مقصود العلوم میں بعد نمازِ عصر تا رات تادیر عوام الناس کے علاج معالجے میں مصروف رہتے ہیں، ویسے تو آپ کے ہاتھوں سے اب تک ان گنت لوگ شفایاب ہو چکے ہیں لیکن ان میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ ایسے بھی ہیں جو محبوب سائیں کے پاس آئے تو علاج کی غرض سے تھے مگر شفا پانے کے بعد ان کی صحبت سے منتھی ہو کر نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن گئے۔علامہ نور علی نوری(۱۹) لکھتے ہیں، "حضور سوہنا سائیں نور اللہ مرقدہ کے پاس جب کوئی ایسا مریض آتا جسے روحانی علاج کی ضرورت ہوتی تو ارشاد فرماتے کہ جاؤ مقصود الٰہی کے پاس چلے جاؤ، آپ شاذونادر ہی کسی کو تعویز عنایت فرماتے، لیکن نگاہِ مرشدِ کریم سے میرے شیخ کریم حضرت قبلہ پروفیسر مقصود الٰہی کی پوری تبلیغ کا محور ہی علاج معالجہ بن گیا، جن کو شفاء یابی ہوتی وہ بمع اپنے اہل و عیال اور حلقۂ احباب حضرت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاتے، آپ صرف اپنے متعلقین مریدین کی ہی نہیں عامۃ الناس کی تکلیف پر بھی بے چین نظر آتے ہیں اور کوشش فرماتے ہیں کہ ان کی جسمانی تکلیفوں کا ازالہ کیا جائے، ہزاروں لاکھوں لوگوں کا آپ کے ہاتھوں سے شفایاب ہونا اس بات کی دلیل ہے"۔(۲۰) حضرت محبوب سائیں اپنی تمام تر خدمات اور فرید العصر شخصیت ہونے کے باوجود اتباعِ سنت میں ذرہ برابر بھی کوتاہی

نہیں برتتے، یہ اتباعِ سنت کا وصف حضرتِ اقدس کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہر مقام پر نمایاں نظر آتا ہے، نماز باجماعت بمع دستار، پیرانہ سالی کے باوجود قیام الیل، مصافحہ وسلام، عبادت، تسبیح، خشیت، تبلیغ، دعوت الی اللہ، تحریر، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، بولنا، کھانا، پینا، بیٹھنا، لیٹنا، صدقات، اخلاق، استقامت، حلال کا استعمال، حرام تو حرام مشکوک چیزوں سے بھی اجتناب، خدمتِ خلق، حقوق المسلم، حقوق الانسان، حقوق الوالدین والاقربائی، پڑوسیوں کی دیکھ بھال، ماتحتوں پر شفقت، بڑوں کی توقیر، لباس، توکل الغرض ہر چیز میں سنتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی اتباع نظر آتی ہے، کسی بھی لمحہ، کسی بھی حالت میں، کسی بھی مقام پر فقراء نے آپ کو اتباعِ سنت کے بر خلاف عمل کرتے نہیں دیکھا، جو کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ کے پیشِ نظر کامل و اکمل اعلیٰ ترین کرامت ہے۔(۲۱)

''ارشادِ ربانی ''انّ ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وأنا ربکم فاعبدون'' (۲۲)اور آیتِ پاک ''واعتصموا بحبلِ اللہ جمیعا وّلا تفرّقوا'' (۲۳)کی پیروی میں آپ نے اسلام کو اپنی ذات میں نافذ کرنے کے بعد عامۃ الناس کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا، الحمدللہ وہ انتہائی مؤثر ترین ہے، صرف اپنے ہی نہیں عام لوگ بھی اس بات کا خیال کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جو ہمیشہ حق کی تلقین فرماتے ہیں، بِلا تفریقِ رنگ و نسل، قوم، علاقہ، ذات پات آپ نے ہر طبقۂ حیات و فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی دادرسی و رہنمائی فرمائی، ہر طبقے کے علماء کرام کے گروہ در گروہ آپ کی صحبتِ مبارکہ میں داخل ہوئے اور ان کی تائید بھی حاصل رہی، آپ کی گفتگو کا انداز اتنا دل کش، مدلل اور مسحور کن ہوتا ہے کہ قبول کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، آپ نے ہر طبقے کے علماء کو بے حد عزت سے نوازا، انہیں ان کے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے عزت و شرف سے ممتاز فرمادیا۔

حضرت محبوب سائیں نے اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے ۱۹۹۷ء میں باقاعدہ ایک غیر سیاسی، اصلاحی و روحانی تحریک کی بنیاد رکھی جس کا نام احباب و اقرباء کے مشورے سے "عالمی روحانی تحریک" تجویز کیا گیا لیکن بعض گم راہ و بد عقیدہ افراد نے جب اسی نام سے اپنی جماعت کا تعارف کروایا تو ایک بار پھر باہمی مشاورت سے اس تحریک کا نام "اسلامی روحانی مشن" رکھا گیا جس کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

☆اسلامی روحانی مشن ایک غیر سیاسی دینی و فلاحی تنظیم ہے، اشاعتِ دین و احیاءِ سنت اور روحانیت کے فہم و ادار کے لیے سازگار ماحول فراہم کرنا تاکہ دل کی اصلاح اور اعمالِ صالحہ ایک مسلمان کی پہچان بنیں، ایسے مدارس کا قیام جہاں طلباء و طالبات کو دینی و عصری علوم سے آراستہ کیا جاسکے، افراط و تفریط کے ماحول کو ختم کرکے اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینا، جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام الناس کو اسلامی فکر سے آگاہی فراہم کرما، علماء کرام، مشائخِ عظّام اور عام لوگوں کے درمیان رابطہ قائم کرنا، مسلمانوں اور غیر مسلموں تک اسلامی دعوت پہچانا، اسلامی رائے عامہ کے فروغ کے لیے اصلاحی اجتماعات کا انعقاد کرنا، بے روزگاری، معاشرتی بدحالی کے خاتمے کے لیے عملی کوششیں کرنا۔

اسلامی روحانی مشن کا تعارف: اسلامی روحانی مشن پاکستان اے ک اے سی جماعت ہے جس کا مقصد معاشرے کے ظاہری و باطنی

امراض کو دور کرنا ہے، آج معاشرہ توڑ پھوڑ کا شکار ہے، اللہ کی مخلوق شے طان کے پھےلائے ہوئے جال مے ں پھنس کر گناہ کی دلدل مے ں دھنس رہی ہے لے کن توفے قِ الٰہی اور فے ضِ نبیِ اکرم صلی اللہ علے ہ وسلم کے صدقے امتِ مسلمہ ہی میں سے اے ک مردِ قلندر نے اس درد کو محسوس کے ا جنہوں نے اصلاحِ معاشرہ کا بے ڑہ اٹھاے ا ہے، وہ مردِ قلندر پیرِ طرے قت، رہبرِ شرے عت حضرت علامہ مولانا پروفے سر محمد مقصود الٰہی صاحب نقشبندی ہیں جو اپنے سے نے مے ں سلسلۂ نقشبندے ہ کا فے ض رکھتے ہے ں۔ آپ کی جماعت کا مقصد نہ تو ووٹ کا حصول ہے نہ ہی نوٹ کی طلب بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبتِ رسول صلی اللہ علے ہ وسلم کے مقاصد پے شِ نظر ہے ں۔ آپ کی جماعت کا مقصد معاشرے سے رشوت، بد عنوانی، فرقہ وارے ت، فروعی اختلات، صوبائی و لسانی تعصبات، بے دے نی کی لعنت اور بے روزگاری و جہالت کا خاتمہ ہے۔ اے ک صحت مند معاشرے کی تشکے ل کے لے اے سے افراد کی تے اری ہے جو دے ن کا فہم رکھنے والے ہوں اور جدے د علوم و فنون مے ں مہارت بھی رکھتے ہوں تاکہ سازشوں کا منہ توڑ جواب دے کر اللہ تعالیٰ کے دے ن کو پوری دنے ا مے ں نافذ کے ا جاسکے۔ اسلامی روحانی مشن صوبائی سطح پر دو بڑے عوامی اصلاحی تبلے غی اجتماعات منعقد کرتی ہے، جس مے ں تشنگانِ روحانے ت سے رابی کے لیے آتے ہے ں، سے نکڑوں پرو گرام اندرونِ پاکستان اور بیرونِ پاکستان منعقد ہوتے ہے ں جس مے ں مسلمان ذہنی سکون اور روحانی اطمے نان حاصل کرتے ہے ں جب کہ غے ر مسلم دستِ حق پر بے عت کر کے دائرہ اسلام مے ں داخل ہورہے ہے ں، سے نکڑوں کتابے ں جو اسلامی روحانی مرکز سے شائع ہورہی ہے ں جو منافع کے بجائے تعمے رِ انسانے ت اور اتحادِ امت کے جذبے کے تحت جاری کی جاتی ہے ں، پاکستان بھر مے ں اور پاکستان سے باہر روحانی وفود کو بھے جنے کا سلسلہ جاری ہے، ے ہ وفود ملکِ پاکستان اور اس کے اطراف و اکناف مے ں "دعوت الی اللہ" کے پے غام کو بڑے جوش و جذبے کے ساتھ آگے پہنچا رہے ہے ں، اسلامی روحانی مشن کے تحت المقصود اے جوکے شن سسٹم قائم کے ا گے ا ہے جس کی برانچز پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک مے ں بھی ہے ں، ے ہ اسکول طلباء اور طالبات کو جدے د علوم کے ساتھ علمِ دے ن کے زے ور سے بھی آراستہ کررہے ہے ں، بہت سے اسلامی اسکول افرے قہ کے مختلف ممالک مے ں بھی قائم کئے گئے ہے ں جو وہاں کے شہری اور دے ہی علاقوں مے ں اسلام کی شمع روشن کررہے ہے ں۔ اسلامی روحانی مشن کے نظریات کو موجود دور مے ں حقے قی سنجے دگی کے ساتھ فروغ دے نے کی اشد ترے ن ضرورت ہے۔(۲٤)

تبلیغی خدمات اور سفر: "اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا! "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اُولئک ھم المفلحون"(۲٥)(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں) ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے، "اُدعُ الی سبیلِ ربک بالحکمۃ والموعظۃِ الحسنۃ" (۲٦)(لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راست کی طرف بلاؤ)۔"

"خداوند تعالیٰ کے درج بالا احکامات کی اتباع، نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پرچار اور شیخِ کامل حضور سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ

کی تربیت نے آپ کے دل میں تبلیغِ دین کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا ہے، یہی جذبہ کبھی آپ کو تھر (اندرونِ سندھ) کے ریگزاروں میں لے جاتا ہے اور کبھی جون کی چلچلاتی دھوپ میں پنجاب و سرحد کے دیہاتوں میں، کبھی آپ فیضِ نقشبند سے باشندگانِ ہندوستان کو مستفیض فرماتے ہیں تو کبھی افریقہ کے تشنگانِ حق کو فیضِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم سے سیراب کرتے ہیں، غرض یہ کہ آپ کے شب وروز تبلیغِ دین اور خدمتِ خلق میں بسر ہوتے ہیں، ہر سال سردی اور گرمی کی چھٹیوں میں محبوب سائیں اندرونِ پاکستان (کراچی سے کشمیر تک) اور بیرونِ پاکستان (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) تبلیغی دورے کرتے ہیں، اس کے علاوہ جمعۃ المبارک اور اتوار کے روز مستقل بنیادوں پر "المرکز مقصود العلوم" کراچی میں منعقد ہونے والی ذکر کی محافل میں بلاناغہ شرکت فرماتے ہیں اور اپنے بیانِ دل نواز سے طالبانِ حق اور فقراء کی اصلاح فرمانے کے ساتھ ساتھ نئے آنے والے افراد کو ذکرِ قلبی کی اجازت بھی مرحمت فرماتے ہیں، اتوار مردوں کے لیے اور جمعۃ المبارک کا دن مردوں اور عورتوں کے لیے (خواتین کے لیے پردے کا خاص انتظام کیا جاتا ہے) مخصوص کیا گیا ہے جس میں حضرت صاحب درس دینے کے علاوہ لوگوں کے ہر قسم کے جسمانی اور روحانی امراض کا علاج فی سبیل اللہ مفت کرتے ہیں، حضرت صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والے اور ذکرِ قلبی کی اجازت لینے والے افراد کی تعداد بحمد اللہ تین سو سے زیادہ ہوتی ہے، محبوب سائیں ہر سال تشنگانِ حق اور تشنگانِ دیدار کو فیض یاب کرنے کے لیے افریقی ممالک میں تشریف لے جاتے ہیں جہاں لوگ پورے سال آپ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار کرتے ہیں، تاحال آپ موزمبیق، ملاوہ، سوئزلینڈ، بوسٹوانہ، ساؤتھ افریقہ، لوسوتو، دبئی، شارجہ، انڈیا، افغانستان، سعودیہ عرب، اور یورپ کے کئی ممالک کے متعدد تبلیغی دورے فرما چکے ہیں، آپ کی تبلیغی کاوشوں کے نتیجے میں الحمدللہ اب تک کئی صد سے زائد افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر حلقہ بگوشِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہو چکے ہیں اور شریعت و سنت کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، کتنے ہی افراد ایسے ہیں جو آپ کے پاس ظاہری امراض سے چھٹکارا پانے کے لیے آئے لیکن آپ نے ظاہری امراض کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی امراض کا بھی علاج فرمادیا، ہزاروں لوگ آپ کی دم کی ہوئی الائچی استعمال کر کے نشے کی لعنت سے نجات پا چکے ہیں، ہزاروں مائیں بہنیں باپردہ و باحیاء بن چکی ہیں۔(۲۷) المختصر یہ کہ معاشرے کے عناصر میں تعلیم کا میدان ہو یا کارآمد ہنر، علاجِ روحانی ہو یا باطنی، معاملات آداب، اخلاق، اخلاص، حقوق، فرائض یا کسی سے متعلق کیوں نہ ہو آپ نے کسی کو نظر انداز نہیں کیا اور ایک اچھے، صاف ستھرے، ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ اور شریعت کی عکاسی کرنے والا معاشرہ آپ کا خواب ہے جو شب و روز تعبیر کی منزل کی طرف گامزن ہے۔"

حواشی و حوالہ جات

(۱) نقشبندی، حضرت علامہ مولانا محمد ندیم صاحب، مکتوباتِ مقصودیہ ص ۲۷، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، ۱۹۹٦ئ)

(۲) محبوب سائیں، محبوب الٰہی، سائیں جی پروفیسر ڈاکٹر مقصود الٰہی صاحب کے وہ القابات ہیں جن سے ان کے مریدین و متعلقین پکارتے اور جانتے ہیں۔

(۳) نقشبندی، حضرت علامہ مولانا محمد ندیم صاحب، مکتوباتِ مقصودیہ ص ۲۷، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، ۱۹۹٦ئ)

(٤) المقصود اصلاحی مجلّہ، ص ٢، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، اکتوبر ٢٠١١ئ)
(٥) نقشبندی، حکیم بن حکیم مولانا محمد مقصود الٰہی، مقصود الدنیاوالآخرۃ، ج اول، ص ٥، ٤، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، کراچی، ت۔ن
(٦) ایضاً ص ٧
(٧) ایضاً ص ١٢
(٨) صدیقی، ڈاکٹر عمیر محمود، مردِ عارف، ص ٦٠، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، ت۔ن
(٩) القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ١٢٩
(١٠) القرآن، سورۃ القلم، آیت ٤
(١١) مسند احمد ج ٢، ص ٣٨
(١٢) صحیح البخاری، جلد اوّل، کتاب الایمان، باب ٣٧، ص ١١٤
(١٣) القرآن، سورۃ لقمان، آیت ٣٤
(١٤) الٰہی، انجینئر محمد محبوب، التربیۃ ج اول، ص ٧، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، ت۔ن
(١٥) القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ١٩٠
(١٦) القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ٢
(١٧) القرآن، سورۃ النسائ، آیت ٥٩
(١٨) مجلسِ اردات و مشاورت، ص ١٧ تا ٢٥، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی، ت۔ن
(١٩) علامہ نور علی نوری صاحب پہلے حضرت اللہ بخش المعروف سوہنا سائیں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، سوہنا سائیں کے وصال کے بعد آپ حضرت ڈاکٹر مقصود الٰہی سے بیعت ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ مقصودیہ میں خلافت پائی۔
(٢٠) مکتوب سوال و جواب، نوری علامہ مولانا نور علی، ص ٢٧، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، فیڈرل کیپٹل ایریا، لیاقت آباد ٤، کراچی
(٢١) احمد، محمد حسیب، اصلاحی مجلّہ المقصود، ص ٤٦، ٤٥، ناشر اسلامی روحانی مشن پاکستان، المرکز مقصود العلوم، کراچی، اکتوبر ٢٠١٤ئ
(٢٢) القرآن، سورۃ الانبیاء آیت ٩٢
(٢٣) القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ١٠٣
(٢٤) نقشبندی، حکیم بن حکیم مولانا محمد مقصود الٰہی، مقصود الدنیاوالآخرۃ، ج اول، ص ١٦، ١٥، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، کراچی
(٢٥) القرآن، سورۃ آل عمران آیت ١٠٤
(٢٦) القرآن، سورۃ النحل، آیت ١٢٥
(٢٧) نقشبندی، حکیم بن حکیم مولانا محمد مقصود الٰہی، مقصود الدنیاوالآخرۃ، ج اول، ص ١٣، ١٢، ناشر اسلامی روحانی مشن، المرکز مقصود العلوم، کراچی

EFFECT OF CAUSES OF RUKHSA IN RELAXATION OF SHARIA PROVISIONS

تخفیف احکام میں اسبابِ رخصت کا اثر

محمد قاسم صدیقی ریسرچ اسکالر، شعبہ اصول الدین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

محمد اسماعیل عارفی اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اصول الدین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT: *Allah almighty has made Islam a complete code of life. He sent His last message in the form of Islam and declared it a reward to human beings. The rulings of Islam are in accordance with the natural phenomenon and mental and physical level of human creatures. In time of urgent situations and indispensable circumstances specific relaxation in rulings is granted to the followers, which is called Rukhsa in Islamic Law. The rulings under this relaxation have an expansive perspective. In this article, the underlying causes of relaxation in sharia provisions have been elaborated. The basis of each cause of relaxation from Quran and Sunnah has been described. The Conditions, limits and restrictions, considered any cause to be a cause of relaxation, have been elucidated in rather detail.*

(Key words) *Rukhsa, Cause, Relaxation, Hurdles, Relaxation in Sharia.*

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر یہ فضل و کرم فرمایا کہ اس نے حرج کو احکام میں آسانی کا سبب قرار دیا تا کہ بندوں کے لیے کسی حال میں بھی شریعت پر عمل کرنا مشکل نہ ہو۔ چنانچہ پورے دینِ اسلام میں خواہ وہ عبادات کا شعبہ ہو یا معاملات کے مسائل، معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز ہوں یا حدود و تعزیرات کی عقوبات، غرضیکہ ہر شُعبہ زندگی سے متعلّق ایسی شرعی رخصتیں اور آسانیاں دی گئی ہیں جن کی وجہ سے دین پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے اِسی لئے اِس دین کو ''دینِ فطرت'' اور ''دینِ یُسر'' کہا جاتا ہے۔ البتہ چونکہ رخصت کے احکام محض تن آسانی کے لیے نہیں بلکہ ضرورت اور حرج پر مبنی ہیں لہذا اُمّت کے فقہاء نے احکامِ شرع سے متعلّق شرعی رخصتوں کے اصول و ضوابط اور ان کے اسباب بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ کن حالات میں رخصت پر عمل کرنا ضروری یا عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

شریعت میں تخفیف حکم کا بنیادی سبب تو حرج ہے لیکن حرج کے تعین کے لیے فقہاء نے کچھ اسباب بیان کیے ہیں اور ان اسباب کے تحقق کے لیے کچھ شرائط و ضوابط ذکر کیے ہیں۔ اس مضمون میں ہم ان اسباب کا جائزہ پیش کریں گے جن کی بنیاد پر شریعت نے احکام میں تخفیف اور رخصت دی ہے۔ نیز کسی سبب کے سببِ رخصت ہونے کے لیے فقہاء نے جو شرائط و ضوابط بیان کیے ہیں ان کو بھی ذکر کریں گے تا کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں ان شرائط و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی سببِ رخصت کے تحقق کا علم ہو سکے اور اس کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں رخصت کے حکم کا تعین کیا جا سکے۔ وہ مشہور اسباب جن کو فقہاء کرام نے تخفیفِ حکم کا سبب قرار دیا ہے، یہ ہیں: ضرورت، حاجت، مشقت، سفر، اکراہ، مرض، خطاء، جہل اور عموم بلوی۔

ضرورت و حاجت تخفیف حکم کے دو مشہور اسباب ضرورت و حاجت ہیں جن کی بنیاد پر شریعت نے احکام میں بہت سے رخصتیں اور

آسانیاں دی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کئی مقامات پر ضرورت اور حاجت کو رخصت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جس کو قرآن کی اصطلاح میں اضطرار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔[1] "اس نے تو تمہارے لئے مردار جانور، خون اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ھو، ھاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔[2] "اور تمہارے لیے کون سی رکاوٹ ہے جس کی بنا پر تم اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اس نے تمہارے لیے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے)۔"

اسی طرح حدیث میں حضرت ابوواقد لیثی فرماتے ہیں: قلت: يارسول الله! انا بارض تصيبنا مخمصة، فما يحل لنا من الميتة ؟ فقال: إذا لم تصطبحوا ولم تغتبقوا ولم تحتفئوا بقلا، فشأنكم بها۔[3] "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ ایسے علاقے میں رہتے ہیں کہ جہاں ہم مخمصہ یعنی سخت بھوک کا شکار ہیں تو کیا ہمارے لیے مردار کھانا حلال ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہیں نہ صبح کا کچھ کھانا ملے، نہ ہی شام کا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی کھانے کی چیز ملے تو تمہارا یہی حال ہے، یعنی تمہارے لیے مردار کھانا حلال ہے۔"

ضرورت کی تعریف

فقہاء کرام نے ضرورت کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں۔ فقہاء کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جامع تعریف وہ ہے جو ڈاکٹر جمیل مبارک نے اپنی کتاب نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ میں کی ہے: الضرورة هي ان يبلغ الانسان حدا يخاف فيه الهلاك او ضررا شديدا على الضروريات الخمس، يقينا او ظنا راجحا، ان لم يرتكب المحظور شرعا ليدفع هذا الهلاك او الضرر الشديد عن نفسه۔[4] "ضرورت یہ ہے کہ انسان اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کو جان جانے کا خوف ہو یا ضروریات خمسہ (دین، جان، مال، عزت اور عقل) کے بارے میں شدید نقصان کا یقین یا ظن غالب ہو اگر وہ اس ممنوع فعل کا ارتکاب نہ کرے، تاکہ وہ اس ہلاکت کے خوف اور نقصان کو اپنی ذات سے دور کر سکے۔"

اس تعریف میں ضرورت کی تمام اقسام کو ضرورت میں شامل کیا گیا ہے، اسی لیے یہ معنی کے اعتبار سے سب سے جامع تعریف ہے۔

حاجت کی تعریف

شیخ ابو زہرہ نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں حاجت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: هو الذی لا یکون الحکم الشرعی فیه لحمایة اصل من اصول الخمسة، بل سیقصد دفع المشقة او الحرج او الاحتیاط لهذه الامورالخمسة۔[5] "حاجت وہ ہے کہ جس میں دیا گیا حکم براہ راست ضروریات خمسہ (دین، جان، مال، عزت اور عقل) کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقصد ان ضروریات خمسہ کے تحفظ کے حصول میں حائل مشقتوں کو دور کرنا یا ان ضروریات خمسہ کے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہے۔"

یہ تعریف حاجت کی انفرادی حیثیت میں ہے، لیکن اگر اسی درجہ کا حرج اجتماعی طور پر پیدا ہو جائے تو ضرورت کے درجہ میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: الحاجة اذا عمت کانت کالضرورة۔[6] چنانچہ ضمان درک، بدل خلو، بیع بالوفاء، خیار نقد ثمن، خیار غبن فاحش، اجرت سمسار اور اجرت حمام وغیرہ اسی اجتماعی حرج کے قبیل کے احکام ہیں۔

ضرورت و حاجت میں فرق

ضرورت و حاجت کی تعریفات سے ان میں یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ جن احکام کے ذریعہ نظام زندگی مفلوج ہو سکتا ہو وہ ضرورت کے درجہ میں ہیں اور جو مشقت کے ازالہ یا احتیاطی پیش بندی کے طور دیے گئے ہوں وہ حاجت کے درجہ میں ہیں۔ چونکہ ضرورت و حاجت دونوں ہی کا تعلق مشقت سے ہے اور مشقت ایک خارجی چیز ہے جو کہ جگہ، افراد اور زمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جس پر ایک ہی قانون کا لگانا ممکن نہیں۔ اس لئے ہر موقع اور محل کی مناسبت سے اسکا فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا یہ امر ضرورت میں داخل ہے یا حاجت میں۔ علامہ شاطبیؒ نے اس بات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے: والمشاق تختلف بالقوة والضعف وبحسب الأحوال وبحسب قوة العزائم وضعفها وبحسب الأزمان وبحسب الأعمال۔[7] "قوت و ضعف، حالات، ارادے کی پختگی و کمزوری، زمانہ اور اعمال کے اعتبار سے مشقتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔"

ضرورت و حاجت کے سببِ رخصت ہونے کی شرائط

ضرورت و حاجت کے اعتبار میں فقہاء کرام نے اس کے حدود اور ضوابط بھی طے کر دیے ہیں تاکہ جہاں ایک طرف انسان کی جائز اور واجب ضروریات کا خیال کرتے ہوئے اسے رخصت اور سہولت دی جائے تو دوسری طرف ضرورت و حاجت کا یہ عنوان ایسی اباحت کا دروازہ نہ کھول دے جو شریعت کی قائم کردہ حدود اربعہ کو ہی توڑ دے۔ علماء اصول کے مطابق وہ شرائط و قیود درج ذیل ہیں:

۱۔ ضرورت بالفعل حقیقتاً موجود ہو، محض اس کا وہم نہ ہو۔ جس طرح کہ فقہاء کا قول ہے: الرخصة لا تناط بالشک۔[8] "رخصت شک کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوتی۔"

۲۔ ضرورت پر عمل کرنے سے اس سے بڑے درجے کا ضرر لاحق نہ ہو۔ یعنی کسی بھی ضرر کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس پر عمل

کی صورت میں اس سے بڑے ضرر کو اختیار نہ کرنا پڑے۔اس لئے کہ اس سے جلب مفاسد لازم آتا ہے اور شریعت اسلامیہ جلب مفاسد کی اجازت نہیں دیتی۔اس بارے میں ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا اجتمع للمضطر محرمان كل منهما لا يباح بدون الضرورة وجب تقديم أخفهما مفسدة وأقلهما ضررا۔[9] "جب مضطر کے لیے دو قسم کے حرام جمع ہو جائیں اور ان میں سے کوئی بھی ضرورت کے بغیر مباح نہیں ہوتا تو ادنی قسم کے فساد یا حرام کے ارتکاب کو چھوڑ کر بڑے ضرر یا فساد کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

۳۔ضرورت بقدر ضرورت متحقق ہو گی۔یعنی ضرورت پر عمل اسی صورت میں کیا جائے گا کہ وہ ضرورت کے بقدر ہی ہو و گرنہ یہ حد سے تجاوز کے مترادف ہو گا جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد پاک ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَاعَادٍفَلَاإِثْمَ عَلَيْهِ إِنّ اللهَ غَفُور رَحِيم۔[10] "پس جو شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو جبکہ اسکا مقصد لذت حاصل کرنا نہیں ہو اور نہ ہی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، پس اللہ تعالی بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

مطلب یہ کہ ممنوع شرعی کا اس قدر ارتکاب کہ جو ضرورت کو زائل کرنے کی مقدار سے تجاوز کر جائے، یہ سرکشی ہے جو کہ حرام ہے۔ مفسرین اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں: الباغي آكل الميتة فوق الحاجة، والعادي آكلها مع وجود غيرها۔[11] "باغی وہ ہے جو مردار کو حاجت کی مقدار سے زیادہ کھاتا ہے اور عادی وہ ہے جو حلال کے موجود ہونے کے باوجود بھی اس حرام کو کھاتا ہے۔"

۴۔فعل ممنوع کے علاوہ ضرورت دور کرنے کا کوئی اور مباح وسیلہ نہ ہو۔چونکہ ممنوع شرعی کا ارتکاب ضرورت سے بچنے کا ایک وسیلہ ہے اس حیثیت سے مکلف کے پاس ضرورت سے بچنے کے لیے ارتکاب ممنوع کے علاوہ کوئی اور جائز راستہ نہ ہو۔اس کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب انہیں بواسیر کی شکایت ہوئی تو انہوں نے نماز سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: صل قائما فان لم تستطع فقاعدا ،فان لم تستطع فعلى جنب۔[12] "یعنی کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل ادا کرو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اگر نماز ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس سے پہلو کے بل ادا کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر قادر ہے کیونکہ پہلو کے بل ادا کرنا آخری درجہ ہے، لہذا جب تک انتہائی صورت سے پہلے کوئی صورت ممکن ہو گی تو اس کی اجازت نہ ہو گی۔ لہذا اگر ضرورت سے بچنے کا کوئی مباح راستہ موجود ہو تو حرام کے ارتکاب کی اجازت نہ ہو گی۔

مشقت

اسباب رخصت میں سے ایک اہم سبب مشقت ہے۔ شیخ عبدالکریم زیدان نے مشقت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ان الاحكام التى ينشا عن تطبيقها حرج على المكلف ومشقة فى نفسه او ماله، فالشريعة تخففها بمعنى ان الصعوبة تصير سببا للتسهيل بما يقع تحت قدرة المكلف دون عسر او احراج۔[13] "وہ احکام جن پر عمل کرنے سے مکلف بندے پر مشقت اور حرج واقع ہو، چاہے اس کی جان میں یا مال

میں، شریعت ایسے احکام کو آسان کر دیتی ہے، اس طور پر کہ وہ مشقت بندے کے لیے احکام میں آسانی کا سبب بن جاتی ہے۔"

مشقت اور تکلیف کے معنی میں یہ لفظ حدیث شریف میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل وضوء-[14] "اگر مجھے ان لوگوں پر مشقت اور تکلیف کا خوف نہ ہوتا تو میں مسواک کو ہر وضو کے لیے لازم کر دیتا۔" علامہ ابن اثیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: أي لولا أن أثقِّل عليهم، من المشَقَّة وهي الشِّدّة-[15] فقہاء کرام نے مشقت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں: ۱۔ معتاد ۲۔ غیر معتاد۔ تخفیف احکام میں مشقت غیر معتاد مؤثر ہے، لیکن مشقت معتاد کا تخفیف احکام میں کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مشقت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ مشقت جو عموماً ہر عبادت میں پائی جاتی ہے، (اسے مشقت معتاد کہتے ہیں) جیسے وضو اور غسل کرنے میں ٹھنڈ لگنا، یا جیسے گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنا، یا جیسے حج اور جہاد جیسے مشکل سفر میں مشقت کا ہونا، حد یا سنگساری کی تکلیف، قاتل کو قصاصاً قتل کرتے وقت کی تکلیف، یا جیسے باغیوں کو قتل کرنے کی تکلیف، مذکورہ تمام قسم کی مشقتوں کا عبادت کو ساقط کرنے میں کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری وہ مشقت جو بڑی اور سخت ہے، جیسے جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف، ایسی مشقت عبادات میں تخفیف اور آسانی کا سبب بنتی ہے (اسے مشقت غیر معتاد کہتے ہیں)۔"[16]

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے مشقت کے حوالے سے کافی تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: احکام شرعیہ میں کچھ مشقتیں تو لازماً موجود ہوتی ہیں، اس لئے کہ تھوڑی بہت مشقت تو ہر کام میں ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا، اسکے مقابلے کی مشقت کے تین درجات ہیں ایک تو وہ جس میں انتہائی شدید مشقت ہو اسکا تو سب ہی نے اعتبار کیا ہے، اسکے بعد وہ جسمیں درمیانے درجہ کی مشقت ہو اس میں فیصلہ ایک مشکل امر ہوتا ہے اسی لئے فقہاء کا ایسے مسائل میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔"[17]

سفر

اسباب رخصت میں سے ایک سبب رخصت ہے جس کی بنیاد پر احکام میں تخفیف رکھی گئی ہے۔ سفر کے سبب رخصت ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ-[18] "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔" دوسری جگہ فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا-[19] "اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کرکے آئے یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔" اسی طرح حدیث مبارکہ میں آتا ہے: عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهم، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فرأى زحاما ورجلا قد ظلل عليه، فقال: «ما هذا؟»، فقالوا:

صائم، فقال: «ليس من البر الصوم في السفر».[20] ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، تو آپ نے ایک جگہ لوگوں کا رش دیکھا اور ایک آدمی کو دیکھا کہ لوگوں نے اس پر سایا کیا ہوا ہے، تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ روزہ دار ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔''

رفع الحرج فی التشریع الاسلامی میں سفر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: السفر هو قطع مسافة تجيز الاخذ باحكام الرخص فى التكاليف الشرعية ورفع الحرج عن المكلفين۔[21] ''سفر اتنی مسافت کا طے کرنا جس سے شرعی احکام میں رخصت کی اجازت کا جواز ثابت ہو جائے اور مکلف بندوں سے تکلیف دور ہو جائے۔''

سفر شرعی کی مقدار

مسافت سفر کی تعیین میں علماء کرام کے بہت سے اقوال ہیں، بعض نے ۱۲۰ اقوال تک نقل فرمائے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسافت سفر کی کوئی تعیین نہیں بتائی گئی اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مقادیر پر قصر کرنے کی وجہ سے یہ اختلاف زیادہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام اور تابعین میں بھی یہ اختلاف برقرار رہا۔ احناف کے نزدیک وہ سفر جس سے احکام شرعیہ میں تغیر آتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متوسط رفتار سے تین دن اور تین رات پیدل جتنی مسافت طے کر سکے وہ مسافت سفر ہے۔[22]

احناف نے تین دن کے قول میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عن علی قال جعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم.[23] ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (موزوں پر مسح کرنے کی مدت) مسافر کے لیے تین دن اور تین رات جبکہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی۔''

اس حدیث میں مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن بیان کی گئی ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سفر شرعی کی مدت بھی تین دن ہو کیونکہ مسافر کا لفظ عام ہے اور یہ حدیث ہر مسافر کو شامل ہے، اگر سفر شرعی اس سے کم مدت کا ہوتا تو تین دن سے کم مدت والے مسافر تین دن تک مسح نہ کرنے کے اہل نہ ہوتے اور یہ حدیث میں موجود لفظ مسافر کے عموم کے خلاف ہے، لہذا ضروری ہوا کہ مسافر کے سفر کی مدت تین دن سے کم نہ ہو۔ پھر موجودہ زمانے میں اسکا انداز مفتیٰ بہ قول کے مطابق اڑتالیس میل شرعی ہے، جو کہ 77،8 کلو میٹر بنتا ہے۔

اکراہ

تخفیف احکام کے اسباب میں سے ایک سبب اکراہ ہے۔ علامہ فخر الاسلام بزدوی اکراہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الإكراه حمل الغير على أمر يمتنع عنه بتخويف بقدر الحامل على إيقاعه ويصير الغير خائفا به فأتت الرضاء بالمباشرة۔[24]

"اکراہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو زبردستی خوف دلا کر اس کی رضامندی کے بغیر کسی ایسے کام کے کرنے پر مجبور کرنا جسے وہ نہ کرنا چاہتا ہو، اور مجبور کرنے والا تکلیف پہنچانے پر قادر بھی ہو۔"

فقہاء کرام نے اکراہ کی دو اقسام ذکر کی ہیں: ۱۔ اکراہ ملجی　　۲۔ اکراہ غیر ملجی

اکراہ ملجی یہ ہے کہ کسی کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دے کر کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور مجبور کرنے والا ایسا کرنے پر قادر بھی ہو تو اس کو اکراہ ملجی کہتے ہیں۔ جان کی دھمکی سے اکراہ کے تحقق پر تو اتفاق ہے البتہ مال کے ضائع کرنے سے اکراہ معتبر ہونے نہ ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر مال کی مقدار تھوڑی ہے تو اس کا اعتبار نہیں، البتہ اگر مال کی مقدار اتنی زیادہ ہے جو مکرہ کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث ہے تو اس صورت میں اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔[25]

اس لئے کہ انسان اپنے مال کا بھی اسی طرح دفاع کرتا ہے جس طرح اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے، اور کبھی کبھار تو انسان جان دے دیتا ہے لیکن مال خرچ نہیں کرتا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قتل دون ماله فهو شهيد۔[26] "جو آدمی اپنے مال کے دفاع میں مارا گیا وہ شہید ہے۔"

اکراہ غیر ملجی وہ ہے جس میں جان سے مارنے، کسی عضو کو ضائع کرنے یا مال کی بڑی مقدار ضائع کرنے کی دھمکی نہ دی گئی ہے بلکہ معمولی نوعیت کا جبر کیا جائے۔

مذکورہ بالا اکراہ کی دونوں اقسام کی تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سببِ رخصت اکراہ کی پہلی قسم ہے یعنی وہ اکراہ جس میں جان یا عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے یا اسی طرح مال کثیر کے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے، نیز دھمکی دینے والا شخص ایسا کرنے پر قادر بھی ہو اور جس کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ اس جبر کو دفع کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، معتبر ہے اور وہ تصرفات شرعیہ میں رخصت کا سبب بنے گا۔ اور اگر اکراہ میں معمولی مار پیٹ کی جائے یا ایک دو دن کی قید میں رکھنے کی دھمکی دی جائے تو ایسا اکراہ موجب رخصت نہیں ہو گا۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لو توعدوه بضرب سوط واحد او حبس يوم او قيد يوم،لايصير مكرها بهذا القدر من الحبس۔[27] "اگر مکرِہ نے کسی کو ایک کوڑا مارنے یا ایک دن قید کرنے کی دھمکی دی تو ایسا اکراہ معتبر نہ ہو گا۔"

تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر

اکراہ کی حالت میں مکرَہ کے کیے گئے تصرفات منعقد اور نافذ ہوں گے یا لغو؟ اس بارے میں علامہ سرخسی رحمہ فرماتے ہیں کہ مکرَہ کے بعض تصرفات تو منعقد ہوتے ہیں اور بعض لغو ہیں۔ اسکی دلیل یہ ضابطہ ہے کہ بعض احکام ہزل یعنی مذاق سے منعقد ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے۔ یعنی ہر وہ امر شرعی جو فسخ کا احتمال رکھتا ہے وہ ہزل کی حالت میں صحیح نہیں ہوتا اور وہ اکراہ کی صورت میں منعقد نہیں ہوتا،

چاہے اکراہ تام ہو یا ناقص۔ جیسے بیع اور اجارہ، یہ دونوں مکرہ کی حالت اکراہ تک موقوف رہیں گے، حالت اکراہ ختم ہونے کے بعد اگر مکرہ نے اس کو نافذ کرنے کی اجازت دی تو منعقد ہو جائیں گے ورنہ فسخ ہو جائیں گے۔ جبکہ وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے نکاح طلاق وغیرہ وہ اکراہ کے باوجود بھی منعقد اور نافذ ہو جاتے ہیں۔[28]

علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکراہ کی حالت میں بعض احکام جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ کا منعقد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض احکام میں رضا کا ہونا شرط ہے اور اکراہ کی صورت میں رضا نہیں پائی جاتی، جبکہ عتق اور طلاق کے منعقد ہونے کے لیے رضا ضروری نہیں بلکہ یہ ہزل یعنی مذاق میں بھی منعقد ہو جاتے ہیں لہذا عتق اور طلاق حالت اکراہ میں بھی منعقد ہو جاتے ہیں۔[29]

مرض

اسباب تخفیف میں سے ایک سبب مرض ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔[30] "پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزے کا فدیہ ادا کریں۔" دوسری جگہ فرمایا: لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ۔[31] "اندھے آدمی پر جہاد نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں ہے، نہ لنگڑے آدمی پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار آدمی پر کوئی گناہ ہے۔" ایک اور جگہ فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ۔[32] "کمزور لوگوں پر جہاد میں نہ جانے کا کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر۔"

رفع الحرج فی التشریع الاسلامی میں سفر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: المرض عرض یطرا علی بدن الانسان یزول بھا اعتدال طبیعتھ النفسیۃ والخلقیۃ ویودی الی اضعاف البدن عن القیام بالمطلوب منھ علی الوجھ المعتاد،فلا یستطیع اداء التکالیف او یودیھا مع تحمل مشقۃ زائدۃ قد تتضاعف۔[33] "مرض وہ حالت ہے جو انسانی طبیعت کو پیش آتی ہے جس کی وجہ سے انسانی بدن اپنے کاموں کو معمول کے مطابق ادا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، یا تو بالکل ادا ہی نہیں کر سکتا ہے یا بہت مشقت کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے۔"

مرض کا سبب رخصت ہونے کی شرائط

تفسیر قرطبیؒ میں علامہ قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ مرض کی صورت مختلف حالات میں اور مختلف عبادات سے اعتبار سے الگ الگ ہے، بسا اوقات مرض ایک عبادت کے لیے سبب رخصت ہوتا ہے لیکن دوسری عبادت کے لیے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے فمن کان منکم مریضا کے تحت لکھا ہے: "مریض کی دو حالتیں ہیں: ۱۔ وہ بالکل روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو ایسی حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا واجب ہے، ۲۔ مشقت اور تکلیف کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہو۔ ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں: انسان کی ہر وہ حالت جسے مرض کہا جا سکے وہ سبب رخصت ہے۔ وہ اس کو مسافر پر قیاس فرماتے ہیں کہ مسافر کے لیے نفس سفر سے ہی رخصت کا حکم جاری ہو جاتا ہے ایسے ہی مریض کے لیے نفس مرض ہی موجب رخصت

ہے۔ جمہور علماء کے ہاں وہ مرض رخصت کا سبب بنے گا جس میں مریض کو عزیمت پر عمل کرنے میں شدید تکلیف ہو یا اس کا مرض بڑھ جانے کا امکان ہو یا اس کی تندرست ہونے میں تاخیر کا سبب بنے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے احکام شرعیہ میں تخفیف اور آسانی پیدا ہو جائے گی۔"

دلائل شرع میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مطلقاً ہر مرض کو موجب رخصت قرار دینے سے رخصت کا دروازہ کھل جائے گا اور لوگ تکاسل کا شکار ہو کر ہر مسئلہ میں رخصت کو اختیار کرنے لگیں گے جو کہ مقاصد شرع کے خلاف ہے۔ لہذا جب تک دین دار، ماہر طبیب کسی بیمار کے لئے روزہ رکھنے کو نقصان دہ قرار نہ دے اس وقت تک ہر بیماری میں روزہ چھوڑنے کی رخصت نہیں دی جاسکتی۔

خطاء

اسباب رخصت میں سے ایک اور سبب خطاء ہے۔ خطاء کے سبب رخصت ہونے پر علماء اصول کا اتفاق ہے، اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: إن الله قد تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه-[34] "بے شک اللہ تعالی نے میری امت سے غلطی، بھولنے اور زبردستی کی صورت میں کیے جانے والے کاموں کو معاف کر دیا ہے۔"

اس حدیث میں صراحت ہے کہ میری امت سے خطاء اٹھالی گئی ہے، اب اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی خطاء کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خطاء کا ظہور تو ابن آدم سے ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی ہو گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت سے خطاء سے ہونے والے قول و فعل کا گناہ ہٹادیا گیا ہے۔ اور یہ امت محمدیہ کا اختصاص ہے۔

خطاء کی تعریف میں علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: الخطأ: أن يقصد بالفعل غير المحل الذي يقصد به الجناية-[35] "خطا یہ ہے کہ فعل سے مقصود اس محل کے علاوہ ہو جس محل میں جنایت مقصود ہوتی ہے۔"

شیخ محمد ابو زہرہ فرماتے ہیں: الخطاء وقوع الفعل او القول على خلاف ما یرید الفاعل او القائل-[36] "خطاء کسی فعل یا قول کا فاعل یا قائل کی مرضی کے خلاف واقع ہونا۔"

علماء اصول نے خطاء کی تین اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ خطاء فی القول والفعل ۲۔ خطاء فی القصد ۳۔ خطاء فی التقدیر

۱۔ خطاء فی القول والفعل

خطاء فی الفعل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی معین ہدف کو نشانہ بنا کر تیر پھینکے اور وہ تیر کسی انسان یا جانور کر لگ جائے اور وہ مر جائے، اور خطاء فی القول یہ ہے کہ کوئی آدمی کوئی لفظ بولنے کا ارادہ کرے اور زبان پھسل کر لفظ طلاق بول جائے۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ مالی تاوان تو

ساقط نہ ہوگا، لیکن عقوبت بدنیہ ساقط ہو جائے گی البتہ اس غلطی پر گناہ ہوگا۔

۲۔ خطاء فی القصد

خطاء فی القصد سے مراد نیت اور ارادہ کی غلطی ہے، جیسے کوئی آدمی کسی ہدف کو شکار سمجھ کر تیر مارے اور وہ ہدف کوئی جانور نہیں بلکہ انسان تھا۔ اب یہاں غلطی فعل میں نہیں ہوئی کیونکہ فعل تو اپنے ہدف میں واقع ہوا بلکہ غلطی تیر مارنے والے کی نیت اور ارادہ میں ہوئی کہ اس نے انسان کو غلطی سے جانور سمجھ کر مار دیا۔ اس قسم کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی قسم کا ہے کہ مالی تاوان معاف نہیں ہوگا البتہ عقوبت بدنیہ ساقط ہو جائے گی۔

۳۔ خطاء فی التقدیر

خطاء فی التقدیر کا مطلب ہے کہ اندازہ کرنے میں غلطی کرنا، مثلاً جیسے ڈاکٹر کا مریض کے مرض کی غلط تشخیص کر دینا یا غلط دواء تجویز کرنا۔ اس کا حکم ہے یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر ماہر فن ہو اور پھر بھی اس سے تشخیص مرض یا دوا میں غلطی ہو جائے اور مریض مر جائے تو ڈاکٹر پر تاوان نہیں ہوگا۔ اور اگر ڈاکٹر ماہر فن نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس پر تاون لازم ہوگا۔ ابو داود میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تطبب ولا يعلم منه طب فهو ضامن۔[37] "جو شخص طبیب بنا اور اس کا طبیب ہونا لوگوں میں معروف نہ ہو تو وہ ضامن ہوگا۔"

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خطاء

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بھی خطاء کے حکم میں فرق ہے۔ بندوں کے حقوق میں اگر کسی سے غلطی سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے وہ معاف نہیں ہوگا بلکہ اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ کیونکہ حقوق العباد کا دار و مدار بدلہ لینے پر ہے، جیسے کسی نے کسی کا مال ضائع کر دیا تو اس کو تاوان دینا لازم ہوگا۔ جس طرح کسی نے دوسرے کا مال اپنا سمجھ کر کھا لیا تو اس کا تاوان دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی گاڑی چلا رہا تھا اور گاڑی کی ٹکر سے کوئی مر گیا یا زخمی ہو گیا تو اس کا تاوان دینا لازم ہوگا چاہے یہ حادثہ جان بوجھ ہو کر ہوا ہو یا غلطی سے۔

حقوق میں خطاء سے کبھی صرف گناہ معاف ہو جاتا ہے اور کبھی اس حکم شرعی کا دوبارہ لوٹانا بھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسے عبادات میں سے نماز میں اگر قراءت میں غلطی ہو جائے یا کوئی سنت واجب چھوٹ جائے تو اس کا گناہ نہیں ہوگا، اسی طرح سمت قبلہ واضح نہیں تھی مصلی نے اپنے اجتہاد سے ایک جانب متعین کر کے نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ اس جانب نہیں تھا تو نماز ہو گئی دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہین۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں مجتہد سے اگر غلطی ہو جائے تو وہ معاف ہو گی یا حاکم نے ظاہری تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود بھی غلط فیصلہ کر دیا تو عند اللہ اس کا گناہ نہین ہوگا۔ البتہ کبھی کبھار مدعی کی طرف سے حقیقی صورتحال واضح نہ کرنے کی

وجہ سے فیصلہ درست نہیں ہو پاتا ایسی صورت میں حق کو چھپانے کا گناہ اور وبال مدعی پر ہو گا نہ کہ حاکم پر۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے گھر کے قریب ایک جھگڑا ہوتے دیکھا تو فرمایا: إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، وأقضي له على نحو ما أسمع، فمن قضيت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذ، فإنما أقطع له قطعة من النار۔[38] "بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے پاس کسی جھگڑے کا مقدمہ آتا ہے اور فریقین میں ایک اپنا مدعا پیش کرنے میں زیادہ ماہر ہوتا ہے اور اس کی قوت کلام سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہی سچا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس طرح کی صورتحال میں اگر کسی کے حق میں فیصلہ کر بھی دوں تو وہ حق اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہو گا۔"

جہل

علماء اصولیین نے جہل کو بھی تخفیف احکام میں موثر قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی جہل کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الجهل هو عدم العلم عما من شأنه أن يعلم۔[39] "جہل کہتے ہیں کسی ایسی بات کے نہ جاننے کو جس کا حق یہ ہے کہ اس کو جانا جائے۔"

احکام شریعت سے جہالت ایک بشری کمزوری ہے، جس کا ظہور مختلف حالات میں ہوتا رہتا ہے۔ نیز اس کی قلت و کثرت ملکوں، شہروں اور علاقوں کے اعتبار سے ہے، اسلامی ممالک اور وہ غیر مسلم ممالک جہاں دین کا پیغام واضح انداز میں پہنچ چکا ہے وہاں اس کی مقدار کم ہے، اور غیر مسلم ممالک جہاں نبوت تعلیمات ابھی تک پوری طرح نہیں پہنچ سکیں وہاں اس کا سلسلہ زیادہ ہے۔ لہٰذا اس بنیاد کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سب افراد کے لیے جہل کا ایک حکم لگانا اور وضع کرنا مشکل ہے، کیونکہ سب کے لیے ضروریات دین اور تفصیلات دین برابر جاننا ممکن نہیں ہے، اس لیے سب کے لیے ایک جتنی تخفیف اور گنجائش ممکن نہیں، مثلاً اسلامی ممالک میں رہنے والے شخص کے لیے اعتقادات دین کا پورا علم رکھنا لازم ہے جبکہ وہ علاقے جہاں دین کا پیغام پوری طرح نہیں پہنچا اور انہوں نے صرف کلمہ پڑھا ہے اور حکومتی سطح پر بھی ان کے لیے دین کو اعلانیہ سیکھنے میں مشکلات ہیں ان کے لیے اس میں گنجائش ہو گی۔

علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الفروق میں ایک ضابطہ لکھا ہے کہ کن امور میں جہل عذر ہے اور کن میں نہیں؟ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: " صاحب شریعت نے بعض امور شرع سے جہالت کو معاف کیا ہے اور اس میں گنجائش دی ہے، اور بعض امور میں جہالت کا معاف نہیں فرمایا اور ان پر مواخذہ کیا ہے۔ اس فرق کی بنیاد یہ بات ہے کہ بعض چیزوں میں جہل سے بچنا بسہولت ممکن ہے اور بعض میں نہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں:

پہلی صورت: کسی آدمی نے کسی اجنبیہ عورت کو رات کے اندھیرے میں اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کوئی اجنبیہ عورت تھی تو یہ جہالت شریعت میں قابل معافی ہے، کیونکہ مخصوص حالات میں اس بات کی تفتیش کرنا اور اس نوع کی غلطی

سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

دوسری صورت: کسی نے ناپاک کھانے کو پاک سمجھ کر کھالیا تو اسے حرام کھانے کا گناہ نہیں ہوگا کیونکہ شدید بھوک لگی ہو اور کھانا میسر بھی نہ ہو تو ایسے وقت میں ملنے والے کھانے میں اس بات کی تحقیق و تفتیش میں حرج ہے اس لیے یہ جہالت قابل معافی ہوگی۔

تیسری صورت: ایک مسلمان کفار کی صفوں میں موجود تھا اور مسلمانوں کی طرف سے کسی نے اس کو حربی کافر سمجھ کر مار دیا تو یہ جہالت قابل معافی ہوگی کیونکہ جنگی صورتحال میں اس بات کی تحقیق کرنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر دونوں فوجیں باہم مخلوط تھیں اور پھر کسی نے بغیر تحقیق کے کسی مسلمان مار دیا تو وہ گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے مسلمان اور کافر کی پہچان کرنا ممکن تھا۔

چوتھی صورت: حاکم نے جھوٹی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ دے دیا تو حاکم کو گناہ نہیں ہوگا کیونکہ حاکم کے لیے حقیقی صورتحال کا معلوم کرنا ممکن نہیں تھا۔"[40]

دوسری صورت اس جہالت کی ہے جو قابل معافی نہیں، اور جس میں جاہل کو معذور نہیں سمجھا گیا۔ اس بارے میں علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں: " وہ جہل جس میں مکلف کو معذور نہیں سمجھا گیا اس میں خصوصیت کے ساتھ اعتقادات کے مسائل ہیں، کیونکہ صاحب شریعت نے اعتقادات کے معاملہ میں بہت تاکید اور سختی کی ہے اور ہر شخص اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ وہ ضروریات دین کا ضروری علم حاصل کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ کافر کہلائے گا اور عند اللہ مجرم ٹھہرے گا۔"[41]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس بارے میں فرماتے ہیں: كل من جهل تحريم شيء مما يشترك فيه غالب الناس. لم يقبل، إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام، أو نشأ ببادية بعيدة يخفى فيها مثل ذلك-[42] "ہر وہ شخص جس کو کسی ایسی چیز کی حرمت کا علم تھا جس کا علم اکثر لوگوں کو تھا تو اس حرام کے ارتکاب میں اس کا جہالت کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی شخص نو مسلم ہو اور ابھی اسلام کے تفصیلی احکام سے واقف نہ ہو یا کوئی شخص کسی دور دیہات میں رہتا ہو اور وہاں تعلیم دین کا بندوبست نہیں تھا، ایسی صورت میں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔"

عموم بلوی

اسباب رخصت میں سے ایک سبب عموم بلوی ہے۔ عموم بلوی کی تعریف میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عموم بلوی سے مراد یہ ہے کہ کوئی مصیبت اتنی عام ہو جائے کہ مشقت شدیدہ کے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ ہو۔"[43]

علماء اصولیین کا اس پر اتفاق ہے کہ عموم بلوی رخصت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے، جو مکلف کی زندگی کے بیشتر شعبوں کو شامل ہے، جیسے طہارات عبادات، معاملات وغیرہ۔ اس کے متعدد دلائل ہیں۔ حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی تو قضاء کرتی ہے لیکن نماز کی قضاء نہیں

کرتی؟ تو حضرت عائشہ نے جواب دیا: کیا تو کوئی خوارج سے تعلق رکھنے والی عورت ہے (کیونکہ خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حائضہ نماز اور روزہ دونوں کی قضاء کرے گی) میں نے کہا نہیں میں خارجی عورت نہیں بلکہ میں تو بس پوچھ رہی ہوں، تو انہوں نے جواب دیا: ہمیں یہ مسئلہ پیش آتا تھا تو ہمیں صرف روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔"[44]

حائضہ عورت کو صرف روزہ کی قضاء کا حکم دیا گیا کیونکہ روزہ سال میں ایک مرتبہ آتا ہے اور سال میں تین چار روزے قضاء کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ نماز روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے، اور ماہواری بھی ہر ماہ ہوتی ہے، لہذا ہر ماہ اتنی نمازوں کی قضاء کا حکم دینے میں حرج ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں نماز کے باب میں رخصت دے دی۔

حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے روایت ہے: "وہ (حضرت ابو قتادہ کی بیوی تھیں) کہتی ہیں کہ ابو قتادہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے لیے وضو کا پانی ڈالا، ایک بلی آئی اور اس سے پینے لگی تو ابو قتادہ نے برتن بلی کے لیے ٹیڑھا کر دیا اور وہ پینے لگ گئی، کبشہ کہتی ہیں کہ ابو قتادہ نے میرے ان کو دیکھنے کو محسوس کیا تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، کیونکہ وہ تمہارے پاس کثرت سے آنے والے جانوروں میں سے ہے۔"[45]

اس حدیث میں اس جملہ "بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، کیونکہ وہ تمہارے پاس کثرت سے آنے والے جانوروں میں سے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ بلی کی گھروں میں آمد چونکہ زیادہ ہوتی ہے اور اس سے برتنوں کی حفاظت میں حرج ہے اس لیے اس کے جھوٹے میں گنجائش رکھ دی گئی۔

اعلام الموقعین میں ہے: "صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں لوگ مٹی اور کیچڑ میں پیدل چل کر مسجد آتے تھے اور اسی حالت میں نماز پڑھتے تھے۔"[46] مذکورہ دلائل اور دیگر بہت سے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی جگہ کسی مسئلہ میں ابتلاء عام ہو جائے تو وہاں حکم میں بھی تخفیف اور آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

بلوی اور حاجت کی اقسام

عموم بلوی کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آزمائش اور بلوی جب عام ہو جائے تو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے اور سب لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یعنی عموم کا مطلب یہ ہے کہ وہ حاجت جس کی طرف احتیاج ہے، اس کے سب لوگ محتاج ہوں۔ البتہ یہ حاجت کن کو شامل ہو اس اعتبار سے علماء کرام نے حاجت کی دو اقسام بیان کی ہیں:[47]

۱۔ حاجت عامہ ۲۔ حاجت خاصہ

حاجت عامہ سے مراد وہ حاجت ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہو، جس میں علاقوں اور افراد کی تخصیص نہ ہو اور جس چیز میں حاجت ہو اس کا تعلق لوگوں کی مشترک ضروریات تجارت، صنعت اور سیاست وغیرہ سے ہو۔ اس کی مثالیں وہ عقود اور معاملات ہیں جو اصل اور قیاس

کے اعتبار سے ناجائز تھے لیکن حاجت عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے شریعت نے ان کی اجازت دی ہے، جیسے اجارہ، بیع سلم اور وصیت وغیرہ۔

حاجت خاصہ سے مراد یہ ہے کہ حاجت کسی خاص جماعت اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد تک محدود ہو یا اس حاجت کا تعلق مخصوص حالات سے وابستہ ہو۔اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا۔کتا پالنا ممنوع ہے، لیکن بغرض حفاظت اس کی اجازت ہے۔حدیث شریف کے مطابق کتا پالنے کی ممانعت ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:من اتخذ كلبا إلا كلب ماشية أو صيد أو زرع انتقص من أجره كل يوم قيراط-[48] ''جس شخص نے کتا پالا، سوائے شکار کرنے یا کھیتی کی حفاظت یا مال مویشی کی حفاظت کے، تو روزانہ اس کے اجر سے ایک قیراط کم کیا جائے گا۔''

یعنی مالدار آدمی کے لیے یا مال مویشی والے شخص کے لیے بغرض حفاظت کتا پالنے کی اجازت ہے۔اس مثال میں حاجت کا تعلق عامۃ الناس سے نہیں بلکہ ایک مخصوص طبقہ سے ہے۔

۲۔اسی طرح سونے اور ریشم کا استعمال اس امت کے لیے ممنوع ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:إن نبى الله -صلى الله عليه وسلم- أخذ حريرا فجعله فى يمينه وأخذ ذهبا فجعله فى شماله ثم قال « إن هذين حرام على ذكور أمتى »-[49] ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا اور پھر فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''

عموم بلویٰ کا ضابطہ

کسی فرد یا قوم کے لیے حاجت عامہ اور ضرورت ہونے کا فیصلہ ہر شخص کی ذاتی رائے پر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ اس کے تعین کے لیے فقہاء کرام نے کچھ شرائط اور علامات مقرر فرمائی ہیں کہ جن کی موجودگی میں حاجت عام کے تحقق کا حکم لگے گا اور رخصت دی جائے گی۔اس بارے میں فقہاء کرام نے دو باتوں کو مد نظر رکھا ہے:

ا۔کسی چیز کی قلت اور مقدار کی کمی ۲۔کسی چیز کی کثرت اور شیوع

قلت اور کمی کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کی مقدار اتنی کم ہوتی ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا، جیسے نجاست کی قلیل مقدار، یا پتھر سے استنجاء کی صورت میں پتھر کی نجاست کے معمولی اثرات سے بچاو ممکن نہیں ہوتا۔یا راستے سے چلتے وقت کیچڑ کی چھینٹوں سے بچاو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔اور کثرت اور شیوع کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں بلویٰ اتنا عام ہو اس سے بچنا ممکن نہ ہو، یعنی کثرت سے مراد مطلق ہر غلبہ اور کثرت نہیں بلکہ وہ غلبہ مراد ہے جس سے احتراز ممکن نہ ہو یا جس سے بچنے میں حرج اور مشقت شدیدہ ہو۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے بے انتہاء آسانیاں رکھی ہیں اور انہیں کسی قسم کی مشقت میں نہیں ڈالا، اسی لئے اللہ رب العزت نے دو طرح کے احکام نازل کئے ہیں ایک کو عزیمت اور دوسرے کو رخصت سے تعبیر کیا جاتا ہے، فقہاء کرام نے قرآن کریم، احادیثِ مبارکہ سے بہت سے رخصت کے اصول مستنبط کئے ہیں جن کی روشنی میں نت نئے رخصت سے متعلق مسائل کا حل نکالا جاتا ہے وہیں اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں اس کے ذریعے سے اباحت کا دروازہ نہ کھل جائے جس سے لوگ اس عنوان کے ذیل میں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنے لگیں، اسی لئے فقہاء نے اسکے اسباب اور حدود بھی متعین کی ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ کن اسباب کے تحت کہاں کہاں اور کتنی گنجائش دی گئی ہے۔ اسبابِ رخصت میں بنیادی سبب تو حرج ہے تاہم اسکی تعیین کیلئے مستقل اسباب رخصت ذکر کئے ہیں جن میں ضرورت و حاجت اور مشقت اصل ہیں پھر انکے ساتھ ساتھ دیگر اسباب مثلاً مرض، سفر، جہل، خطاء، اکراہ، اور عموم بلویٰ بھی شامل ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ان بعد کے اسباب کو ضرورت و حاجت اور مشقت کے تحت ہی ذکر کیا ہے اور انکو الگ سبب قرار نہیں دیا جبکہ اکثر فقہاء نے انکو مستقل اسبابِ رخصت میں شمار کیا ہے، تاہم دونوں صورتوں میں احکامِ رخصت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

مصادر و مراجع

[1] القرآن، البقرة:۱۷۳

[2] القرآن، الأنعام: ۱۱۹

[3] احمد بن حنبل، مسند احمد، مكتبه مؤسسة الرساله، طبع دوم، ۱۹۹۹ء، ۲۲۷/۳۶

[4] ابن مبارک، جمیل محمد، نظرية الضرورة الشرعية،دارالوفاء، قاہرہ، طبع اول،۱۹۸۸ء، ص: ۲۸

[5] ابوزہرہ، محمداحمدمصطفی، اصول الفقه لابی زہرہ، دارالفکر العربی، ص:۳۷۱

[6] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، ۱۶۴/۱

[7] شاطبی، ابراہیم بن موسی، الموافقات، دارالمعرفة، بیروت،۳۱۴/۱

[8] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، ۲۴۹/۱

[9] ابن رجب، زین الدین،عبدالرحمن بن احمد، تقریرالقواعد و تحریر الفوائد ،دارالکتب العلمیه،بیروت،ص: ۲۴۶

[10] القرآن، البقرة: ۱۷۳

[11] ابن العربی، محمدبن عبدالله، احکام القرآن، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع سوم،۲۰۰۳ء، ۸۵/۱

[12] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاة، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۴۸/۲

[13] زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی شرح القواعدالفقهیه، مؤسسة الرساله، بیروت، طبع اول،۲۰۰۱ء، ص:۵۳

[14] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاة، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۳۱/۳

[15] جزری، ابن اثیر، مبارک بن محمد، النہایه فی غریب الأثر، المكتبة العلمیه، بیروت، طبع، ۱۹۷۹ء، ۴۹۱/۳

[16] ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباه والنظائر، دارلکتب العلمیه، بیروت، طبع،۱۹۸۰، ص:۸۲

[17] عزبن عبدالسلام، عبد العزیز، قواعدا لاحکام فی اصلاح الانام، مكتبة الكليات الازہريه،قاہرہ، طبع جدید، ۱۹۹۱ء،۱۰،۹/۲

[18] القرآن، البقرة: ۱۸۴

[19] القرآن، المائدۃ: ۶

[20] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۳۴/۳

[21] عاطف احمد محفوظ، رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، مطبعۃ جامعۃ المنصور، مصر، ص: ۱۷۹

[22] مرغینانی، برہان الدین، علی بن ابی بکر، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۸۰/۱

[23] مسلم بن الحجاج، ابوالحسین، صحیح مسلم، دارالجیل، بیروت، طبع اول، ۱۴۳۴ھ، ۱۵۹/۱

[24] علاء الدین ، عبد العزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخرالاسلام البزدوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع، ۱۹۹۷ء، ۵۳۸/۴

[25] ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، طبع،۱۹۶۸ء، ۳۸۴/۷

[26] ترمذی، محمدبن عیسی، سنن الترمذی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۹/۴

[27] سرخسی، شمس الائمہ، محمد بن احمد، المبسوط، دارالمعرفہ، بیروت، طبع، ۱۹۹۳ء، ۵۱/۲۴

[28] سرخسی، شمس الائمہ، محمد بن احمد، المبسوط، دارالمعرفہ، بیروت، طبع، ۱۹۹۳ء، ۵۶/۲۴

[29] زیلعی، فخرالدین، عثمان بن علی، تبیین الحقائق، مطبع کبری امیریہ، قاہرہ، طبع اول، ۱۳۱۳ھ، ۱۸۷/۵

[30] القرآن، البقرۃ: ۱۸۴

[31] القرآن، الفتح: ۱۷

[32] القرآن، التوبۃ: ۹۱

[33] عاطف احمد محفوظ، رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، مطبعۃ جامعۃ المنصور، مصر، ص: ۱۵۶

[34] ابن ماجہ القزوینی، محمدبن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالرسالۃ العالمیہ، طبع اول، ۲۰۰۹ء، ۲۰۰/۳

[35] امیر بادشاہ، محمد امین بن محمود، تیسیر التحریر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع ، ۱۹۸۳ء، ۳۰۵/۲

[36] ابوزہرہ، محمداحمدمصطفی، اصول الفقہ لابی زہرہ، دارالفکر العربی، ص:۳۵۳

[37] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۳۲۰/۴

[38] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۲۵/۹

[39] زرکشی، بدرالدین، محمدبن عبداللہ، البحرالمحیط فی اصول الفقہ، دارالکتب العلمیہ،بیروت،طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۵۵/۱

[40] قرافی، شہاب الدین ، احمدبن ادریس، الفروق، مکتبۃ عالم الکتب، ۱۴۹/۲

[41] قرافی، شہاب الدین ، احمدبن ادریس، الفروق، مکتبۃ عالم الکتب، ۱۴۹،۱۵۰/۲

[42] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول،۱۹۹۰ء، ص:۲۰۰

[43] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول،۱۹۹۰ء، ص:۷۸

[44] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۷۱/۱

[45] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۲۸/۱

[46] ابن القیم الجوزیہ، محمدبن ابی بکر، اعلام الموقعین، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، مصر،۱۹۶۸ء،۲۷۹/۴

[47] دکتور، صالح بن حمید، رفع الحرج فی الشریعۃ الاسلامیہ، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی،طبع اول،۱۴۰۳ھ، ص: ۱۷۵

[48] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۶۷/۳

[49] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۸۹/۴

LIFE AND SERVICES OF MUFTI RASHEED AHMAD LUDYANVI

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ حیات وخدمات

طارق اقبال ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

ABSTRACT: *Mufti Rasheed Ahmad Ludhyanvi was born in 26 September 1922 in Ludhyana India. He received his Islamic education under a great saint and scholar Maulana Hussain Ahmad Madani in madrissa Darul-o-loom Devband. He was born a sofi, an eminent Islamic scholar, a great philanthropist, and established writer and a great reformer. He wrote more than 150 books. He also established an Islamic university, Jamia-tur-rasheed. Thousands of scholars are his pupils, followers and disciples. He imparted them both Aloom-e-shariyat and tareeqat. He founded an Islamic NGO naming "Al Rasheed trust international" for helping the suffering humanity. During these days' society was ridden with un-Islamic trends and practices Mufti Rasheed ahmad ludhyanvi emerged to rooted out these evils from society. It will not be wrong to say that mufti Rasheed Ahmad ludhuyanvi like his spiritual mentor (Maulana Hussain Ahmad Madani) was the real inherent of Ulama e deovband. The aim of this article is to over view of biography and in valuable services which he rendered for tasawuf , fiqqa and noble cause of humanity.*

KEYWORD: *Mufti Rasheed Ahmad ludhyanvi, scholar, writer, philanthropist, Ludyanvi.*

تعارف: حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا وطن مالوف مشرقی پنجاب کا مشہور شہر لدھیانہ ہے۔ لدھیانہ علم و فضل کے اعتبار سے برصغیر کے شہروں میں ایک تاریخی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ اس سر زمین کو بڑے بڑے جبال علم اور اولیاء کرامؒ کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مفتی رشید احمدؒ علماءِ لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں جو علم و فضل، ذہانت و، تقویٰ، احوال باطنہ، کشف کرامات، شجاعت، حق گوئی، بیباکی، جسمانی قوّت اور انگریزوں سے جہاد میں بہت نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔

آپ کے والد ماجد حضرت محمد سلیمؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے اور ایک مشہور خواب کی وجہ سے "بزم اشرف" میں صاحب الرؤیا کے لقب سے معروف تھے۔ آپ بسلسلہ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے۔ یہاں ایک نو آباد گاؤں چک نمبر 101، 15، ایل میں رہائش اختیار فرمائی، اور اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام نامی سے اس گاؤں کا نام "کوٹ اشرف" رکھا۔[1]

ولادت باسعادت: مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام سے موسوم اس مبارک بستی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف مزید عطا فرمایا کہ "مفتی رشید احمد لدھیانویؒ" نے یوم الثلثاء (بروز سہ شنبہ) 3 صفر 1341ھ بمطابق 26 ستمبر 1922ء کو اپنے وجود مسعود سے اس بستی کو رونق بخشی۔ حضرت مولانا گنگوھیؒ کے نامِ نامی سے اسم گرامی حصولِ برکت کے لیے "رشید احمد" تجویز ہوا۔ "سعود اختر" کے نام نامی سے آپ کی تاریخ پیدائش 1341ھ نکلتی ہے۔ اس تاریخی نام کی آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تخریج فرمائی تھی۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف "تسہیل المیراث" میں اس نام کا ذکر ہے۔[2]

زمانہ طفولیت: بچپن ہی سے والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ سے دو چھوٹے بہن بھائی خرد سالی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ اس والدین اور سب بہن بھائی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ گھر اور گاؤں کے سب لوگ آپ سے لاڈ پیار کرتے۔ گاؤں کی لڑکیاں اور عورتیں چونکہ حضرت والدہ محترمہ کی علوم دینیہ میں شاگرد تھیں، اس لیے وہ سب آپ سے پیار کرتیں اور آپ کو اپنے گھر لے جایا کرتیں اسی محبّت و شفقت کا یہ اثر تھا کہ کبھی آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے کسی بھائی کے ساتھ مزروعہ زمینوں پر چلے جاتے تو والدین کو یاد کر کے اداس ہو جاتے۔ مفتی رشید احمدؒ کے بچپن میں آپ کی اور آپ کے والدین کی محبّت جن لوگوں نے دیکھی تھی اس کی شاید ہی کہیں نظیر ملے۔ والدین کے ساتھ آپ کی غیر معمولی محبّت اور الفت کا اثر منعمان مجازی سے منعم حقیقی کی طرف منعطف ہو کر محبّت اور معرفت الٰہیہ کی صورت میں جلوہ ہو گیا تھا۔[3]

بقولِ امام شافعیؒ!　اِنَّ المُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ　"یقیناً محب اپنے محبوب کا مطیع/فرمانبردار ہوتا ہے"۔[4]

تعلیم و تربیت: ایک وہ زمانہ تھا کہ جب بچہ ذرا بولنے لگتا تو اسے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام، کلمہ طیّبہ اور کلمہ شہادت سکھایا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی رسالت، دین کی موٹی موٹی باتیں اور ارکان اسلام بتائے جاتے تھے۔ اور ایک آج کا زمانہ ہے بچہ سب سے پہلے گالی دینا سیکھتا ہے اور جب وہ توتلی زبان سے گالی دیتا ہے تو ماں باپ خوش ہوتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کے سامنے بچے کی تعریف کی جاتی ہے کہ ماشاءاللہ کتنا ذہین ہے اور کیسے موقع سے گالی دیتا ہے۔ کیونکہ جو نقشِ اوّلین سادہ ذہنوں پر مرتسم ہو جاتے ہیں وہ ساری زندگی قائم رہتے ہیں۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنے گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں، کہ ان کا محو ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اِلّا ماشاءاللہ! حضرت مفتی صاحبؒ کو جو باتیں سکھائی گئی ملاحظہ ہو: 1۔ آپ کس کے بندے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے 2۔ آپ کس کی امّت سے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے 3۔ آپ کس کی ملت سے ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ کے 4۔ آپ کا دین کیا ہے؟ اسلام

یہی وہ سوال ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد سب سے پہلے جواب دینا ہو گا، اور ان جوابوں کے صحیح یا غلط ہونے ہی سے فیصلہ ہو جائے گا۔ بچپن کی اسی تعلیم کا اثر تھا کہ آپؒ زندگی کے ہر معاملہ میں انہی سوالات کو مدّ نظر رکھ کر فیصلہ فرماتے تھے۔[5]

ابتدائی تعلیم:۔

پرائمری کی تعلیم:۔ 1348ھ سے 1352ھ تک سرکاری پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے۔[6]

فارسی کی ابتداء:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے بڑے بھائی مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا محمد جمیل احمدؒ پہلے ہی سے ملتان کے قریب گھوٹا شریف میں تحصیلِ علومِ اسلامیہ کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ آپ کی عمر تقریباً بارہ سال ہو گی، یعنی 1335 ھجری میں مولانا جمیل احمد چھٹی پر گھر آئے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو والد صاحب نے آپ کو بھی ان کے ساتھ گھوٹا شریف روانہ کیا۔ گھوٹا شریف پہنچ کر آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ قیام کیا اور مولانا خلیل احمدؒ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، قواعد فارسی، فارسی کی پہلی کتاب، کریما، نام حق، پند نامہ

وغیرہ کتابیں پڑھیں۔[7]

عربی کی ابتداء:۔ خانیوال کے قریب جہانگیر آباد نام کا ایک قصبہ ہے۔ جو وٹّو والا کے نام سے مشہور ہے۔ شوال 1353ھ میں آپ اپنے بڑے بھائیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ اسی سال آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد خلیل سے گلستان اور بوستان پڑھی ہیں۔ اور مولانا سلطان محمود سے عربی صرف و نحو سے میزان الصرف، منشعب، قانونچہ کھیوالی (پنجابی) اور نحو میر وغیرہ پڑھیں۔[8]

درس نظامی کا دوسرا سال 54، 55ھ آپ نے گھکڑ ضلع گجرانوالہ میں گزارا۔ یہاں آپ کے بڑے بہنوئی مولانا محمود صاحب مدرّس تھے۔ 1355ھ میں مولانا محمود گکھڑ سے بسلسلہ تدریس جھنگ شہر منتقل ہوگئے۔ آپؒ نے تیسرے اور چھوتے سال کی تعلیم وہی جھنگ میں مولانا محمود صاحب سے حاصل کی۔ ان تین سالوں میں آپؒ نے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔ علم الصیغہ، فصول اکبری، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، نور الایضاح، قدوری، شرحِ نقایہ اوّلین، رسالہ اصول فقہ، اصول شاشی، نور الانوار، عربی کی پہلی کتاب، عربی کی دوسری کتاب، نفحۃ الیمن، انشاءِ عربی، تیسیر المنطق، مرقات، شرح تہذیب، قطبی۔[9] 1357ھ میں آپ کے والد ماجد بسلسلہ زمینداری خیر پور (سندھ) تشریف لے آئے۔ جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقہ میں شروع ہوا۔ آپ کے بڑے بہنوئی اور استاد مولانا محمود احمد سندھ میں خیر پور کے قریب دار الھدیٰ ٹھیڑی میں مدرس ہوگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد کے علاوہ مولانا محمد سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ اس سال یعنی 57، 58ھ میں آپ نے مولانا محمود احمدؒ سے ھدایہ اوّلین، مختصر المعانی، اور مطوّل، اور مولانا محمد سے حاشیہ عبد الغفور، میر قطبی، اور اقلیدس پڑھیں۔[10]

فنون کی تکمیل:۔ اگلے تعلیمی سال یعنی شوال 1359ھ میں آپ معقولات کی مشہور درسگاہ انّھی شریف ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت مولانا ولی اللہؒ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں۔ انھیں آج کا طالب علم کم از کم تین سال میں پڑھ سکے گا۔[11]

دار العلوم دیوبند میں داخلہ:۔ دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ علمِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مشہورِ عالم دینی درسگاہ دیوبند تشریف لے گئے۔ آپ کے داخلہ کا امتحان حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کے سپرد تھا، حضرت مفتی رشید احمدؒ کے عبارت پڑھنے کا انداز بڑا مسحور کن تھا۔ عربی لہجہ بے حد صاف تھا، اور عبارت رواں طریقہ سے پڑھتے تھے۔ آواز بلند، الفاظ صاف، رفتار تیز۔ حضرت بلیاویؒ نے کتاب سے عبارت پڑھوا کر سنی تو بہت خوش ہوئے۔[12]

اساتذہ کُتبِ حدیث: صحیح بخاری، سننِ ترمذی:۔ یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھیں۔ آخر سال میں جب حکومت برطانیہ نے آپ کو گرفتار کرلیا تو یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے ختم کرائیں۔ **صحیح مسلم:۔** حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ نے پڑھائی۔ **سُنن ابی داؤد، شمائل ترمذی:۔** حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے پڑھائی۔ **سُنن نسائی:۔** مولانا عبد الحق نافعؒ نے پڑھائی۔ **سُنن ابنِ ماجہ:۔** حضرت مولانا مفتی ریاضؒ نے پڑھائی۔ **طحاوی:** مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے پڑھائی۔ **مؤطا امام مالک:** مولانا مفتی محمد شفیعؒ

نے پڑھائی **مؤطاامام محمد:** حضرت مولانا ظہور احمدؒ نے پڑھائی۔ اسی سال دورہ حدیث کے ساتھ ساتھ کتبِ تجوید میں سے فوائد مکیہ، اور جزری قاری عزیز احمدؒ سے اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمٰنؒ صدر القراء سے پڑھیں۔ان حضرات سے فنِ تجوید کی مشق بھی کی۔[13]

بغرضِ جہاد فنون حرب میں کمال:۔ چونکہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیتِ جہاد بھی بنیادی مقاصد میں سے ہے، اس لیے طلبہ کو جہاد اور فنون حرب کی تربیت دینے کے لیے اس فن کے ماہرین اساتذہ دارالعلوم کی طرف سے متعین تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبدالرحمٰنؒ اور استاذ عبدالرشیدؒ سے بجذبہ جہاد فنونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔[14]

سلسلۂ تدریس:۔ شعبان 1361ھ میں حضرت مفتی رشید احمدؒ تحصیل علوم علم سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے جو 1356ھ میں بسلسلہ زمینداری خیر پور سندھ میں آباد ہو چکے تھے، آپ کو بھی زمینوں کی نگرانی کے لیے ایک سال خیر پور ہی میں رہنے کو فرمایا، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ عمر کا ایک معتد بہ حصّہ تحصیل علم کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ تدریس کا سلسلہ شروع کر کے علوم و معارف کے مزید مدارج طے کیے جائیں۔[15]

جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو:۔ شوّال 1362ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو وضلع حیدر آباد سندھ میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرّس درجہ علیا ہوا۔ صرف دو ہی سال بعد آپ جامعہ کے شیخ الحدیث و صدر مدرّس ہو گئے، اور اسی سال یعنی 1364ھ سے صحیح بخاری ودیگر کُتبِ حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ ساتھ ہی دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی کو سونپ دی گئی۔ 1369ھ تک آپ اس جامعہ کے بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرّس اور مفتی رہے۔ 1370ھ میں آپ والد ماجد کے ایماء سے جامعہ چھوڑ کر خیر پور چلے آئے۔[16]

جامعۃ دار الھدیٰ ٹھیڑھی:۔ 1370ھ کے تعلیمی سال سے حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ دار الھدیٰ ٹھیڑھی میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے، نہ صرف تدریس بلکہ دارالافتاء کی ساری ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد کر دی گئی۔ یہاں صحیح بخاری اور دوسرے علوم و فنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول رہا، ساتھ ہی فتویٰ نویسی کا کام بھی جاری فرماتے رہے۔ 1376ھ تک حضرت مفتی صاحب کا اس جامعہ میں قیام رہا۔[17]

جامعہ دار العلوم کراچی:۔ ادھر حضرت مفتی محمد شفیعؒ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کو خیال ہو رہا تھا کہ اپنے پرانے ہونہار شاگرد کو اپنے پاس بھلالیں۔ چنانچہ جب کورنگی میں جامعہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو خاص طور سے ٹھیڑھی سے بلا کر جامعہ دارالعلوم میں شیخ الحدیث کا منصب پیش فرمایا۔[18]

1376ھ میں اپنے استاد محترم کے ارشاد کی تعمیل میں جامعہ دارالعلوم تشریف لے آئے، اور شیخ الحدیث کی خدمات سنبھال لیں۔ اور یہاں بھی صحیح بخاری کے علاوہ اور بھی کہیں کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں، جن میں فلکیات اور اقلیدس وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ھدایہ آخرین کی تدریس بھی آپ ہی کی ذمہ رہی۔ تخریج فرائض کا خود ایجاد کردہ طریقہ جدید بھی پڑھاتے رہے۔ شعبان 1383ھ تک

حضرت مفتی صاحب کا دارلعلوم میں قیام رہا۔ 1367ھ سے 1383ھ تک ہر سال آپ نے بخاری پڑھائی ہے۔ بیس سال میں بیس بار اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری کی تدریس کا شرف بخشا ہے۔[19]

تعارفِ مشائخ:۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے بعد اب قیامت تک نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا، لیکن لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ دنیا کو صالح بندوں سے خالی نہیں رکھے گا، تاکہ وہ صراطِ مستقیم اور کتابِ مبین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں، اور رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ خود بھی دینِ متین پر عمل پیرا ہو کر ایک عملی نمونہ قائم کر دیں، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے: "ہمارے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے دین پر قائم رہنا مشکل ہے"۔ زمانہ کے تقاضوں اور ضرورات کے مطابق مسائل کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے علماء کرام اور اولیاء عظام کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:۔ بچپن ہی میں والد ماجد کی زبان سے حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کان میں پڑتے رہے جب خود پڑھنے کے قابل ہوئے تو حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کے مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کا معمول بنالیا، شوّال 1360ھ میں تکمیل حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے وقت پہلے تھانہ بھون حاضری دی، اس کے بعد دیوبند سے تھانہ بھون متعدد بار حاضری کا شرف ملا، اس زمانے میں حضرت تھانویؒ خود بیعت نہیں فرماتے تھے۔[20]

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ:۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب میں شان اصلاح نمایاں دیکھ کر آپ سے روزانہ چند منٹ صرف حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرت نے خصوصی مطالعہ و تصنیف کے وقت اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ خصوصی عنایت صرف مفتی صاحب پر ہی تھی، ایک بار بوقت مصافحہ حضرت مفتی صاحب کا ہاتھ تھام کر ایسی توجّہ ڈالی جس کا اثر پورے جسم پر برقی رو کی طرح محسوس ہوا۔[21]

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ:۔ حضرت شیخ الادب سے استشارہ واستخارہ کے بعد حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الادب نے فرمایا، کہ حضرت مدنی کی خدمت میں خود اپنے ساتھ لے کر چلوں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ حضرت مدنی کی زیارت کے لیے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرت مدنیؒ نے آمد کا مقصد دریافت فرمایا، آپ نے بلا تکلف عرض کر دیا جس پر حضرت مدنی نے ازراہِ شفقت فوراً بیعت فرمالیا۔[22]

حضرت مفتی محمد حسن قدّس سرّہ:۔ حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد حضرت مفتی محمد حسنؒ سے تعلق رکھا، حضرت مفتی محمد حسنؒ کی آپ پر خاص نظر عنایت تھی، ایک بار دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی محمد حسنؒ کی اچانک تشریف آوری کی وجہ سے آپ کو قدرے تاخیر ہو گئی، اس تھوڑے سے وقفہ سے حضرت مفتی محمد حسنؒ نے حضرت مفتی محمد شفیعؒ سے کئی بار آپ کے بارے میں دریافت فرمایا، بعد میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے آپ سے یہ ماجرا بیان فرما کر بہت مسرّت سے فرمایا کہ اکابر کی ایسی توجّہ بہت بڑی سعادت ہے۔[23]

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو آخر میں حضرت پھولپوریؒ سے بیعت وخلافت حاصل ہوا، بیعت سے

قبل آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں بالائی منزل پر مہمان خانہ مقیم ہیں، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ بہت جلدی میں تشریف لائے اور فرمایا! "آپ کا الارم آیا ہے سند عالی کر لیجیے جلدی چلیے"۔ پھر فرمایا کہ ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے ہیں، پھر آپ اپنے الماری سے ایک کتاب نکالی اور باغ میں چلے گئے، اس خواب سے کچھ عرصہ بعد حضرت پھولپوریؒ سے بیعت ہوئے تو آپ کی خدمت میں یہ خواب پیش کیا، آپ نے فرمایا، اس کی تعبیر ہوگئی۔ "یعنی باغ میں سند دربار پھولپوری میں باریابی ہے"۔[24]

شادی:۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ شادی بڑی بابرکت ہوتی ہے جس میں مہر کم رکھا گیا ہو اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنی شادی کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا، کہ بارات میں صرف والد صاحب، میں اور ایک مجھ سے چھوٹے بھائی تھے جن کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی، گویا بارات میں بشمول دولہا ڈھائی آدمی تھے۔ جیسی سادگی بارات میں تھی ویسی ہی سسرال والوں کی طرف سے بھی، بالکل سادگی کے ساتھ نکاح ہو گیا"۔[25]

اولاد:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو جہاں علم، تقویٰ، زہد اور ظاہری و باطنی سب خوبیوں سے نوازا، وہاں اولاد کی نعمت سے بھی مالا مال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطاء فرمائیں، جن میں سے ایک صاحبزادہ اور دو صاحبزادیوں نے بچپن ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور ریاضِ جنّت کے پھولوں میں جگہ پائی۔ تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں، جن کی تفصیل مع تاریخ ولادت مندرجہ ذیل ہے:

1۔ صفورہ (تاریخی نام حمیدہ) 9 ستمبر 1948ء **2۔ محمد** (تاریخی نام محفوظ القادر) 20 مارچ 1951ء **3۔ احمد** (تاریخی نام ایاز احمد) 2 جولائی 1953ء

4۔ حامد (تاریخی نام حبیب احمد) 22 اگست 1955ء **5۔ اسماء** (تاریخی نام آسیہ) 5 فروری 1958ء۔[26]

مشہور تلامذہ:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی لائق و فائق شاگردوں کی تعداد بہت کثیر ہیں، جو پاکستان کے علاوہ افغانستان، ہندوستان، بنگال، برما، ایران و سعودی عربیہ و دیگر عرب ممالک، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ دور دراز ممالک میں دین کی خدماتِ جلیلہ کے باعث امتیازی شان رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد دوسرے علماء کے شاگردوں کی طرح آپ سے صرف علومِ ظاہرہ ہی حاصل نہیں کرتے، بلکہ فیوضِ باطنہ سے بھی خوب مستفید ہوتے تھے۔ جن میں سے کچھ تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، صدر دارالعلوم کراچی مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، مہتمم جامعۃ الرشید مفتی عبد الرحیم صاحب، مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب، مفتی احتشام الحق آسیا آبادیؒ، شیخ الحدیث مفتی محمد صاحب، ناظم تعلیمات مولانا محمد قاسم صاحب، مفتی عبدالباری صاحب۔[27]

خلفاء مجاز:۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگردوں کی طرح آپ کے خلفاء کی تعداد بھی کافی زیادہ ہیں لیکن ان میں سے مشہور خلفاء کے نام درج ذیل ہیں۔ مہتمم جامعۃ الرشید مفتی عبدالرحیم صاحب، مفتی جامعہ مفتی عبدالواحد صاحب، مولانا قاسم صاحب حفظہ اللہ۔[28]

تصانیف:۔ جو گناہ معاشرہ کا جزء بن گئے ہیں اور بلا جھجک اعلانیہ کیے جارہے ہیں، اور ان کے سیلاب میں دیندار گھرانے اور علماء و صلحاء بھی بہے جارہے ہیں، ان کی تباہی سے امّت کو بچانے کی فکر اور بذریعہ وعظ وارشاد بالخصوص نوجوانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب۔ اندرونِ ملک و بیرون ملک دور دراز مقامات میں بھی آپ کے مواعظ کی کیسٹوں اور کتابچوں کی نشر و اشاعت، مواعظ کی مختلف بارہ زبانوں میں اشاعت، مزید زبانوں میں تراجم کا خواص و عوام میں روز افزوں شوق و انتظار، کیسٹوں، مختلف زبانوں میں کتابچوں، شاگردوں، تربیت یافتہ مریدوں اور اجازت یافتہ خُلفاء کے ذریعہ اکناف عالم میں خدمتِ احیاءِ دین۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی کل تصانیف تقریباً 150 تک ہیں اور ان میں سب سے مشہور حضرت مفتی صاحبؒ کی "احسن الفتاویٰ" جو کہ دس جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ آپ کے بے شمار مواعظ اور اصلاحی خطبات جو کہ "خطبات رشید" کے نام سے شائع کی گئی ہیں، لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ گناہوں سے توبہ کرکے اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو گئے۔[29]

اسفار:۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے 1994ء میں (مغربی ممالک) انگلینڈ، کینیڈا، امریکہ، باربڈوز، ویسٹ انڈیز کے مختلف مقامات کا تین ماہ تک ہنگامی دورہ کیا اور ہر جگہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی علانیہ بغاوتوں اور دنیا و آخرت کے عذاب سے بچنے بچانے کی اہمیت پر وعظ فرماتے رہے۔ کئی سعادت مندوں نے حاضرِ خدمت ہو کر توبہ کی ااطلاع بھی دی۔[30]

جامعۃ الرشید کا قیام:۔ "جامعۃ الرشید کی تعمیر کے وقت حضرت مفتی صاحبؒ نے اس جامعہ کا پسِ منظر بقلم خود تحریر فرمایا تھا جو درج ذیل ہے: " میں دار الافتاء والارشاد " کو صرف ایسی خدمات علمیہ تک محدود رکھنا چاہتا تھا جن کا انتظام کسی دوسرے ادارہ میں نہ ہو، چنانچہ تمرینِ افتاء کا شعبہ اس وقت کسی ادارہ میں بھی نہیں تھا، اس لیے میں نے یہ کام شروع کیا، چونکہ عوام کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود، علماء کی علمی و عملی صحیح تربیت پر موقوف ہے، اس لیے میرے قلب میں اس کی بہت اہمیت رہی ہے کہ علماءِ اسلام کا علماً و عملاً معیار بہت بلند رہے۔ اسی نظریے کے تحت میں نے جامعۃ الرشید احسن آباد کا سنگ بنیاد رکھا۔[31]

جامعۃ الرشید کے تحت کام کرنے والے ادارے:۔ جامعۃ الرشید کے تحت اس وقت چھتیس شُعبے کام کر رہے ہیں جن میں سے چند ایک کا مختصر تعارف پیش کی جاتی ہیں۔ **درسِ نظامی:۔** درس نظامی علوم شریعہ پر مشتمل آٹھ سالہ عالم کورس ہے، مسلم معاشرہ میں علوم شریعہ (قُرآن، حدیث، فقہ) کی حفاظت و ترویج کا سلسلہ جاری رکھنا معاشرے کو ایسے افراد فراہم کرنا جو اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ علوم دین کے حصول میں خرچ کر چکے ہوں اور اپنی پختہ دینی و عصری تعلیم و معلومات کی بنیاد پر معاشرے کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتے ہوں۔[32] **شعبہ تحفیظ القرآن:** شعبہ تحفیظ القرآن تمام مدارسِ دینیہ میں ایک بنیادی شعبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جامعۃ الرشید میں بھی یہ شعبہ قائم ہے، جہاں بچوں کو قاعدہ، ناظرہ اور حفظ و گردان کے ساتھ ساتھ KG3 تا کلاس 8، عصری تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ جامعۃ الرشید نے 1415ھ بمطابق 1994ء میں شعبہ تحفیظ القرآن کو باقاعدہ شعبہ کی شکل دی۔ اب تک اس شعبے سے

سینکڑوں کی تعداد میں حفاظِ کرام حفظ قرآن کی تکمیل کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ بحمداللہ ! جاری وساری ہے۔[33]

معہد الرشید العربی: طلبہ میں عربی تقریر و تحریر کا ذوق و شوق اور زبان پر عبور پیدا کرنے کے لیے درس نظامی کے ساتھ ساتھ ایک متوازی نظام "معہد الرشید العربی" کا اہتمام کیا گیا ہے، جس میں تمام اسباق عربی میں ہوتے ہیں۔ معہد کے طلبہ آپس میں عربی میں بات کرتے ہیں۔ نصاب درسِ نظامی کے وفاق سے منظور شدہ نصاب کے علاوہ تاریخ، حاضر العالم الاسلامی اور الغزو الفکری پر مشتمل ہے۔[34]

تخصص فی الافتاء: یہ شعبہ جامعۃ الرشید کی ممتاز ترین خصوصیات میں سے ہے اگر یہ کہا جائے کہ جامعۃ الرشید اس علمی سلسلے کا بانی ہے تو بے جانہ ہو گا کیوں کہ پاکستان میں تمرین وافتاء کا یہ شعبہ سب سے پہلے مفتی رشید احمدؒ نے رمضان 1964ء کو شروع کیا تھا۔ اس تخصص میں شرکاء کو نصاب میں شامل کتب فقہ کی تدریس، عملی مشق اور قضاء و تحکیم کے علاوہ جغرافیہ و فلکیات کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔[35]

دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی:۔ دارالافتاء جامعۃ الرشید احسن آباد (کی خشتِ اوّل دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی) جس کا قیام حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے ہاتھوں سے رمضان 1383ھ بمطابق 1964ء عمل میں آیا۔ جو حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد حضرت کے نائب و جانشین حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کی سربراہی اور دوسرے باصلاحیت تلامذہ کی نگرانی میں جدید خطوط پر ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ آجکل جامعۃ الرشید نے دارالافتاء کو جدید دور کے جائز وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اپ گریڈ کیا ہے۔[36]

کلّیۃ الشریعۃ: جامعۃ الرشید نے اس ضمن میں پہلا قدم اٹھایا اور اعلیٰ کارکردگی کے حامل یونیورسٹی گریجویٹس کے لیے علوم شرعیہ پر مبنی چار سالہ عالم دین کورس کلّیۃ الشریعۃ کا اجراء 2003 بمطابق 1424ء میں کیا، جس میں داخلے کے لیے عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کو منتخب کیا جاتا ہے جو انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہوں، کلّیۃ الشریعۃ کے طلباء کو جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ تقریباً تمام شرعی علوم (تجوید، ترجمہ و تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، سیرت النبی ﷺ، صرف، نحو، عربی تکلم، عربی ادب، منطق و فلسفہ، بلاغت، جغرافیہ، تقابُلِ ادیان) پر مشتمل ہے اس نصاب کو پڑھنے کے بعد یہ طلبہ تقریباً ان تمام علوم کو پڑھ لیتے ہیں، جو دینی جامعات میں درس نظامی میں پڑھائے جاتے ہیں۔[37]

جامعہ اُمّ حبیبہ للبنات، جامعہ حفصہ للبنات، البیرونی گرلز سیکنڈری اسکول:۔ بچیوں اور خواتین کی دینی و عصری تعلیم و تربیت اور مکمل باپردہ ماحول کے ساتھ یہ تینوں ادارے جامعۃ کے زیر انتظام خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ شعبہ دینی علوم میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا 6 سالہ مروّجہ نصاب پڑھایا جاتا ہے، نیز وفاق المدارس ہی کے تحت دراسات دینیہ کا سلسلہ بھی جاری ہے، شعبہ عصری علوم میں بچیوں کو آٹھویں جماعت تک عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ہوم اکنامکس، سلائی کڑھائی اور کھانے پکانے کی عملی مشق بھی کروائی جاتی ہے۔ نیز انہیں گھرداری کی مکمل تربیت بھی دی جاتی ہے۔ نویں، دسویں جماعت سائنس اور آرٹس گروپ میں پڑھائی جاتی ہے اور بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کراچی سے امتحان بھی دلوایا جاتا ہے۔[38]

البیرونی ماڈل سیکنڈری اسکول وانٹر میڈیٹ کالج:۔ سیکنڈری بورڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن پروگراموں کے لیے جامعۃ الرشید کے اساتذہ کی نگرانی میں البیرونی ماڈل اسکول وکالج کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ دونوں ادارے محکمہ تعلیم اور حکومت سندھ سے منظور شدہ ہیں اور طلبہ متعلقہ بورڈ کے امتحانات دے کر سرٹیفکیٹس حاصل کرتے ہیں۔ البیرونی انٹر میڈیٹ اسکول وکالج کا بنیادی خاصہ عملی تربیت کرنا ہے۔ انتظامیہ جہاں ایک طرف تعلیمی میدان میں شان دار کارکردگی کے لیے کوشاں ہے وہاں طلبہ کے اخلاق اور عملی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔[39]

صفہ سیوئر اسکول:۔ طلبہ کو دینی ماحول میں اولیول کیمبرج سسٹم کی تعلیم دینے کے لیے صفہ سیوئر اسکول کا قیام جامعۃ الرشید **صفہ** نے عمل میں لایا ہے۔ صفہ سیوئر اسکول کے قیام کا مقصد طلبہ و طالبات کو ایک مضبوط تعلیمی نظام دینا اور ان کی شخصیت کو اسلامی اصولوں کے مطابق پروان چڑھانا ہے تاکہ وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ معاشرے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ صفہ سیوئر اسکول سسٹم میں درج ذیل تعلیمی سلسلے جاری ہیں: اولیول / میٹرک سسٹم، تین سالہ ریپڈ کیچپ پروگرام، حفظ پروگرام، مونٹیسوری سسٹم۔[40]

رسائل واخبارات: اسلام اخبار (کراچی، ملتان، لاہور، اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ اور مظفر آباد):۔ روزنامہ اسلام غیر شرعی تصاویر اور اخلاق باختہ خبروں سے پاک ایک ایسا روزنامہ ہے جس کا مطالعہ گھر کا ہر فرد بلا جھجک کر سکتا ہے۔ دیانت دارانہ رپورٹنگ اور حقائق کی دوٹوک وضاحت اس کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ کسی تنظیم یا جماعت کا آلہ کار نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا ترجمان ہے۔[41]

بچوں کا اسلام (ہفت روزہ):۔ یہ بچوں کا مقبول ترین رسالہ ہے لاکھوں بچے اس کو پابندی سے پڑھتے ہیں۔ ان کی دلچسپی کا اندازہ اس کی بے پناہ ڈاک سے لگایا جا سکتا ہے، جو ہر ہفتے "بچوں کا اسلام" کے دفتر کو موصول ہوتی ہے۔ بچوں کا اسلام اسلامی ذہن سازی کرتا ہے مگر اتنے دلچسپ انداز میں کہ بچے تفریح ہی تفریح میں اسلامی اثرات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ "بچوں کا اسلام" کا مقصد آیندہ برسوں میں قوم کو ایسے صالح، باہمت، مخلص اور پرعزم نوجوانوں کی کھیپ مہیا کرنا ہے جو اپنی صلاحیتیں اسلام کے لیے وقف کر چکے ہوں۔[42]

خواتین کا اسلام (ہفت روزہ):۔ موجودہ دور میں مغربی میڈیا اور شیطانی ذرائع ابلاغ نے عورت کی شرم وحیا کا جنازہ نکال دیا ہے اور گھر کی رونق، محفلوں میں کھلونا بن کر رسوا ہو رہی ہے، خواتین کا اسلام نہ صرف خواتین کی اسلامی و شرعی رہنمائی کرتا ہے بلکہ اس میں صحت، خانہ داری، پکوان اور خواتین کی دل چسپی سے متعلق ایسی بہت سی چیزیں شائع ہوتی ہیں جنہیں پڑھ کر ہر عورت مکمل سلیقہ مند اور سگھڑ خاتون بن سکتی ہے۔ ہزاروں خواتین ان ہدایات پر عمل کر کے اپنے گھروں کو خوشیوں کا گہوارہ بنا چکی ہیں۔[43]

شریعہ اینڈ بزنس (ہفت روزہ):۔ ایک ایسا میگزین ہے جو "شریعت و تجارت ساتھ ساتھ" کا مشن لے کر شریعت اور تجارت سے متعلق یکساں رہنمائی دے رہا ہے۔ جس میں تاجروں کو شرعی رہنمائی، جدید بزنس ٹولز اینڈ ٹیکنیکس، کاروبار کی ترقی کے راز، کامیاب تاجروں کی کہانیوں سمیت مختلف تجارتی و کاروباری پہلوؤں سے آگہی فراہم کی جاتی ہے۔ یہ میگزین بلاشبہ اردو زبان میں بزنس کا سب سے بڑا میگزین ہے۔[44]

دی ٹرتھ انٹرنیشنل:۔ انگریزی میں بچوں اور نوجوانوں کا ایک ایسا دلچسپ، مفید، بامقصد اور خوبصورت رسالہ شائع ہونا جسے اپنے ہی نہیں غیر بھی پسند کریں کسی شاعر کا خواب تھا، جسے The Truth میگزین کی اشاعت نے صحیح کر دکھایا۔ اس پرچے میں بچوں اور نوجوانوں کی اسلامی ذہن سازی کو اصل ہدف بنا کر انہیں ایسا صاف ستھرا انگریزی لٹریچر مہیا کیا جارہا ہے جو انہیں ایک سچا مسلمان، ایک باشعور شہری اور کارآمد انسان بنائے۔ دینی واخلاقی اقدار کا حامل یہ میگزین Stand-Alone ہے کسی روزنامہ کا ایڈیشن نہیں۔ آن لائن بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔[45]

JTR میڈیا ہاؤس (جامعۃ الرشید کے تعلیمی، نشریاتی اور خدماتی اداروں کا ترجمان): جامعۃ الرشید تحریکی منصوبہ تین جہتوں: تعلیم، نشریات اور خدمات کے میدانوں میں سرگرم عمل ہے۔ جامعۃ الرشید، اس کی 7 ذیلی شاخیں اور 20 ذیلی ادارے، ہزاروں طلبہ وطالبات اور لاکھوں مستفیدیں تک اپنی خدمات پہنچا رہے ہیں۔ دور جدید کے عصری تقاضوں کے پیش نظر اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ جامعہ کی ان خدمات کو ایک ایسا فورم میسر ہو جائے جو ان کی ترجمانی مؤثر طور پر کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک مرکزی شعبے JTR میڈیا ہاؤس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس شعبے کے ذریعے جامعہ کی خدمات کو، عوام الناس اور خواص تک، مروجہ اعلی ی پروفیشنل معیارات کے مطابق مثبت اور مؤثر طریقے سے فی الفور پہنچانا، اشاعت دین کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو مؤثر بنانا، قومی اور ملی سوچ و فکر کی آبیاری کرنا اور امت کی نشاۃ ثانیہ کے بھرپور کردار ادا کرنا، شعبے کے مقاصد میں شامل ہے۔ ان تمام کاوشوں کی منزل بتدریج، تعلیمی ویب چینل اور پھر سٹیلائٹ ٹی وی چینل کا قیام ہوگا۔[46]

الرشید ٹرسٹ انٹرنیشنل:۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے "الرشید ٹرسٹ انٹرنیشنل" کے ذریعے اندرون ملک وبیرون ملک لاکھوں غریب، معذور اور لاچار لوگوں کی بلا رنگ ونسل ومذہب خوراک، رہائش اور علاج معالجہ کی خدمات فت فراہم کی۔ اور افغانستان میں تین لاکھ روٹیاں روزانہ غرباء میں اس ٹرسٹ کے ذریعے سے تقسیم کی جاتی تھی۔ آپ کے اس قائم کردہ ادارہ نے رفاہی میدان میں بہت نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ آپؒ نے اس ٹرسٹ کے ذریعے سماجی خدمات کے ان تمام شعبوں کی طرف اصحابِ خیر کی توجہ دلائی۔ جن کا تذکرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے رسول اکرم ﷺ کی سماجی خدمات کے حوالے سے بخاری شریف میں کیا ہے۔[47]

پاکستان بلڈ بینک:۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے الرشید ٹرسٹ کے ساتھ متصل ہی "پاکستان بلڈ بینک" کے نام سے ادارہ قائم کیا تھا تا کہ خون کے حصول، ٹیسٹ، حفاظت اور نادار افراد کو اس کی صحیح حالت میں مفت فراہمی کا نظم ونسق اپنی مثال آپ تھا، روزانہ سینکڑوں لوگ اس بلڈ بینک سے استفادہ کرتے تھے۔ جدید ترین مشینری، مہارت، کارکردگی کے لحاظ سے اس بلڈ بینک میں کوئی کمی نہیں تھی۔ جس کو دیکھ کر لوگ حضرت مفتی صاحبؒ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے تھے۔[48]

جانشین کا انتخاب:۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے بعد اپنے کسی بیٹے کو جانشین منتخب کرنے کی بجائے اپنے شاگرد اور خادم خاص (مفتی عبدالرحیم صاحب) جس کے لیے برسوں کی دعائیں بھی شامل حال تھی کو اپنا جانشین منتخب فرمایا۔ بحمد اللہ حضرت مفتی عبدالرحیم

صاحب جامعہ کو احسن انداز میں چلا رہے ہیں۔[49]

سفر آخرت:۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے 6 ذی الحجہ 1422ھ بمطابق 19 فروری 2002ء بدھ کے دن 11 بجکر 40 منٹ پر میں اس دنیاءِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ مختلف اکابر نے جن میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خانؒ، مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب، مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی زرولی خان صاحب، مولانا رشید اشرف صاحب اور بڑے بڑے حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔اور رشد وہدایت کا ایک اور عظیم مرکز سونا ہو گیا۔[50]

خلاصہ بحث:۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اُن شخصیات میں سے تھے جن کی نظیر ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وفضل کی گہرائی کے ساتھ انابت وتقویٰ اور اتّباع شریعت وسنّت کا وہ اہتمام فرمایا تھا جو اِس پر فتن دور میں کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان سے خدمتِ دین کے ہر شعبے میں قابلِ رشک کام لیا۔اور ان کے فیوض وبرکات کے دریا مُختلف جہتوں میں عرصہ دراز تک مخلوقِ خُدا کو سیراب کرتے رہیں گے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دکھی انسانیت کی خدمت کی خاطر الرشید ٹرسٹ انٹرنیشنل اور پاکستان بلڈ بینک کا قیام عمل میں لایا تھا تا کہ سماجی ورفاعی طریقے سے غُرباء ومساکین کی خدمت کی جا سکے،اور علمی میدان میں آپ نے جامعۃ الرشید جیسی بے نظیر مدرسہ کی سنگِ بنیاد رکھ کرامت مسلمہ پر ایک عظیم احسان کیا اور الحمدللہ آج اس جامعہ کے برکات اندرون وبیرون ملک نظر آرہے ہیں،اس کے علاوہ آپ نے 150 کے قریب مختلف رسائل وکتابیں تصنیف کیں،اور کیسٹوں،اور وعظوں کے ذریعے سے مخلوقِ خدا کو اعلانیہ گناہوں سے اور دنیا وآخرت کی عذاب سے بچنے بچانے سے متعلق بیانات کرتے رہے۔آپؒ ایک عظیم مجاہد، عظیم مصلح، استاد کبیر، مؤلف ومصنف، مفتی اعظم اور شیخ الحدیث ایک سماجی خادم خلق،اور شیخ کامل تھے۔آپؒ نے اپنے اکابر علماء دیوبند کے تعلیمات وارشادات اور نقشِ قدم پر رہتے ہوئے زندگی گزاری،اور ان کے مسلک ومشرب پر کاربند رہے۔

حوالہ جات

[1]عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،کتاب گھر،کراچی،1426ھ،ج1،ص 48

[2] ایضاً،ص50

[3] ایضاً،ص51

[4]الشافعی، محمد بن ادریس ،دیوان الشّافعی،مکتبۃابنِ سینا،القاھرۃ، مصر،ص95

[5] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج 1،ص53۔54

[6]رشید احمد ، مفتی، احسن الفتاویٰ،ایچ ایم سعیدکمپنی،کراچی،1398ھ،ج1،ص 8

[7] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج1،ص55

[8]ایضاً ،ص56

[9]ایضاً،65، 66

[10] رشید احمد ، مفتی، احسن الفتاویٰ،ج1،ص10

[11]ایضاً،ص11

[12] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج1،ص69

[13] رشید احمد ، مفتی، احسن الفتاویٰ،ج1،ص11

[14] ایضاً،12
[15] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج1،ص201
[16] ایضاً،ص204
[17] ایضاً،ص205
[18] رشید احمد ، مفتی، احسن الفتاویٰ،ج1،ص15
[19] ایضاً،ص12
[20] ایضاً،ص13
[21] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج1،ص362
[22] ایضاً، ص364
[23] ایضاً، ص367
[24] ایضاً،ص 370
[25] ایضاً،ص220
[26] ایضاً، 226
[27] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج3،ص117
[28] ایضاً،ج3،ص118
[29] ایضاً،ج3،ص 120
[30] ایضاً، ج 3 ،ص 315
[31] عبدالرحیم،مفتی،انوارالرشید،ج2، ص159
[32] مجلس علمی سوسائٹی ، درس نظامی ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری،2018
[33] مجلس علمی سوسائٹی ، شعبہ تحفیظ القرآن ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[34] مجلس علمی سوسائٹی ، شعبہ معہد الرشید العربی ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[35] مجلس علمی سوسائٹی ، شعبہ تخصص فی الافتاء ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[36] مجلس علمی سوسائٹی ، دارالافتاء جامعۃ الرشید ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[37] پراسپیکٹس کلیۃ الشریعۃ ،مجلس علمی سوسائٹی (سن 2006)،احسن آباد ،ص 6
[38] مجلس علمی سوسائٹی، جامعہ امِّ حبیبہ و البیرونی گرلز سیکنڈری اسکول ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[39] مجلس علمی سوسائٹی ، البیرونی ماڈل سیکنڈری سکول و انٹرمیڈیٹ کالج ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[40] مجلس علمی سوسائٹی ، صفہ سیوئراسکول ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری
[41] 2018 مجلس علمی سوسائٹی ، روزنامہ اسلام ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[42] مجلس علمی سوسائٹی ، بچوں کااسلام ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[43] مجلس علمی سوسائٹی ، خواتین کا اسلام ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[44] مجلس علمی سوسائٹی ، شریعہ اینڈ بزنس ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[45] مجلس علمی سوسائٹی ، دی ٹرتھ انٹرنیشنل ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[46] مجلس علمی سوسائٹی ، JTR میڈیا ہاؤس ،شعبہ نشرو اشاعت ، کراچی ،فروری 2018
[47] الراشدی ، زاہد ،روزنامہ اسلام، لاہور ، 13 اکتوبر، 2004
[48] ایضاً،
[49] عبدالرحیم،مفتی،ج 1،ص624
[50] Mufti-rasheed-ahmad.blogspot.com

CONCEPT OF PAYING HOMAGE IN THE LIGHT OF QURAN AND HADITH (A RESEARCH BASED SCHOLARLY ANALYSIS)

قرآن وسنت کی روشنی میں ایصال ثواب کا تصور ایک علمی و تحقیقی جائزہ

عبد الباری ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی جامعہ اردو، کراچی

قاری بدر الدین شعبہ عربی وفاقی جامعہ اردو، کراچی

ABSTRACT: *The article presented, discuses an issue of Islamic theology & jurisprudence pertaining to the issue of "permissibility of transferring rewards of one's deeds & practices to a fellow Muslim, deceased or alive" in the light of Ahadith. The writer elaborates that it is permitted in the light of the sayings and traditions of prophet Muhammad (peace be upon him), for a Muslim to convey the rewards of his good deeds to a deceased or alive Muslim fellow in the shape of prayers, fasting, recitation of holy Qur'an, etcetera. In this regard the writer also mentions insightful references from the life of the companions of Prophet Muhammad (peace be upon him). Furthermore, the writer also mentions the views of Islamic scholars on the above mentioned issue. According to a majority of the jurists and scholars, it is permissible in the light of Islamic theology and practice. Detailed views of four famous jurists of Islamic fiqh and jurisprudence on the subject are also present along with their arguments.*

KEYWORDS: *Esal-e-Swab, Quran, Hadith, Paying Homage, Scholarly Analysis*

اسلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا وہ دین مبین ہے جس میں دنیاوی واخروی سعادتیں انسان کے لئے ہمہ وقت موجود رہتی ہیں، ان سعادتوں میں نیکی وہ بنیادی تصور ہے جس کے وسیع دائرے میں صبح وشام کے ہزاروں اعمال داخل ہو جاتے ہیں، اللہ تعالی جل جلالہ نے آخرت میں کامیابی کا دار و مدار انہی اعمال پر رکھا ہے، یہ اعمال جس طرح خود انسان کے اپنے کام آتے ہیں اسی طرح دوسروں کی بخشش و مغفرت کا باعث بھی بنتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں (ایصال ثواب) کی اصطلاح ہر دور میں معروف رہی ہے۔

ایصال ثواب سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی عمل صالح کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے، جمہور مسلمانوں کے نزدیک کسی انسان کا اپنے کسی نیک عمل کا ثواب زندہ یا مردہ کو پہنچانا درست اور جائز عمل ہے، خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا تلاوت قرآن کریم یا ذکر یا طواف یا حج وعمرہ یا اس کے علاوہ کوئی بھی نیک عمل، لہذا شریعت اسلامیہ میں یہ طے شدہ امر ہے کہ ایک شخص کی دعا اور نیک عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، ایک کی نیکی سے دوسرے کو برکت ملتی ہے، ایک کی شفاعت سے دوسرے کی بخشش ہوتی ہے، اور ایک کی کوشش سے دوسرے کو درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:

"والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان"(۱)

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے۔" اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ

اس دنیا سے رحلت فرما جانے والے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، اگر ان کی دعا دوسروں کے لیے فائدہ مند نہ ہوتی تو انہیں کبھی اس بات کی کا حکم نہ دیا جاتا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایصال ثواب ایک مشروع عمل ہے۔

منتخب شدہ عنوان (قرآن وسنت کی روشنی میں ایصال ثواب کا تصور ایک علمی و تحقیقی جائزہ) میں ایصال ثواب پر ذخیرہ احادیث سے چند احادیث مبارکہ اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام کے چند اقوال جمع کیے گئے ہیں تاکہ یہ مسئلہ احادیث اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں واضح ہو جائے۔

باپ کی نیکی کا اولاد کو اخروی فائدہ: ایک طرف باپ کی نیکی سے اولاد کو دنیا میں اللہ تعالی فائدہ پہنچا رہا ہے تو دوسری طرف باپ ہی کے نیک اعمال کے باعث اولاد کو جنت کے بلند درجات سے سرفراز فرما رہا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "والذين أمنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان ألحقنا بهم ذريتهم وما ألتنهم من عملهم من شيئ" (۲) ترجمہ: " اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہیں کریں گے۔"

مشہور مفسر امام ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم، لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنین کی اولاد بھی ایمان میں اپنے ماں باپ کی راہ پر چلی یعنی اولاد بھی ایماندار تھی لیکن جس قدر اعلی درجے کے اعمال صالحہ بڑے بزرگوں کے تھے ان جیسے تو ان کے اعمال نہ تھے کچھ کم تھے تو اللہ تعالی ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں بھی ان کے بڑوں باپ دادا کی درجے میں پہنچا دے گا، تاکہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں، چھوٹوں کے اعمال میں اضافہ ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہیں کیا جائے گا بلکہ محسن و مہربان خداوند قدوس اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بھی فرماتے تھے، اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ (۳) بزاز اور ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی مومنین کی اولاد کے درجات کو بڑھا کر ان کے بھائیوں کے ساتھ بلند درجات میں پہنچا دے گا اگرچہ وہ عمل کے لحاظ سے ان سے کم درجے کے تھے۔ (۴)"

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "آیت کے معنی یہ ہیں کہ صالحین کی اولاد کو ان کے درجہ عمل سے بڑھا کر صالحین کے ساتھ ملحق کرنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ صالحین کے عمل میں سے کچھ کم کر کے ان کی اولاد کا عمل پورا کیا جائے بلکہ اپنے فضل سے ان کے برابر کر دیا گیا۔" (۵)

امام زمخشری المتوفی ۵۲۸ ھ لکھتے ہیں : "(بإيمان ألحقنا بهم ذرياتهم) أي بسبب إيمان عظيم رفيع المحل وهو إيمان الأباء، ألحقنا بدرجاتهم ذريتهم وإن كانوا لايستأهلونها تفضلا عليهم وعلى أبائهم لِتُتِمَّ سرورهم ونكمل نعيمهم"(۶) ترجمہ:" اوران کے اعلیٰ ایمان اور بلند مقام کے سبب ان کے باپ دادا کے بلند مقامات میں ان کی اولاد کو بھی پہنچادیا، حالانکہ فضل و کمال کے اعتبار سے وہ اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے تھے ، لیکن ان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے اور ان کی نعمتوں کو پورا کرنے کی غرض سے ان کی اولادوں کو بھی ان کے ساتھ پہنچادیا گیا۔"

امام ابوحیان المتوفی ۷۴۵ھ لکھتے ہیں : "قال الجمهور وابن عباس وابن سعيد بن جبير وغيرهما أن المؤمنين الذين اتبعتهم ذريتهم فى الإيمان يكونون فى مراتب أبائهم وإن لم يكونوا فى التقوى والأعمال مثلهم كرامة لأبائهم." (۷) ترجمہ:" جمہور اور ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ فرماتے ہیں : بے شک ایمان والے لوگ جن کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی وہ اولاد بھی والدین ہی کے درجات میں ہوں گے ، اگرچہ وہ تقوی اور اعمال کے اعتبار سے ان تک نہ پہنچے ہوں ، لیکن بلندی درجات ان کے باپ دادا کی تقوی کی وجہ سے انہیں ملے گی۔"

مذکورہ تفصیلات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارہ ہوگئی کہ ماں باپ کے نیک اعمال کا فائدہ آخرت میں اولاد کو پہنچ رہا ہے ، اس کے باوجود کے اولاد عمل میں اپنی ماں باپ کے رتبے کو نہ پہنچ سکی ، لیکن ماں باپ کے نیک اعمال کی برکت سے جنت میں رتبہ اور درجہ ماں باپ والے ہی مل گیا۔

دعاو استغفار کا ایصال ثواب: علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں کہ :"أما الدعاء والاستغفار والصدقة وأداء الواجبات فلا أعلم فيه خلافا." (۸) ترجمہ:" جو مسلمان فوت ہو جائے اس کے لیے دعا، استغفار، صدقہ و خیرات ، حقوق و واجبات وغیرہ کی ادائیگی وغیرہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔" دعا ایک ایسی عظیم الشان نعمت خداوندی ہے کہ جس کے طلبگار سرور دوعالم ﷺ بھی تھے ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے ، رسول اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے رخصت کرتے ہوئے فرمایا:"لاتنسانا يا أخي من دعائک ." (۹) ترجمہ: بھائی جان! ہمیں اپنی دعا میں نہ بھولنا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :"قال رسول الله ﷺ : ماالميت في القبر إلا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو أخ أو صديق ، فإذا لحقته كان أحب إليه من الدنيا وما فيها ، وإن الله تعالى ليدخل على أهل القبور من

دعاء أهل الأرض أمثال الجبال ، وإن هدية الأحياء للأموات الاستغفار لهم۔" (۱۰)
ترجمہ:" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر میں مردہ کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی آدمی پانی میں ڈوب رہا ہو اور کسی کو مدد کے لیے پکار رہا ہو، وہ ہر وقت انتظار میں رہتا ہے کہ اسے اس کے باپ یا ماں، یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے کوئی دعا پہنچے، جب اسے کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا (ایصال ثواب) اسے دنیا و مافیہا ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے، اور اللہ رب العزت دنیا والوں کی اس دعا کو قبر والوں کو پہاڑوں کی مانند (بڑھا کر) پہنچاتا ہے، اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لیے بہترین تحفہ دعائے مغفرت ہے۔"

ملا علی القاریؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: "أو صديق أي صاحب أو محب أو رفيق ، ويمكن أن يراد به الولد (فإذا لحقته) أي وصلته الدعوة ، قال ابن حجر بأن دعي له بها فإنه تصل إليه بمجرد ذلک إجماعا (كان) أي لحوقها إياه (أحب إليه من الدنيا وما فيها) أي من مستلذاتها وقال ابن حجر أي لو عاد إليها (وإن الله ليدخل على أهل القبور) أي ممن هو تحت الأرض (من دعاء أهل الأرض) أي ممن هو من فوق الأرض ، ومن تعليلية أو ابتدائية (أمثال الأرض) أي من الرحمة والغفران لو تجسمت۔" (۱۱) ترجمہ:" صدیق کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ساتھی، محب یا رفیق، اور یہ ممکن ہے کہ اس سے مراد ولد ہو، فإذا لحقتہ، ابن حجرؒ نے فرمایا: اجماع امت ہے کہ یہ دعا میت کو پہنچتی ہے، کان أحب إلیہ میں کان کی ضمیر کا مرجع لحوقھا ہے من الدنیا و مافیھا سے مراد دنیا کے مستلذات ہیں، اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں لو عاد إلیھا (یعنی یہ دعا کا پہنچنا اس کے لیے دنیا و مافیھا کی طرف لوٹ آنے سے زیادہ محبوب ہوتا ہے) من دعاء أهل الأرض، یہ من تعلیلیہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائیہ ہو، أمثال الجبال یعنی دعا کے ثواب کو اگر جسمانی صورت دی جائے تو وہ پہاڑ کی مانند ہوں۔"

اس حدیث مبارکہ میں ماں، باپ، بھائی اور دوست کا ذکر اور پھر من دعاء أهل الأرض اور نیز هدية الأحياء إلى الأموات کی تصریح اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایصال ثواب ماں، باپ اور اولاد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر مسلمان اس میں شامل اور شریک ہے، پھر اس میں مرد و زن کی بھی تفریق نہیں، جو مسلمان جس کسی مسلمان کے لیے ایصال ثواب کا ہدیہ بھیجے اللہ تعالی محض اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب اسے پہنچا دیتے ہیں۔

صدقات کا ایصال ثواب: رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق صدقہ و خیرات کا اجر و ثواب میت کو پہنچتا ہے، آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ فوت شدہ والدین کے لیے صدقہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: "قال رسول الله ﷺ : ما على أحدكم إذا تصدق بصدقة تطوعا أن يجعلها عن أبويه ، فيكون لهما أجرها ولاينقص من أجره شيئ ۔" (۱۲) ترجمہ:" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب نفلی صدقہ کرے تو اس میں حرج نہیں کہ اس کو اپنے والدین کے (ثواب

پہنچانے) کے کردے تو والدین کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا، اور صدقہ کرنے والے کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"
اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے ذریعے سے ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کرنے سے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب کسی عمل کا ایک سے زیادہ افراد کو ثواب پہنچایا جائے تو سب افراد کو پورا پورا ثواب پہنچتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ: "أجرھا کا مرجع صدقہ ہے، جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقۃ ہے، نہ کہ جزء الصدقۃ، اور لھما سے متبادر اور ظاہر اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے، اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے، اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے، پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا، اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اس لیے معتبر نہیں۔"(۱۳)

نماز جنازہ کا ایصال ثواب: اللہ جل مجدہ کی شان کریمی کہ بندے کے وصال کے بعد بھی اس کی بخشش اور مغفرت کے لیے نماز جنازہ کا حکم فرمایا تاکہ مسلمانوں کے اس اجتماعی عمل (نماز جنازہ) سے رحمت خداوندی گنہگار مسلمان کو اپنی آغوش میں لے لے، نماز جنازہ میت ہی کے لیے ہوتا ہے اور یہ بھی ایک ایصال ثواب کا انداز ہے اور اس سے میت کو بھرپور فائدہ پہنچتا ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما من میت تصلي علیہ أمۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون لہ إلا شفعوا فیہ ۔" (۱۴) ترجمہ: "جس میت پر مسلمانوں کی ایسی جماعت نماز پڑھے جس کی تعداد ایک سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور میت کے لیے سفارش کریں یعنی اللہ سے مغفرت اور رحمت کی دعا مانگیں تو ان کی یہ سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول کی جاتی ہے۔"

حج و عمرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو ایصال ثواب کرنا: حج و عمرہ اگرچہ بدنی عبادت ہے لیکن اس کی ادائیگی مخصوص مقام پر جا کر کی جاتی ہے، اس لیے اس مقام تک پہنچنے کے لیے اگر مال کی ضرورت ہو تو اس کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے حج و عمرہ کو مالی و بدنی عبادت کا مجموعہ کہا جاتا ہے، حج و عمرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو ایصال ثواب کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:
"إن النبي ﷺ سمع رجلا یقول لبیک عن شبرمۃ، قال: من شبرمۃ، قال: أخ لي أو قریب لي، قال: حججت عن نفسک؟ قال: لا، قال: حج عن نفسک ثم حج عن شبرمۃ ۔" (۱۵) ترجمہ: "نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا کہ شبرمہ کی طرف سے لبیک، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا (یہ کہا کہ) میرا عزیز ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اپنا حج کر لیا ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اپنا حج کریں، پھر آپ شبرمہ کی طرف سے حج کریں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزیز و اقارب کے حق میں بھی ایصال ثواب کرنا درست ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں فوت شدہ مسلمانوں کو ثواب پہنچانے کے لیے حج اور نیک اعمال کرنے کا معمول رہا ہے، لہذا بعض لوگوں کا یہ اعتراض کہ صحابہ کرام میں ایصال ثواب کا معمول نہیں تھا یہ درست نہیں ہے۔

قربانی کے ذریعہ سے ایصال ثواب کرنا: مالی صدقات میں سے قربانی بھی ایک گراں قدر صدقہ ہے، رسول اکرم ﷺ نے فوت ہو جانے والے اعزہ و اقارب کے لیے اور زندہ احباب اور فوت شدہ مسلمانوں کے لیے قربانی کے ایصال ثواب کی ترغیب دی ہے، اور آپ ﷺ نے خود بھی امت کے زندہ اور فوت شدہ اور مستقبل میں پیدا ہونے والے ایماندار لوگوں کے لیے قربانی دے کر اس کے جواز پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عید الاضحی کے موقع پر ایک اچھے موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی فرمائی اور اس کو ذبح کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وال محمد ومن أمۃ محمد۔" (۱۶) ترجمہ: " بسم اللہ، اے اللہ! اس کو قبول فرما محمد ﷺ کی طرف سے اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے۔"

اس حدیث مبارک سے مندرجہ ذیل چند امور معلوم ہوئے:

(۱) پہلا امر یہ معلوم ہوا کہ قربانی کے ذریعہ سے بھی ایصال ثواب کرنا درست ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ایصال ثواب کرنے کے لیے یہ قربانی فرمائی۔

(۲) دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ کسی عمل کے ذریعہ سے ایصال ثواب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ عمل عامل کی طرف سے اللہ تعالی کی بارگاہ میں قبول ہوا ہو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے قبولیت کی دعا کرتے وقت پہلے اپنی طرف سے اس کے قبول کرنے کی دعا فرمائی، لہذا جس عمل میں اخلاص نہ ہو یا اور کوئی خرابی ہو جس کی وجہ سے وہ عمل اللہ تعالی کی بارگاہ میں قبول نہ ہو اس کا ایصال ثواب نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ایک عمل سے کئی افراد بلکہ سب مسلمانوں کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک قربانی کے ایصال ثواب میں پوری امت کو شریک فرمایا۔

(۴) چوتھا امر یہ معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے عمل سے ایصال ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس قربانی کو اپنی طرف سے قبول کرنے کی بھی اللہ تعالی سے دعا فرمائی۔

(۵) پانچواں امر یہ معلوم ہوا کہ ایصال ثواب والا عمل کرتے وقت دوسرے کو ایصال ثواب کرنے کی نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ ضروری نہیں، اور نبی اکرم ﷺ کی زبان سے نیت کے الفاظ ادا فرمانے میں امت کے لیے کئی چیزوں کی تعلیم مقصود تھی، جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے۔

(۶) چھٹا امر یہ معلوم ہوا کہ ایصال ثواب زندہ اور مردہ دونوں قسم کے مومن بندوں کو کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری امت کی طرف سے قربانی فرمائی، اور آپ کی امت کے بعض افراد اس وقت فوت ہو چکے تھے، اور بہت سے زندہ تھے، اور بہت سے ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

چاروں فقہ کی کتب سے ایصال ثواب: مالی عبادات مثلاً صدقہ و خیرات کے ذریعہ سے ایصال ثواب کرنے پر تو چاروں فقہاء کرام کا اتفاق ہے، لیکن مالی عبادات کے علاوہ بعض بدنی عبادات مثلاً تلاوت وغیرہ کے ذریعہ سے ایصال ثواب کے بارے میں اگرچہ مشہور یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی □ اس کے قائل نہیں، لیکن اولاً تو امام مالک اور امام شافعی □ کے فقہ کی کئی متعلقہ کتب سے اس کے ثبوت ملتا ہے۔

دوسرے مالی عبادات کی طرح بدنی عبادات کے ذریعہ سے بھی ایصال ثواب ہو سکنے کے دلائل اتنے قوی اور مضبوط ہیں کہ جن کے پیش نظر ان دونوں فقہاء کرام کے فقہی مذاہب کے شارح و ترجمان متعدد متاخرین فقہاء و مشائخ نے بدنی عبادات کی صورت میں بھی ایصال ثواب کو جائز قرار دیا ہے، اور انہوں نے اپنے ان دونوں آئمہ مذہب کے بدنی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب صحیح نہ ہونے کے اقوال کی ایسی تشریح و توجیہ کی ہے کہ جس سے ان فقہاء کی طرف بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصال ثواب ہونے کی مطلقاً نفی نہیں ہوتی۔

فقہ حنفی: فقہ حنفی کی مشہور اور درسی کتاب، الہدایہ میں ہے: "الأصل في هذا الباب ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو غيرها عند أهل السنة والجماعة۔"(۱۷)

ترجمہ: اس باب میں اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور نیک عمل۔

فقہ حنفی کے مشہور امام علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ: "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنہ والجماعۃ صلوٰة كان أو صوماً أو حجاأو صدقۃ أو قرأة للقرأن أو الأذكارأو غير ذلك من أنواع البر ويصل ذلك إلى الميت وينفعه۔" (۱۸) ترجمہ: اہلسنت والجماعۃ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی انسان اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو پہنچائے خواہ عمل نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ وخیرات ہو یا تلاوت قرآن یا ذکر یا اس کے علاوہ نیک اعمال میں سے کوئی بھی عمل ہو اور ان اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے فائدہ بھی دیتا ہے۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ: "(باب الحج عن الغير) لما كان الحج عن الغير كالتبع أخره، والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰةً أو صوماً أو صدقةً او قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة۔" (۱۹) ترجمہ: یہ باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں ہے۔ جب دوسرے کی طرف سے حج کرنا تابع کی طرح ہے اس لیے اس کو بعد میں ذکر کیا۔ اس باب میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا قرآن مجید کی تلاوت ہو یا ذکر واذکار ہو یا طواف ہو یا حج ہو یا عمرہ ہو یا ان کے علاوہ ہو، یہ ہمارے حضرات کے ہاں کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

فقہ حنبلی: علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ: "وأَيُّ قُربۃ فَعَلَهَا وجعل ثَوَابَهَا لِلْمَيّتِ المسلمِ نَفعَهُ ذلك إن شاء الله." (۲۰) ترجمہ: اور جو نیک کام بھی مسلمان کرے اور اس کا ثواب مسلمان میت کو پہنچائے تو اس سے میت کو ان شاء اللہ تعالیٰ نفع وفائدہ پہنچتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: "والعبادات قسمان مالية و بدنية، وقد نبه الشارع بوصول ثواب الصدقۃ على وصولِ ثواب سائر العبادات الماليّۃ، ونبّه بوصولِ ثواب الصوم على وصول سائر العبادات البدنيۃ وَأَخْبَرَ بوصول ثواب الحج المركب من الماليۃ والبدنيۃ، فالأنواعُ الثلاثۃ ثابتۃٌ بالنصِّ والاعتبار۔" (۲۱) ترجمہ: اور عبادتیں دو قسم کی ہیں ایک مالی اور دوسری بدنی، نبی کریم ﷺ نے صدقہ کا ثواب پہنچنے کے ذریعہ سے تمام مالی عبادات کا ثواب پہنچنے پر اور روزہ کا ثواب پہنچنے کے ذریعہ سے تمام بدنی عبادات کا ثواب پہنچنے پر آگاہ فرمایا، اور نبی اکرم ﷺ نے حج "جو کہ مالی اور بدنی عبادت سے مرکب ہے" کا ثواب پہنچنے کی خبر دی ہے، تو تینوں قسم کی عبادات کے ذریعہ سے ثواب پہنچنا نص اور قیاس کے ذریعہ سے ثابت ہو گیا۔

فقہ مالکی: امام قرطبی مالکیؒ اپنی کتاب "التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ" میں فرماتے ہیں کہ: "وأنه يَصِلُ إلى الميت ثوابُ ما يُقرأُ وَيُدْعٰى وَيُسْتَغْفَرُلَهُ وَيُتَصدَّقُ عليه ذكره ابو حامد في كتاب الاحياء وابو محمد عبد الحق في كتاب العاقبة لهُ۔" (۲۲) ترجمہ: اور بلاشبہ میت کو جو کچھ تلاوت کی جائے اور دعا کی جائے اور اس کے لئے استغفار کیا جائے، اور اس پر صدقہ کیا جائے (ان سب چیزوں کا) اس کو ثواب پہنچتا ہے۔ ابو حامد نے کتاب الاحیاء میں اور ابو محمد عبد الحق نے اپنی کتاب العاقبۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

فقہ شافعی: بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصال ثواب کے ثبوت کے دلائل اتنے قوی اور مضبوط ہیں کہ امام بیہقیؒ جو امام شافعیؒ کے مسلک کی طرف مائل ہیں، انہوں نے بھی اس بارے میں ان قوی اور مضبوط دلائل ہی کی بنیاد پر امام شافعیؒ کی تحقیق سے اختلاف

کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اموات کے لیے مالی عبادات کی طرح بدنی عبادات کا بھی ایصال ثواب کرنا اور ایصال ثواب کیے جانے والے لوگوں کو نفع اور ثواب پہنچنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس لئے یہی حق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں امام بیہقیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: "قال البيهقي في الخلافيات هذه المسالة ثابتة لا أعلمُ خلافاً بين أهل الحديث في صِحّيّها فوجب العملُ بها، ثم ساق بسندهإلى الشافعي قال كلما قلتُ وصحَّ عن النبي صلى الله عليه وسلم خلافهُ فخُذُوْ بالحديث ولا تَقَلِّدُوْنِىْ۔"(۲۳) ترجمہ: امام بیہقی ؒ نے الخلافیات میں فرمایا کہ یہ مسئلہ (یعنی فوت شدہ مسلمانوں کو نماز، روزہ سے ایصال ثواب) ثابت ہے اور اس کے ثبوت کے صحیح ہونے میں مجھے معلوم نہیں کہ حدیث میں کوئی اختلاف ہو، لہذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے۔ پھر اپنی سند سے امام شافعی ؒ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں جو کچھ کہوں اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میری تقلید نہ کرو۔

علامہ دمیاطی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: "وقال المُحِبُّ الطبري يصل إلى الميت كل عبادةٍ تُفعلُ واجبۃً أو مندوبۃً، وفي شرح المختار لمؤلفه فمذهب أهل السنۃ أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله وصلوتهلغيرهويصلهُ۔" (۲۴) ترجمہ: اور محب طبریؒ نے فرمایا کہ میت کے لیے جو بھی عبادت کی جائے خواہ واجب ہو یا نفلی اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور انہیں کی تالیف شرح مختار میں ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل اور نماز وغیرہ کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے، اور دوسرے کو اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔

بحث کا خلاصہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک میت کے لیے ایصال ثواب جائز ہے، اور اس پر سب متفق ہیں، البتہ عبادات کی بعض اقسام کے متعلق ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل سنت والجماعت میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ عبادات بدنیہ محضہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا (جیسے نماز اور روزہ)، البتہ ان کے حق میں دعائے خیر کی جا سکتی ہے، اور عبادات مالیہ محضہ کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے جیسے صدقہ وغیرہ، اسی طرح ان عبادات کا ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے جو بدنیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مالیہ بھی ہوں، جیسے حج، لیکن شافعیہ کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ میت کو تلاوت قرآن کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور جمہور کا مسلک ایک معتدل مذہب ہے، نہ تو اس میں امام احمدؒ کے مسلک کی طرح وسعت ہے کہ خالص عبادات بدنیہ میں بھی نیابت کو جائز قرار دے دیا اور نہ ہی امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کی طرح تنگی ہے کہ میت کو عبادات بدنیہ محضہ کا ثواب بھی نہیں پہنچایا جا سکتا ہے۔ (۲۵)

حواشی وحوالہ جات

(۱) القرآن الکریم، سورۃ الحشر، آیۃ نمبر ۱۰

(۲)القرآن الکریم، سورۃالطور، آیۃ نمبر ۲۱

(۳)ابن کثیر ،الامام أبوالفداءاسماعیل(۴۷۷ھ) تفسیر ابن کثیر ،، دار الفکر بیروت، سن طباعت، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۶م، ج: ۴، ص: ۲۴۲

(۴)ابن کثیر ،الامام أبوالفداءاسماعیل(۲۷۷ھ) تفسیر ابن کثیر، دار الفکر بیروت، سن طباعت، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۶م، ج: ۴، ص: ۲۴۲

(۵)مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۳۸ھ ۲۰۱۷م، ج: ۸، ص: ۱۸۱

(۶)جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری(۵۳۸ھ) تفسیر کشاف، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵م، ج: ۴، ص: ۲۴

(۷)ابوحیان، محمد بن یوسف(۷۴۵ھ)البحر المحیط، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ، ج: ۹، ص: ۵۷۰

(۸)ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی(۵۴۱—۶۲۰ھ)، المغنی لابن قدامہ، دار الکتب العربیہ بیروت، ج: ۳، ص: ۴۲۶

(۹)أبوداؤد، سلیمان بن أشعث السجستانی(۲۰۲—۲۷۵ھ)السنن، مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان، ج: ۱: ص، ۲۲۰

(۱۰)ولی الدین، محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکوۃ المصابیح، ج: قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۶۸ھ، ج: ۱، ص: ۲۰۶

(۱۱)ملا علی قاری، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی(۱۰۱۴ھ)، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، مکتبہ امدادیہ ملتان، ج: ۵، ص: ۱۴۶

(۱۲)الطبرانی، أبوالقاسم سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی(۲۶۰—۳۶۰ھ)المعجم الأوسط، دار الفکر عمان أردن(۱۴۲۰ھ—۱۹۹۹ء) ج: ۵، ص ۳۹۴

(۱۳)مولانا اشرف علی تھانوی، بوادر النوادر،، مکتبہ ادارہ اسلامیات لاہور(۱۴۰۵ھ—۱۹۸۵ء)، ص: ۳۵۴

(۱۴)مسلم، ابن الحجاج أبوالحسن القشیری النیسابوری(۲۰۶—۲۶۱ھ)الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۲۰۱۶م، ج: ۱، ص: ۳۴۰، حدیث نمبر ۹۴۷

(۱۵)أبوداؤد، سلیمان بن أشعث السجستانی(۲۰۲—۲۷۵ھ)السنن، میر محمد کتب خانہ کراچی، ج: ۱، ص: ۲۵۲

(۱۶)مسلم، ابن الحجاج أبوالحسن القشیری النیسابوری(۲۰۶—۲۶۱ھ)الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۲۰۱۶م، ج: ۱، ص: ۷۸۲، رقم الحدیث ۱۹۶۷

(۱۷)علی ابوالحسن برہان الدین، الہدایۃ، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ، ج: ۱، ص: ۲۷۷

(۱۸)طحطاوی، احمد بن محمد بن اسماعیل(۱۲۳۱ھ)حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص، ۶۲۲

(۱۹)ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم بن محمد(۹۷۰ھ)البحر الرائق شرح کنز الدقائق، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ج: ۳، ص: ۱۰۵

(۲۰)ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی(۵۴۱—۶۲۰ھ)، المغنی لابن قدامہ، دار الکتب العربیہ بیروت، ج: ۲، ص: ۴۲۳

(۲۱)ابن قیم الجوزیۃ، شمس الدین ابو عبداللہ(۷۵۱ھ) کتاب الروح، دار الکتب العلمیہ بیروت، المسألۃ السادسۃ عشر، ص: ۱۲۲

(۲۲)قرطبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی(۶۷۱ھ)التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۶ھ ۲۰۱۵م، ص: ۶۳

(۲۳)ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن علی(۷۷۳—۸۵۲ھ)، فتح الباری، دار المعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ، ج، ۴، ص: ۱۹۳

(۲۴)ابو بکر عثمان بن محمد الدمیاطی الشافعی(۱۳۱۰ھ)اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷م، ج: ۱، ص: ۳۳

(۲۵)رشید اشرف عثمانی، حاشیہ درس ترمذی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ج: ۲، ص: ۴۹۴

NOOR UL QUR'AN THE POETIC TRANSLATION OF THE HOLY QUR'AN IN SINDHI LANGUAGE BY HAJI AHMED MALLAH

نورالقرآن قرآن پاک کا سندھی شاعری میں منظوم اور نایاب ترجمہ تحقیقی جائزہ

صبغت اللہ میسر

سجاد احمد پنہور

ABSTRACT:

"Noor-ul-Qur'an" the poetic Translation of the Holy Qur'an The poetic translation of the Holy Qur'an in Sindhi language by Haji Ahmed Mallah is famous and highly recognized translation ever in the history of Sindhi religious poetry, in fact it is very historic work done by a Sindhi poet Haji Ahmed Mallah. It is a privilege of Sindhi language that the approved translation of the Holy Qur'an exists in a language which is a masterpiece of Sindhi language and Sindhi poetry. First he translated in (Manzoom) the last chapter (para) of the Qur'an, which was published by the Dar ul Isha'at, Hyderabad, after which the whole Qur'an was translated into the Manzoom translation, which was published by Arbab Allah Jurio Khan from Offset publishing Karachi in 1969. The same translation was published by the Mehran Arts Council in 1978 by the Text Board of Sindh, the key note words written by Dr. Ghulam Mustafa Qasimi, a renowned scholar and researcher of the case, which contains 800 pages of poem. It should be borne in mind that earlier in the Kalhora period in Sindh, the translation of the thirtieth chapter of the Holy Qur'an has been done by Makhdoom Mohammad Hashim Thatwi, the leading scholar of Sindh, but the complete translation of the Holy Qur'an done by Haji Ahmad Mallal the "Noor-ul-Qur'an". In 1996, this translation was published by the Saudi Prince Talal bin Abdul Aziz and distributed fi-sabilillah. Recently it is published by Sindhica Academy. In this case done by Haji Ahmad Mallah, the manzoom translation of the Qur'an, Dr. Ghulam Mustafa Qasmi writes,"This regular translation of the Qur'an is in front of you, which is a new, unique, individualistic and a great translation of his own style".

KEYWORDS: *Noor-u- Quran, Haji Ahmed Mallah, Manzoom Translation of the Holy Qur'an, A privilege of Sindhi Poetry.*

قرآن پاک کا سندھی زبان میں منظوم ترجمہ "نورالقرآن" کے نام سے دنیا بھر میں بیحد معروف و مشہور ہے، جسے سندھی زبان میں ایک نایاب اور شاہکار ترجمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس معروف ترجمہ کے تحریر کرنے والے سندھ کے علائقہ لاڑ کے معروف شاعر مولوی احمد ملاح ہیں۔

آپ کا نام احمد ملاح ولد نانگیو ملاح لاڑ کی طرف بدین کے قریب روپاماڑی سے دو میل دور گاؤں کنڈو میں سنہ 1896ء میں یکم فروری کو پیدا ہوئے، آپ کی وجہ شہرت ایک نایاب سندھی منظوم ترجمہ قرآن پاک ہے۔ یہ منظوم ترجمہ "نورالقرآن" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

احمد ملاح اپنے زمانہ طالب علمی کے اچھے طالب علم، بااخلاق اور نیک سیرت انسان، لائق استاد اور بہترین شاعر تھے، آپ کی وجہ شہرت شاعری ہے، آپ نے متعدد زبانوں، جن میں سندھی، اردو، سرائیکی، عربی، فارسی میں بہترین شاعری کی ہے، شاعری کی ہر صنف پر طبع

آزمائی کی مگر سب سے زیادہ جس صنف میں انہیں پذیرائی ملی وہ ان کی حمدیہ و نعتیہ شاعری اور منظوم ترجمہ ءقرآن ہے، حاجی احمد ملاح کی شاعری میں زباں و بیاں کی روانی پائی جاتی ہے، بعض ادیبوں کا کہنا ہے کہ سندھ میں شاہ عبد الطیف بھٹائی کے بعد اگر کسی شاعر میں زباں و بیاں کی اس قدر روانی پائی جاتی تھی تو وہ شاعر احمد ملاح تھے۔

مولوی حاجی احمد ملاح کا کہا ہوا کلام نہایت آسان فہم اور بلاغت کا شاہکار ہے، آپ کی سندھی زبان میں شاعری نے خصوصی طور پر عوام میں بڑی پذیرائی حاصل کی، اسی سلسلہ میں آپ کو "عوامی شاعر" کہا جانے لگا، آپ قادر الکلام شاعر ہیں اور آپ کی ایک وجہ شہرت یہ بھی تھی کہ آپ فی البدیع شاعری میں بھی بڑی دسترس رکھتے تھے۔ شاعر اپنے عمومی خطاب سے عوامی شاعر بن سکتا ہے بشرطہ کہ اس کا یہ خطاب عام ہو اور اس کی شاعری عروضی ہو، اس معنوی اعتبار سے خلیفہ گل محمدؒ اور حاجی احمد ملاحؒ عوامی شاعر ہیں۔ جبکہ عروضی اعتبار سے موزوں شاعری کی ہے، ان میں شاعر ثناء اللہ ثنائیؒ اور حاجی احمد ملاحؒ عوامی شاعر ہیں۔ 1

مولوی حاجی احمد ملاحؒ نے متعدد زبانوں میں شاعری کی ہے جن میں عربی، فارسی، اردو، سرائیکی اور سندھی زبان میں شاعری پر دسترس رکھتے تھے، سندھی زبان میں ایک بہترین شاعر تھے، آپ کی شاعری سندھی زبان کی لغت اور معنویت کے ساتھ کئی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ 2

مولوی حاجی احمد ملاحؒ نے شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے، آپ کی شاعری عربی، فارسی، سندھی، اردو اور سرائیکی زبانوں میں موجود ہے۔ 3 مولوی حاجی احمد ملاحؒ ایک پُر گو اور فصیح شاعر ہیں، ان کی شاعری میں غزل کی خوبیوں میں سلاست اور روانی ہے، حالانکہ وہ عربی اور فارسی میں کافی مہارت رکھتے تھے تاہم اس دور میں ان دونوں زبانوں میں آپ کی شاعری نے اس قدر پذیرائی حاصل نہ کی جس قدر دیگر شعراء کی شاعری نے کی۔ 4 مگر بلحاظ دیگر سندھی زبان میں آپ کی شاعری میں الفاظ کے چناؤ اور استعمال کے اعتبار سے ان کی سندھی شاعری ایک قابل قدر اور سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ 5

بقول سندھ کے نامور شاعر شیخ ایازؒ کے حاجی احمد ملاحؒ کی شاعری سندھ میں شاہکار شاعر شاہ عبد الطیف بھٹائیؒ کے بعد ایک ایسی شاعری کا درجہ رکھتی ہے جس میں روانی پائی جاتی ہے، ایسے الفاظ جن کو ہم "شاہ جو رسالو" میں تلاش کرتے ہیں ہمیں حاجی احمد ملاح کی شاعری میں ملتے ہیں۔ 6

حاجی احمد ملاحؒ کا کلام فصاحت اور بلاغت کا شاہکار ہے، جو کہ سندھی شاعری میں خصوصیت کا حامل ہے، جس شاعری میں فصاحت اور بلاغت نہیں پائی جاتی وہ عوامی پذیرائی حاصل نہیں کر پاتی، آپ کی شاعری میں برسات کے قطروں کی طرح خیالات کی اُترن ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ سَرزمینِ سندھ کے علاقہ لاڑ سے تعلق رکھنے والے شاعر حاجی احمد ملاحؒ نے باکمال شہرت حاصل کی اور ان کے اس فن شاعری بالخصوص "نور القرآن" پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ 7

حاجی احمد ملاحؒ جس پائے کے معروف و نامور عالم تھے اسی طرح آپ کی شاعری بھی ایک بے نظیر اور بے مثال مرتبہ رکھتی ہے، اسی اعتبار سے آپ کو سندھ کا "بے نظیر شاعر" کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔8 حاجی احمد ملاحؒ سندھ سے تعلق رکھنے والے، لاڑ علاقہ کے یگانہ شاعر تھے، جو کہ سندھی زبان کے "اکابر شاعر" کا درجہ رکھتے ہیں، ان کی شاعری میں شعری روایات کے ساتھ الفاظ کی مہک پائی جاتی ہے۔9

حاجی احمد ملاحؒ کی شاعری میں ان کی نظم گوئی نے سندھی ادب میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کی۔10 حاجی احمد ملاحؒ نے شاعری کی دیگر اصناف پر بھی طبع آزمائی کی مگر ان کی خیال آرائی، واقعات نگاری بڑی اہم ہے، انہوں نے قرآن پاک میں موجود واقعات کو اپنی شاعری کے فن کے ذریعے عوام تک جس روانی اور آسان انداز میں پہچایا ہے، یہ ان کا کمالِ فن ہے، آپ کی شاعری کو "واقعاتی شاعری" کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔11

حاجی احمد ملاحؒ نہ صرف ایک عالم اور شاعر تھے بلکہ ایک مجاہد سپاہی بھی تھے جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں اپنا کردار ادا کیا ہے، آپ نے تحریکِ خلافت، ریشمی رومال تحریک، خاکسار تحریک، آل انڈیا مسلم لیگ میں بھی سرگرم رہے۔12

حاجی احمد ملاحؒ سندھ کے روحانی سلسلہ کے بزرگ خواجہ محمد زمان لنواری شریف رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، جن کا سلسلہء نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، آپ نے سلسلہ لنواری شریف سے فیض حاصل کیا اور بعد میں سلسلہ حق کی تلقین کو تاحیات عوام تک پہچاتے رہے۔13

حاجی احمد ملاحؒ، ایک صاحبِ سیرت اور بااخلاق کردار کے حامل تھے، آپ کی شخصیت، سوانح حیات، شاعری اور علمی کاوشوں کے مختلف پہلوؤں پر متعدد ایم فل اور پی ایچ ڈی مقالہ جات تحریر کئے جا چکے ہیں، ان میں سب سے نایاب اور شاہکار شہرت کا حامل آپ کا منظوم ترجمہ قرآن پاک "نور القرآن" ہے جو کہ سندھی زبان کا ایک نہایت ہی شاندار اور شاہکار ترجمہ جانا جاتا ہے۔14

منظوم سندھی ترجمہ قرآن پاک "نور القرآن" کا تعارف

سندھی زبان کا یہ امتیاز ہے کہ منظور ترجمہ قرآن پاک اس زبان میں موجود ہے جو کہ سندھی زبان اور سندھی شاعری کا شاہکار ہے، سندھی زبان میں موجود یہ منظور ترجمہ قرآن پاک معروف عالم اور شاعر حاجی احمد ملاحؒ نے کیا ہے، حاجی احمد ملاحؒ نے سب سے قبل قرآن پاک کے تیسویں پارہ عمّ کا منظوم ترجمہ کیا جو کہ دار الاشاعت حیدر آباد سے شایع کیا گیا، بعد ازاں مکمل قرآن پاک کو منظوم ترجمہ میں پرویا جسے ارباب اللہ جڑیو خان نے فوٹو آفسٹ کراچی سے غالباً 1969ع میں شایع کروایا، اسی ترجمہ کو 1978ع میں مہران آرٹس کونسل نے سندھ ٹیکسٹ بورڈ کی طرف سے شایع کیا، اس میں مقدمہ سندھ کے نامور عالم اور محقق غلام مصطفیٰ قاسمی رحہ کی طرف سے لکھا گیا، یہ منظوم قرآن پاک آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اس سے پہلے سندھ میں کلہوڑا دور میں قرآن پاک کے تیسویں پارہ عمّ کا منظوم ترجمہ سندھ کے معروف عالم و محقق مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحہ نے کیا ہے مگر مکمل منظوم ترجمہ حاجی احمد ملاحؔ کا کیا ہوا "نور القرآن" ہے۔

1996ع میں اس منظوم ترجمہ قرآن پاک کو سعودی شہزادہ طلال بن عبدالعزیز نے سرکاری طور پر شایع کروا کر فی سبیل اللہ تقسیم کیا، جو کہ اس منظوم ترجمہ قرآن کا اعزاز ہے۔ حاجی احمد ملاحؔ کے اس ترجمہ قرآن پاک کے متعلق لکھے گئے مقدمے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی لکھتے ہیں، "یہ منظوم ترجمہ قرآن پاک جو آپ کے سامنے ہے، جو کہ بالکل نیا، انفرادی حیثیت کا حامل اور اپنے طرز کا ایک بہترین ترجمہ ہے۔"15

نور القرآن سے اقتباس

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اول نام الله جو، جو ڏيندڙ ڏيه ساري
ڏيئي نه پچاري، مڙنيان مهربان گھڻو

سورۃ النصر کا منظوم ترجمہ۔16

اِذا جآءَ نَصرُ اللّٰہِ وَالفَتحُ (1)

جڏهن مدد اچي الله جي ۽ پڻ سوڀ ستار

وَرَءَیتَ النَّاسَ یَدخُلُونَ فِي دِینِ اللّٰہِ اَفوَاجًا (2)

ڏسين ته ماڻھو ملڪ جا، قطارون قطار
گھڙن ڏٿيءَ جي دين ۾ ڇڏي ڪفر جي ڪار

فَسَبِح بِحَمدِ رَبِّکَ وَاستَغفِرهُ

پوءِ پنهنجي پروردگار جا، ڳايج ڳڻ هزار
پوءِ منگ معافي تنهن ڪنان هنجون تنهن وٽ هار

اِنَّه کَانَ تَوَّابًا (3)

بي شڪ بخشڻهار، سو آهه واهر واهه جي

سورۃ الماعون کی آخری دو آیات کا ترجمہ۔17

اَلَّذِینَ هُم یُرَاءُونَ (آیت 6)

ڪن خوشامد خير ۾، چلن اهائي چال

وَیَمنَعُونَ المَاعُون (آیت 7)

بند رکن ٿا پال، اهڪي سهڪي عام سين

سورۃ الکوثر کا منظوم ترجمہ۔18

اِنَّا اَعطَینٰکَ الکَوثَر (آیت 1)

بي شڪ بي انداز، توه ڪياسون تو مٿي

فَصَلِ لِرَبِّکَ وَانحَرَ (آیت 2)

پوءِ دعا گھر، ڏٽيءَ ڪان ڪر نذر نياز

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الاَبتَر (آیت 3)

تو سان جو نا ساز، نانگو نپٽو آھ سو

حاجی احمد ملاحؒ کے علاوہ سندھ کے معروف بزرگ، عالم ادیب اور شاعر سید تاج محمود شاہ امروٹی رحہ، درگاہ امروٹ شریف کے اولین گدی نشیں کا سندھی ترجمہ قرآن پاک بھی ایک نایاب حیثیت کا حامل ہے۔

یہ نایاب قرآن پاک کا سندھی ترجمہ جسے خادم الحرمین شریفین، شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود نے سرکاری طور پر شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس، المدینہ المنورہ، سعودی عرب ، شایع کروایا اور فی سبیل اللہ تقسیم کیا۔ اس قرآن پاک کا مقدمہ شیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد آل شیخ، وزیر الاوقاف، المملکۃ الاسلامیہ العربیہ السعودیہ نے تحریر کیا۔

ان دو تراجم قرآن پاک کا جب تاریخی طور پر بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات واضع طور پر معلوم ہوتی ہے کہ سندھ کی سرزمین کس قدر خوش قسمت اور خوش نصیب ہے کہ، یہاں پر ہی سب سے پہلے دنیا میں قرآن پاک کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ہوا تو وہ سندھی زبان ہے، قرآن پاک نثری ترجمہ دیکھتے ہیں تو وہ بھی یہیں پر ہی ملتا ہے جبکہ منظوم ترجمہ بھی اگر دنیا کی کسی زبان میں سب سے پہلے پہل ہوا تو وہ سندھی زبان میں ہی ہے۔

روزنامہ پاکستان میں مضمون نگار اسلم قائم خانی لکھتے ہیں:

قرآن پاک کا سندھی زبان میں منظوم ترجمہ کرنے والے سندھ کے علاقہ لاڑ کے معروف شاعر مولوی احمد ملاحؒ کی شاعری پر مبنی 12 الگ الگ مجموعوں سمیت سندھ کے طول و عرض میں بکھرے ان کی شاعری کے شائع نہ ہونے والے نسخوں کو اکٹھا کر کے کلیاتِ احمد کے نام سے ترتیب دی جانے والی کتاب اور مولوی موصوف کی غزلیاتِ احمد کی رونمائی بلاول پارک ٹنڈو باگو میں ایک پُر وقار تقریب میں کی گئی.. تقریب کا اہتمام رستمانی ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے کیا گیا۔

تقریب کی صدارت کے فرائض علم وادب کے حوالے سے اپنی الگ شناخت رکھنے والے سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی جامشورو محترم مظہر الحق صدیقی نے ادا کئے، جبکہ ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور محمد سہیل عمر تقریب کے مہمان خصوصی تھے....

"لاڑ کا لعل" کے حوالے سے علمی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھنے والے مولوی احمد ملاحؒ کی شاعری کے الگ الگ مجموعوں اور بکھرے اشعار کو یکجا کر کے موتیوں کی مالا بنا کر کلیاتِ احمد کے نام سے 600 سے زائد صفحات پر مشتمل کتاب ترتیب دینے اور مولوی احمد ملاحؒ کی غزلیات احمد پر اعراب لگانے کا فریضہ انجام دینے والے مقامی پروفیسر ضرار رستمانی کو تقریب رستمانی ایجوکیشن سوسائٹی کے چیئرمین خالد رستمانی نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ ہمارا بھائی ضرار رستمانی اپنے اس کام میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ ہمیں اس کی صحت کے حوالے سے خدشات لاحق ہو گئے تھے، مگر آج تقریب میں جس انداز سے ان کی ان کوششوں کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے، اس سے ہم سب کے سر فخر سے بلند ہو گئے ہیں۔

سندھ کے لاڑ کے علاقہ میں فلسفہ اور اسلامی سکالر کی حیثیت رکھنے والے پروفیسر ضرار رستمانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولوی احمد ملاحؒ کی لازوال شاعری کو ایک جگہ یکجا کرنا ان کی دلی تمنا تھی، جو آج پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سب سے مشکل مرحلہ مولوی احمد ملاحؒ کی "غزلیات احمد" پر اعراب لگانا تھا، جو دو سال کے عرصے میں مکمل ہوا ہے۔ پروفیسر ضرار رستمانی نے کہا کہ اب وہ مولوی احمد ملاحؒ کی شاعری کے تیسرے ایڈیشن کو ترتیب دے رہے ہیں۔ پروفیسر ضرار رستمانی نے کہا کہ ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ لاڑ کے اس عظیم شاعر کو اس انداز میں دنیا کے سامنے لایا جائے کہ کم از کم سندھ اور پاکستان میں تو لوگوں کو پتہ چلے کہ مالی طور پر انتہائی غریب، مگر فکری اور عملی طور پر قدرت کی نعمتوں سے مالا مال مولوی احمد ملاحؒ صرف لاڑ ہی کے نہیں، بلکہ ملکی سطح کے "قومی شاعر" تھے۔

تقریب میں موجود مقررین نے مولوی احمد ملاحؒ کے قرآن پاک کے سندھی زبان میں منظوم ترجمے کو ایک نایاب اور عظیم کارنامہ قرار دیا ہے۔ "نور القرآن" کے نام سے موسوم اس سندھی منظوم ترجمے کو عالم اسلام کے جید علماء اور اسلامی سکالر ہر لحاظ سے درست، شاہکار اور نایاب قرار دے چکے ہیں۔

"نور القرآن" کا پہلا ایڈیشن سابق وزیر اعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم کے چچا ارباب الٰہ جڑیو خان نے خصوصی طور پر شائع کرایا تھا، جبکہ دوسرا ایڈیشن داؤد فاؤنڈیشن کراچی، تیسرا ایڈیشن مہران آرٹ کونسل حیدرآباد، چوتھا ایڈیشن سعودی عرب کی حکومت نے سرکاری طور پر شائع کروایا، جبکہ "نور القرآن" کا پانچواں ایڈیشن سندھ اکیڈمی حیدرآباد نے شائع کرایا تھا۔ مقررین نے قرآن پاک کے سندھی زبان میں منظوم ترجمے "نور القرآن" کو ایک معجزہ قرار دیا ہے۔19

حاجی احمد ملاحؒ کی دیگر کتب

منظوم ترجمہ "نور القرآن" کے علاوہ مولوی احمد ملاحؒ کی شاعری کے مجموعوں میں دیوانِ احمد، گلزارِ احمد، پیغام احمد، غزلیاتِ احمد، معرفِ الٰہی اور فتح لواری سمیت مجموعی طور پر 12 کتب شامل ہیں۔ مولوی احمد ملاحؒ کا ایک اور عظیم کارنامہ ہے جو انہوں نے سرانجام دیا، اس کا اندازہ ان کی کتاب فتح لواری پڑھ کر لگایا جاسکتا ہے۔

مولوی احمد ملاحؒ کی ان کتابوں کا دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس بات کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ان کی یادگار کتب کو نئے سرے سے چھپوا کر کے ان کے علمی کارناموں کو دنیاوی طور پر پذیرائی دی جائے۔ اس علمی اور تاریخی کام سے ممتاز شاعر مولوی احمد ملاحؒ کے کلام اور غزلیات کے رنگ دنیا میں بکھیرے جانے چاہئے، آپ کے نمایاں کارناموں پر علمی شخصیات کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ لکھیں۔

آخر میں میں ان سب احباب اور اداروں کو مبارک باد پیش کروں گا جنہوں نے مولوی احمد ملاح کی کتب مرتب کرکے خصوصاً منظوم ترجمہ قرآن "نور القرآن" نہ صرف سندھ بھر میں بلکہ پاکستان سمیت عالمی سطح پر ان کی شاعری کے موتی یکجا کرنے میں ہر قسم کا عملی کام کیا ہے اور ان کی شخصیت پر علمی وادبی لوگوں نے، تحقیقی مضامین اور مقالے لکھے۔

آخر میں رب العزت سے دعا ہے کہ، اس منظوم ترجمہ قرآن پاک "نور القرآن" کو پوری عالم انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین یارب العالمین۔

حوالہ کتب:

1. بلوچ، نبی بخش خان، ڈاکٹر، "بیلائن جابول" زیب ادبی مرکز حیدرآباد، ایڈیشن دوئم، ص197
2. الانہ، غلام علی، ڈاکٹر، "لاڑ جی ادبی وثقافتی تاریخ" انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی جامشورو، 1977ع، ص323
3. محمد زمان، طالب المولیٰ، مخدوم، "درنایاب عرف یادرفتگان" سندھی ادبی بورڈ جامشورو، ایڈیشن دوئم، 1994ع، ص962
4. قادری، ایاز، "سندھی غزل جی اوسر" انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی جاشورو، ایڈیشن دوئم، 1984ع، ص264
5. میمن، عبدالمجید سندھی، "سندھی ادب جو تاریخی جائزو" روشنی پبلیکیشن کنڈیارو، 2002ع، ص78
6. مجیدی مریم، ایک انٹرویو
7. گرامی، غلام محمد، "تقریظ" دیوانِ احمد، عبدالغفور نیوز پیپر ایجنسی بدین، ایڈیشن دوئم، 2003ع، ص7
8. ڈیپلائی، محمد عثمان، "تعارف" گلشنِ احمد، عبدالغفور نیوز پیپر ایجنسی بدین، ایڈیشن پنجم، 1997ع، ص4
9. سندھی، محمد ابراہیم، "حاجی احمد ملاحؒ۔ سندھی زبان کے بادشاہ شاعر" پیغامِ احمد، حاجی احمد ملاح اکیڈمی بدین، سلسلہ نمبر 4، فروری تامارچ 2007ع، ص9
10. لاشاری، مراد، "احمد ملاحؒ کی شاعری ایک مفکر کے فکر کی پرواز" پیغامِ احمد، سلسلہ نمبر 7، ص15
11. ملاح، محمد صدیق، مرحومؒ، "مولوی حاجی احمد ملاحؒ کی واقعاتی شاعری" پیغامِ احمد، حاجی احمد ملاح اکیڈمی بدین، سلسلہ نمبر 8، جنوری 2007ع، ص11
12. ملاح، محمد آدم، "حاجی احمد ملاحؒ کی زندگی کا مختصر جائزہ" پیغامِ احمد بدین، 2006ع، ص6
13. بوبکائی، عبدالقادر، "شانِ لنواری" آفسیٹ پیپر لیتھوورکس لمیٹڈ کراچی، ص20
14. نور القرآن، "حاجی احمد ملاحؒ کے منظوم ترجمہ میں اختیار کردہ طریقہ کار واصول" تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن، مھران اکیڈمی شکارپور، مئی 2013ع

15. گھانگھرو، عبدالرزاق، "پی ایچ ڈی مقالہ"، حاجی احمد ملاح

16. القرآن، سورۃ النصر

17. القرآن، سورۃ الماعون

18. القرآن، سورۃ الکوثر

19. اسلم قائم خانی، مضمون نگار، روزنامہ پاکستان، 6 نومبر 2013ع

THE RIDICULE OF ISLAM ON SOCIAL MEDIA, ITS CAUSES, IMPACT AND ERADICATION: AN ANALYSIS WITH REFERENCE TO NATIONAL LAW

سوشل میڈیا پر استہزاءِ اسلام اسباب، اثرات و سد باب، ملکی قوانین کے تناظر میں جائزہ

حافظ وقاص خان ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

ریاض احمد سعید لیکچرر شعبہ علوم اسلامی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

ABSTRACT: *It's a matter of fact that Muslim societies are facing many socio-political and socio- religious challenges in contemporary era. In which the ridicule of Islam on social media is one of the most important contemporary challenge of the Muslim world. Those who make fun of Islam perform such activities under the guise of freedom of expression. They use different websites of social media for mocking of Islam because social media is the easier way to execute like that activities. Therefore, it is strongly required to critically analyze the issue. This research paper will explore the problem and then it will elaborate the solution to counter this modern challenge. The study will answer the questions that what are the causes and impact of these activities. In this study, analytical and critical research methodology have been adopted to conduct this study. This study assumes that one of the major causes of the mocking of Islam is produce against Islam and some atheist and secular personalities and Lobbies are behind it. Therefore, this study recommends legal and ethical mechanism required to be developed to stop the ridicule of Islam on social media at personal and collective level.*

Keywords: *Social media, ridicule of Islam, Causes and impact Challenge, Strategy*

تعارف: میڈیا اور سوشل میڈیا کے مختلف پہلو ایک اہم موضوع ہے اور تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو آغاز میں اپنا مدعا دوسروں تک پہنچانے کے لیے پرنٹ میڈیا کا سہارا لیا جاتا تھا، جس میں اخبارات، مجلہ اور کتب وغیرہ کے ذریعہ اپنی بات پہنچائی جاتی تھی جس کے لیے باقاعدہ طباعت اور چھپائی (printing and publication) کا آغاز 1417ء میں ہوا، پھر الیکٹرانک میڈیا کو اس مصرف کے لیے استعمال کیا جانے لگا، پھر مزید ایک قدم اور اٹھاتے ہوئے 1888ء میں ڈبلیو ہال واکز (W. HALL WAKES)[1] نے ایک تجربے سے تصویر کو برقی لہروں میں تبدیل کیا، 1925ء میں جان ایل برڈ (JOHN L. BIRD)[2] نے مزید تحقیقات کیں اور یوں 1928ء میں پہلی مرتبہ ٹیلی ویژن نشریات ایک پردے پر دیکھی گئیں، 1930ء میں باقاعدہ طور پر لندن میں ٹیلی ویژن پر نشریات کا آغاز ہوا، اور اسطرح بی بی سی۔ لندن دنیا میں ٹیلی وژن دکھانے والا پہ باقاعدہ لاچینل بن گیا۔[3] ان دونوں میڈیا کا استعمال اخراجات کے ساتھ مشروط تھا، تاریخی اور تقابلی جائزہ لیا جائے تو پرنٹ میڈیا میں الیکٹرانک میڈیا کے مقابلے میں اخراجات کم ہوتے تھے، اکیسویں صدی کے آغاز میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے ایک سہل اور سستا ذریعہ سوشل میڈیا کے طور پر متعارف ہوا جس کا استعمال انٹرنیٹ کے ساتھ مشروط تھا اور انٹرنیٹ کے استعمال میں اضافے کے ساتھ ہی سوشل میڈیا کے استعمال میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے، جنوری 2020 کی میڈیا رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں سوشل میڈیا کے صارفین کی تعداد

ساڑھے تین ارب سے تجاوز کر گئی ہے اور اس تعداد میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے، سوشل میڈیا کے صارفین میں اضافے کے ساتھ ہی اظہار رائے کی آزادی کی اہمیت بڑھتی چلی گئی اور اسی کی آڑ میں مستہزئینِ اسلام جو پہلے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیتے تھے اور رسمی قانونی اور اخلاقی پابندیاں ان کے راستے میں رکاوٹ تھیں اب نسبتاً سستے اور سہل سوشل میڈیا پر زیادہ تیزی سے سر گرمِ عمل ہو گئے لہٰذا سوشل میڈیا کو استہزاءِ اسلام کے لیے مستقل مزاجی کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا، غیر مسلم کے ساتھ ساتھ کچھ نام نہاد مسلمان بھی استہزاء اسلام کی مذموم حرکت میں پیش پیش ہیں، آزادی اظہار رائے کا فلسفہ دراصل استہزاءِ اسلام کو ایک نام نہاد قانونی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں ہم سوشل میڈیا پر ہونے والی استہزاء اسلام کی سر گرمیوں کا جائزہ لیں گے، یہ تحقیق ان سوالات کے جوابات بھی دے گی کہ سوشل میڈیا پر استہزاء اسلام کے کیا اسباب ہیں، اس کے نتیجے میں کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور کتنے لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں، اس کے سد باب کے لیے کونسے اقدامات ناگزیر ہیں اور پاکستان میں اس حوالے سے کیا قانون سازی ہوئی ہے نیز اس جرم کے حوالے سے کون سے مقدمات بنے ہیں اور ان مقدمات کے حوالے سے عدالتوں نے کیا فیصلے صادر فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ایسی سفارشات مرتب کرے گی کہ جس پر عملدرآمد کے بعد ان سر گرمیوں کا سد باب کیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ تحقیق استہزاءِ اسلام کی مذموم حرکتوں کو روکنے میں ایک بہتر تریاق ثابت ہو گی۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ:

صحافت اور اس کی آزادی بشمول سوشل میڈیا ایک اہم موضوع ہے اس موضوع سے متعلقہ مختلف تحقیقی مقالات اور علمی مباحث تحریر کیے گئے ہیں جن میں ڈاکٹر عبد القیوم کا تحقیقی مقالہ ب عنوان [4] "Role of social media in the light of Islamic teaching" دسمبر 2015 کے القلم میں شائع ہوا ہے جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سوشل میڈیا کے مثبت اور منفی اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اسلامی تعلیمات کے ابلاغ کے حوالے سے سوشل میڈیا کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، اسی طرح اقراء خالد کا تحقیقی مقالہ بعنوان "سماجی روابط کی ویب سائٹ کے مثبت اثرات" [5] ششماہی تحقیقی مجلہ القمر میں شائع ہوا، جس میں سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا بھر میں آنے والی مثبت تبدیلیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے سوشل میڈیا کی اہمیت اور طاقت کو ثابت کیا ہے نیز معاشرے میں موجود مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد پر سوشل میڈیا کے جو اثرات رونما ہو رہے ہیں ان کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ "جدید سماجی ذرائع ابلاغ کے استعمالات و اثرات کا اسلامی تناظر میں علمی جائزہ" [6] کے عنوان سے ایک مقالہ ایکٹا اسلامیکا میں شائع ہوا، اس مقالے میں سوشل میڈیا کے معاصر استعمالات اور اس میں موجود قباحت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ باور کرایا گیا ہے کہ چونکہ سوشل میڈیا پر دیے جانے والے پیغامات تک بیشمار افراد کی رسائی ہوتی ہے اس لیے مثبت یا منفی پیغام کے اثرات اس کی نوعیت پر منحصر ہوں گے چنانچہ فحش یا منفی پیغامات صارف کے گناہ میں اضافے کا باعث بن سکتے ہیں اسی طرح [7] "How Not to Regulate Social Media" کے عنوان سے Shoshana Weissmann نے ایک

آرٹیکل لکھا جس میں سوشل میڈیا پر موجود مختلف ویب سائٹس کے اصول و ضوابط کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کی آزادی کو قانون کے دائرے میں لانے کی سفارش کی گئی ہے تاکہ اس کے صارفین کو بے مہار آزادی کے بجائے کسی قانون کا پابند کیا جائے۔ ایک اور مقالہ بعنوان "توہین مذہب و رسالت اور سماجی رویہ، اسلامی تناظر میں "[8] اس مقالے میں عمومی طور پر توہین آمیز سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی مختصراً یہ سفارش کی گئی ہے کہ سوشل میڈیا پر ہونے والی توہین آمیز سرگرمیوں کی نشاندہی مکمل ثبوت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اسی طرح ڈاکٹر ریاض احمد سعید اور پروفیسر ڈاکٹر ظاہرہ بشارت کا مشترکہ تحقیقی مقالہ بعنوان "Limits of Freedom of Expression from Islamic Perspective and it's Major Differences from the Western Perspective".[9] شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب کے تحقیقی مجلہ الاضواء میں دسمبر ۲۰۱۹ میں شائع ہوا ہے۔ میری تحقیق سوشل میڈیا کے ایک خاص پہلو "استہزاءِ اسلام" سے متعلق ہے۔ سوشل میڈیا پر گفتگو کے آغاز سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی تعریف بیان کی جائے

سوشل میڈیا کی تعریف

سوشل میڈیا کی مختلف تعریفیں بیان کی جاتی ہیں کیمبرج ایڈوانس ڈکشنری کے مطابق

Websites and computer programs that allow people to communicate and share information on the internet using a computer or mobile phone" [10]

"ایسا ویب سائٹ اور کمپیوٹر پروگرام جو لوگوں کو کمپیوٹر یا موبائل فون کا استعمال کرتے ہوئے انٹرنیٹ پر معلومات کی تکمیل اور ان کا اشتراک کرنے کی سہولت دیتے ہیں"

مریم ویبسٹر ڈکشنری میں سوشل میڈیا کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے

" Forms of electronic communication (such as websites for social networking and microblogging) through which users create online communities to share information, ideas, personal messages, and other content (such as videos)"[11]

" الیکٹرانک مواصلات کے ایسے ذرائع (جیسے سوشل نیٹ ورکنگ اور مائیکرو بلاگنگ کے لئے ویب سائٹیں) جس کے ذریعے صارفین معلومات، خیالات، ذاتی پیغامات اور دیگر مواد (جیسے ویڈیوز) کو شیئر کرنے کے لئے آن لائن کمیونٹی تشکیل دیتے ہیں"

سوشل میڈیا سے مراد انٹرنیٹ بلاگز، سماجی روابط کی ویب سائٹس، موبائل کے ذریعے پیغامات اور دیگر ہیں، روایتی میڈیا سے تعلق رکھنے والے صحافی اور دیگر کاروباری افراد معلومات کو عوام تک پہنچانے کے لیے بڑی تعداد میں سوشل میڈیا سائٹس جیسے فیس بک، ٹوئٹر، مائی اسپیس، گوگل پلس، ڈگ، واٹس ایپ اور دیگر سے جڑے ہوئے ہیں۔

عصر حاضر میں سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر سوشل میڈیا کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ زندگی کے اکثر شعبہ جات کسی نہ کسی صورت سوشل میڈیا سے منسلک دکھائی دیتے ہیں۔

سوشل میڈیا کی اہمیت شہرہ آفاق سائنس دان مکلوہسن نے 60ویں دہائی کے اوائل میں پیشین گوئی کی تھی کہ جلد ہی دنیا ایک گلوبل ولیج(Global village)کی شکل اختیار کرلے گی

"Today, after more than a century of electric technology, we have extended our central nervous system itself in a global embrace, abolishing both space and time as far as our planet is concerned". [12]

انفارمیشن ٹیکنالوجی (information technology)کی حیرت انگیز ترقی کے سبب اس کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوگئی ہے۔ سماجی رابطے کی ویب سائٹس نے اس ضمن میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ سوشل میڈیا الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا سے بھی زیادہ تیزی سے مقبول ہورہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے معلومات کا ذخیرہ آپ تک خود بخود بذریعہ انٹرنیٹ بلاگ، فیز بک پوسٹس، ٹویٹر پہنچ جاتا ہے، ایک چھوٹی سے چھوٹی خبر کو مقبول کرنے کے لیے کسی بھی سوشل سائٹ میں صرف ایک پوسٹ شیئر کرنے کی ضرورت ہے، پھر یہ ہزاروں صارفین کے ذریعے لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے انسان کو اتنا ترقی یافتہ بنادیا ہے کہ وہ اپنا وقت ضائع کیے بغیر کہیں بھی بیٹھے بیٹھے پوری دنیا سے سوشل میڈیا کے ذریعے میل جول رکھ سکتا ہے۔ فیس بک پر موجود لوگوں کو اگر ایک ملک کی آبادی کے مطابق جانچا جائے تو یہ دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے، سوشل میڈیا تجارتی، پیشہ وارانہ، ذاتی اور تنظیمی ہر ایک کی ضرورت پوری کرتا ہے مشرق وسطیٰ میں آنے والے انقلاب میں بھی سوشل میڈیا کا اہم کردار رہا، تیونس کے انقلاب کا جو پہلو سب سے اہم ہے وہ سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی اہمیت ہے۔

سوشل میڈیا کی انفرادیت سوشل میڈیا کو انفرادی حیثیت یوں حاصل ہے کہ اس میں جتنے سامعین اور ناظرین ہوتے ہیں اتنے ہی ناشر ہوسکتے ہیں کوئی بھی شخص بیک وقت ناشر بھی ہوسکتا ہے اور سامع اور ناظر بھی اور سوشل میڈیا کے استعمال کے لیے بجلی کی براہ راست ضرورت نہیں ہوتی البتہ انٹرنیٹ کے سگنلز کے بغیر سوشل میڈیا کا استعمال نہیں ہوسکتا

سوشل میڈیا کی تاریخ سوشل میڈیا کا استعمال چونکہ انٹرنیٹ سے مشروط ہے اسی لیے انٹرنیٹ کے استعمال میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا وہیں سوشل میڈیا کی ضرورت بھی محسوس کی گئی لہٰذا اکیسویں صدی کے آغاز میں یک بعد دیگرے سوشل میڈیا کی ویب سائٹس لانچ ہونا شروع ہوگئیں، اس کو سائمن اواپنے تحقیقی مقالے میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"In 2000 social media received a great boost with the witnessing of many social networking sites springing up. This highly boosted and transformed the interaction of individuals and organizations who share common interest in music, education, movies, and friendship, based on social networking. Among those that were launched included Lunar Storm, six degrees, world, ryze, and Wikipedia. In 2001, fotolog, sky blog and Friendster were launched, and in 2003, Myspace, LinkedIn, last FM, tribe.net, Hi5 etc. In 2004, popular names like Facebook Harvard, Dogster and Mixi evolved. During 2005, big names like Yahoo!360, YouTube, cyword, and Black planet all emerged" [13]

"سن 2000 میں سوشل میڈیا کو بہت فروغ ملا جس میں بہت سی سماجی رابطوں کی ویب سائٹس شروع ہو گئیں کہ جس سے اُن افراد اور تنظیموں کے مابین باہمی روابط کو فروغ ملا جو سوشل نیٹ ورکنگ پر مبنی موسیقی، تعلیم، فلموں اور دوستی میں مشترکہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ جن ویب سائٹس کو لانچ کیا گیا ان میں لیونر سٹروم، سکس ڈگری، ورلڈ رائزاور ویکیپیڈیا شامل تھے۔ 2001 میں، فوٹولوگ، اسکائی بلاگ اور فرینڈسٹر لانچ ہوئے، اور 2003 میں، مائی اسپیس، لنکڈان، لاسٹ ایف ایم، ٹرائب ڈاٹ نیٹ، ہائی 5 وغیرہ، 2004 میں، فیس بک ہارورڈ، ڈاگسٹر اور میکسی جیسے مشہور نام سامنے آئے۔ 2005 کے دوران، یاہو 360، یوٹیوب، سائورڈ، اور بلیک پلینٹ جیسے بڑے نام سامنے آئے"

سوشل میڈیا کی مشہور ویب سائٹس اور ایپس میں یوٹیوب، فیس بک، ٹویٹر اور واٹس ایپ شامل ہیں

یوٹیوب :14 فروری 2005ء کو ویڈیوز پیش کرنے والی ویب کا آغاز ہوا جس کا ہیڈ کوارٹر کیلفورنیا یونائیٹڈ اسٹیٹ میں ہے، اس ویب سائٹ پر ویڈیوز ڈاؤنلوڈ اور اپلوڈ دونوں کی جاسکتی ہیں، 16 سے زائد زبانوں میں یہ ویب سائٹ موجود ہے

فیس بک: عالمی سطح پر فیس بک Face book سماجی رابطوں میں سرفہرست ہے فیس بک کا آغاز ۴ فروری ۲۰۰۴ میں کیمبرج مسیاچیوٹ یونائیٹڈ اسٹیٹ میں ہوا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر "مینلو پارک کیلیفورنیا میں کیا گیا۔ اس کے بانی مارک زکر برگ، ڈسٹن موسکووٹز، ایڈوارڈو سیورین اور میک کالم چیرس ہگز ہیں، فیس بک کے صارفین کی تعداد کے حوالے سے موجودہ رپورٹ بتاتی ہے

"In 2020, the global number of Facebook users is expected to reach 1.69 billion"[14]

ٹویٹر: ٹویٹر ایک مائیکرو بلاگنگ ویب سائٹ ہے، یہ مختصر طور پر اظہارِ رائے کی جگہ ہے، اس ویب سائٹ پر آپ اپنی رائے کا اظہار ایک سو چالیس حروف میں کرتے ہیں جنھیں ٹویٹ کا نام دیا گیا ہے، اس وقت ٹویٹر پر ساڑھے تین کرڑوڑ صارفین موجود ہیں، اور تقریباً ڈیڑھ کرڑوڑ صارفین روزانہ کی بنیاد پر ٹویٹر استعمال کرتے ہیں

بلاگز : بلاگز ایک ذاتی ڈائری کی طرح ہوتا ہے جو انٹرنیٹ پر لکھی جاتی ہے، بلاگز ویب سایٹ کی ہی ایک قسم ہے جس میں ذوق اور شوق کے مطابق تحریر اور تصویر کے ذریعے خیالات، تجربات اور معلومات لکھی جاتی ہیں، گزرتے وقت کے ساتھ کتاب کے مطالعے کے رجحان میں کمی آرہی ہے، ایسی صورت میں اپنے نظریات دوسروں تک مختصر انداز میں، کم خرچ اور کم وقت میں پہنچانے کا بہترین ذریعہ بلاگز ہیں سال 2020 میں بلاگرز کی تعداد اس رپورٹ میں واضح ہوتی ہے

"To date, there are more than 500 million blogs out of 1.7 billion websites in the world. Their authors account for over 2 million blog posts daily"[15]

"اس وقت دنیا میں 1.7 ارب ویب سائٹوں پر 50 کرڑوڑ سے زیادہ بلاگز موجود ہیں، بلاگرز روزانہ 20 لاکھ سے زیادہ بلاگز ان ویب سائٹس پر پوسٹ کرتے ہیں"

واٹس ایپ: واٹس ایپ بھی سوشل میڈیا ہی کی ایک قسم ہے، واٹس ایپ (What's App) اسمارٹ فونز کے فوری پیغام رسانی کی ایک خدمت ہے۔ ٹیکسٹ پیغام رسانی کے علاوہ، صارفین کو ایک دوسرے کو تصاویر، ویڈیو، اور صوتی پیغامات بھی بھیج سکتے ہیں، واٹس ایپ کی بنیاد دو سابقہ یاہو ملازمین جین کوم اور ان کے ساتھی برائن ایکٹن نے 2009ء میں رکھی، وٹس ایپ اس وقت دنیا کی سب سے مقبول موبائل انٹرنیٹ میسجنگ سروس ہے، اس کا اندازہ فروری 2020ء کی اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔

"It became the world's most popular messaging application by 2015, and has over 2 billion users worldwide as of February 2020"[16]۔

"یہ 2015 تک دنیا کی سب سے مشہور میسجنگ ایپلی کیشن بن چکی تھی، اور فروری 2020 تک اس کے 2 ارب سے زیادہ صارفین ہو چکے ہیں" کسی بھی سرگرمی کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی اسباب ہوتے ہیں اس لیے اسلام کے استہزا کے پیچھے کیا اسباب موجود ہیں اس کا ادراک بہت ضروری ہے تاکہ بہتر انداز میں سد باب کیا جا سکے

استہزاءِ اسلام کے اسباب بنیادی طور پر استہزاءِ اسلام کے تین اسباب ہیں جن میں عناد پرستی، مذہب بیزاری اور شدت پسندی شامل ہے

عناد پرستی عناد پرستی استہزاء اسلام کا ایک بڑا سبب ہے، قرآن میں یہ لفظ اس طرح استعمال ہوا ہے کَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا[17] ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔

قرون اولیٰ میں بھی استہزاء اسلام کا سبب یہی عناد پرستی ہوا کرتی تھی اور عصر حاضر میں بھی استہزاء اسلام کا ایک سبب یہی دشمنی اور ہٹ دھرمی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ امریکہ کی مولی نورس (Molly Norris) نامی ایک کارٹون ساز خاتون نے نبی ﷺ کا ایک معیوب کارٹون بنایا، اس نے مختلف حقیر چیزوں کو نبی ﷺ کی صورت میں تجسیم کیا اور اسے ایک متن کے ساتھ فیس بک پر پیش کر دیا۔ اس متن میں اس نے لوگوں کو 25 مئی 2010ء سالانہ ہر شخص محمد کی تصویر بنائے (Everybody Draw Muhammad Day) کا دن بنانے کی دعوت دی اس کے ساتھ ہی مولی نورس نے ایک گروپ Citizen against Honor (عزت و حرمت کے خلاف لوگ) تشکیل دیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آزادئ اظہار رائے کے نام پر ہر شخص کو اس بات پر ابھارا جائے کہ وہ نبی ﷺ سمیت کسی بھی نبی کا خاکہ بنا سکے، اس نے ایک دعوت نامہ جاری کیا جس میں گلاس، کپ اور دیگر روزمرہ کی مستعمل اشیاء کے خاکے بنا کر لکھا کہ جس طرح ان اشیاء کی تصویر اور خاکے بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے اسی طرح انبیاء کے خاکے بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے . یہ ایک انداز ہے جسے وقتاً فوقتاً اپنایا جاتا ہے کبھی کوئی پیج بنا کر مکمل منصوبے کے ساتھ استہزاء کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی گروپ کے ذریعے اور کبھی کسی مقابلے کے انعقاد کا اعلان کر کے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

شدت پسندی شدت پسندانہ سوچ اور رویہ بھی استہزاء اسلام کا باعث بنتا ہے چاہے اس رویہ کا حامل فرد کسی بھی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اسی شدت پسندی کا ایک نتیجہ سوشل میڈیا پر مستہزئین اسلام کی پوسٹ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یونس خان احمدانی نامی

ملحد نے 12 ستمبر 2019ء کو اسلام بمکالمہ ملحد نامی پیج پر یہ پوسٹ شئیر کی "اسلام میں نام بگاڑنا بڑا گناہ ہے۔۔ گالیاں دینا بھی۔۔ مگر محمد صاحب نے عمر ابن حشام کا نام بگاڑ کر ابو جہل رکھ دیا۔ ادھر اسلام کا اللہ قرآن میں لعنتیں ملامتیں، گالیوں کی بھرمار کرتا رہتا ہے۔۔ تیرے ہاتھ ٹوٹیں تیرے پاوں ٹوٹیں ابو لہب، لعنت ہو وغیرہ وغیرہ جیسی گالیاں اسلامی اللہ نے ہی جیسے ایجاد کی ہوں۔ یقین نہیں آتا تو قرآن کا ترجمہ پڑھ لیں۔۔ مومنین بھی ان کے نقشے قدم پر عمل کر کے گالیاں دینے میں خاص مہارت رکھتے ہیں"[18]

یہ شدت پسندی کا وہ مقام ہے جہاں انسان کو نفسیاتی مریض قرار دیا جاسکتا ہے

مذہب بیزاری استہزاءاسلام کا ایک سبب مذہب سے بیزاری ہے، اولاً مغرب میں مذہب بیزار معاشرہ وجود میں آیا اور اس کے بھی کچھ عقلی اسباب تھے جن کی وجہ سے وہاں کے لوگ مذہب اور عقیدے سے بیزار ہو گئے بعد ازاں اسلامی معاشروں میں بھی یہ عناصر سامنے آئے جو کہ استہزاءاسلام کا سبب بنتے ہیں جس کی ایک مثال بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے ویزٹینگ لیکچرر اور ایم فل انگلش کے طالب علم جنید حفیظ ہیں جنہوں نے استہزاء اسلام کے لیے سوشل میڈیا کو استعمال کیا، اس کے بنائے گئے فیس بُک پیج so called liberals of Pakistan پر 7 مارچ 2013ء ایک پوسٹ لگائی گئی جس میں استہزا کرتے ہوئے لکھا "زینب کے پرکشش جسم پر نظر پڑنے کے بعد ہی عرب سے منہ بولے رشتوں کا رواج ختم کرنے کا خیال کیوں آیا؟" اور اس طرح کے اعتراضات اٹھائے گئے تھے۔ طلبا کی جانب سے شکایت پر اور احتجاج کے بعد گرفتاری عمل میں آئی اور ساڑھے چھ سال مقدمہ چلنے کے بعد 21 دسمبر 2019ء کو اسے سزائے موت کا حکم دیا گیا سزائے موت کے فیصلے کے بعد 24 دسمبر 2019ء کو so called liberals of Pakistan ہی کے نام سے سرگودھا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے حارث محمود قریشی نے گروپ بنایا اور "اسی رات 12:09 پر نے ایک مرتبہ پھر حضرت زینب کے استہزا کے حوالے سے وہی پوسٹ لگائی"[19]

سوشل میڈیا پر استہزاءاسلام کی سرگرمیاں سوشل میڈیا کا استعمال چونکہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی بنسبت نہایت آسان ہے اس لیے مستہزئین اسلام اس میڈیم کو مستقل مزاجی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے لیے فیس بک اور ٹویٹر کا استعمال زیادہ سہل ہے۔

فیس بک ناستک ناستک کے نام سے فیس بک پر ایک اکاؤنٹ موجود ہے جس نے 4 جولائی 2019ء کو یہ پوسٹ لگائی کہ "خیالی خدا کے تمام انبیا میں محمد سب سے بڑا بے وقوف تھا"[20] اس طرح کی پوسٹیں بھی آئے دن فیس بک کی زینت بنی رہتی ہیں پروین شیر از نامی خاتون نے 'ملحد کی دنیا نامی پیج پر یہ پوسٹ لگائی ہے "قرآن منوانے کے لیے گردنیں اتارنی پڑتی ہیں کیونکہ یہ جھوٹ ہے، فزکس کی کتاب کو ساری دنیا بغیر کسی غزوے کے مانتی ہے، کیونکہ یہ سچ ہے"[21] ایسی خواتین وحضرات کو قرآنی آیت "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"[22] کا حوالہ دیکر غزوات کا اصل پس منظر، اسباب اور طریقہ کار سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے پاکستانی فری تھنکرز کے پیج پر تازیانہ نامی اکاؤنٹ سے ایک پوسٹ کی گئی ہے جس کے مطابق "اسلام کے نزدیک سب سے بہادر شخص وہ ہے جو موت کے خوف کے باعث اپنے نائب کے پیچھے جا چھپے اور کہے میرے ماں باپ تجھ پر قربان-- تیر چلا"[23]

اس پوسٹ میں احد کا حوالہ دیکر مذاق اڑایا گیا ہے اسلام بمکالمہ الحاد کے فیس بک پیج پر ناروے سے تعلق رکھنے وال انعمان کری لکھتا ہے "مسلمانوں کو چاہیے ابوہریرہؓ کو دعائیں دیں جو اس وقت کا پڑھا لکھا انسان تھا اور اسنے دو چار جھوٹی روایتیں بنادی کہ علم حاصل کرو، وغیرہ وغیرہ جس وجہ سے آج مسلمان سوشل میڈیا پر یہ بات کرتے ہیں کہ دیکھو حضور نے یہ بات کی ہے ورنہ حضور کو تو پڑھائی لکھائی، علم سے کوئی دلچسپی ہوتی تو آج سائنس اور تعلیم اور فلسفہ کی کتابوں میں ان کا نام چل رہا ہوتا"[24]

م ل حد عارف الدین ملحد کی یہ پوسٹ 23 جنوری 2019 کو فیس بک پر لگی ہے "سوال: پنجوقتہ نماز کیا ھے؟ جواب: م جُوس کی مشابہت میں ایک غیر قرآنی م شق ! سوال: نماز کی اذان کیا ھے؟ جواب: غیر واقعی اور غیر قرآنی کلمات کی چیختی ھوئی تکرار"[25]

اس طرح کی غیر مہذب پوسٹیں سامنے آتی ہیں جن کا اخلاقیات سے دور تک کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا

ٹویٹر: اسلام کا مذاق اُڑانے کے لیے ٹویٹر کا استعمال بھی تواتر کے ساتھ کیا جاتا ہے ٹویٹر پر کافرہ کے نام سے چلایا جانے والا اکاؤنٹ آئے روز استہزاءِ اسلام کے حوالے سے کوئی نہ کوئی ٹویٹ کرتا ہے، اس اکاؤنٹ کے فالورز کی تعداد 3563 ہے، 21 جنوری 2019ء کو اس اکاؤنٹ سے یہ ٹویٹ ہوئی ہے "حضرت عمر کا اصرار تھا کہ محمد اپن ی عورتوں کو پردے م ی ں رکھ ی ں۔ جب پردہ کا حکم نہ آی ا تو عمر نے رات کو پاخانہ وغ ی رہ کے ل ی ے باہر جات ی عورتوں کا پ ی چھا شروع کر دی ا اور آوازی ں دی تے "سودہ ہم نے تم کو پہچان ل ی ا" تاکہ پردے کا حکم جلدی اترے۔ آخر تنگ آکر محمد پر دے وال ی وح ی لے ہ ی آئے"[26]

اس ٹویٹ کو 32 افراد نے پسند کیا ہے اور 11 افراد نے ری ٹویٹ کیا ہے سلمان حیدر نے ٹویٹر پر جمع وتدوینِ حدیث کا اس طرح استہزا کیا ہے "ایک خلیفہ نے حدیثیں گھڑ کر پھیلانے والے ایک مولوی کو پکڑ کیا۔ دربار میں پیشی پر خلیفہ نے کڑک کر اس سے پوچھا۔ تمہیں معلوم ہے حدیث کے مطابق آقا سے جھوٹ منسوب کرنے والے کی کیا سزا ہے۔ مولوی بولا جی معلوم ہے وہ حدیث بھی میری بنائی ہوئی ہے"[27] اس ٹویٹ کو 773 افراد نے پسند کیا 120 افراد نے ری ٹوئیٹ کیا باؤنسر نامی اکاؤنٹ جس کے 2312 فالوورز ہیں اس سے یکم جنوری 2020ء کو ایک ٹویٹ کی گئی جسے 15 افراد نے لائیک کیا اور 5 نے ری ٹویٹ کیا "بلاشبہ مذہب اور خدا اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے. جب تک اس ملک کے باس ی ان دونوں چ ی زوں کو نہ ی ں روندی ں گے سوال ہ ی پ ی دا نہ ی ں ہوتا آگے بڑھ ی ں"[28] انیلا احسان نامی ٹویٹر اکاؤنٹ کو جنوری 2020ء میں بند کر دیا گیا ہے کہ جس پر نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس کے حوالے سے انتہائی بیہودہ پوسٹ کی گئی تھیں

بلاگز: بلاگز کو انٹرنیٹ کی ڈائری کہا جاتا ہے اسلیے اسلام کا مذاق اُڑانے کے لیے اسے بھی استعمال کیا جاتا ہے مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والے "شعوری ملحد کی ڈائری" کے عنوان سے ایک ملحد سید فراز الٰہی رضوی جرأت تحقیق نامی ویب سائٹ پر لکھتا ہے "

"اتن ی دلچسپ بات ہے کہ مسلمانوں کے نزدی ک چودہ سو سال پہلے ک ی ا ی ک کتاب م ی ں پائ ی ک ی حتم ی وی ل ی و، مردانہ کمزوری اور ب ی وی ک ی زبان کے علاوہ زند گ ی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے،۔ پوچھا کہ ک ی ا مردار اور خون کو کھانا حرام ہے

۔جواب ملاہاں۔ پوچھاتو مچھلی کی وں حلال ہے۔ جواب ملا پانی کے جانور تمام حلال ہیں۔ پوچھا کہ کیا سمندری سانپ ،آکٹوپس اور وہیل مچھلی بھی حلال ہے تو جواب ملا کہ جن چیزوں پر شک ہو انھیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ مذہب کی ہ واحد بات میں نے مانی اور خدا کو چھوڑ دیا"[29]

مبشر علی زیدی بلا گز کی ویب سائٹ مکالمہ پر استہزاء خدا کرتے ہوئے 4مارچ 2018 کو "مہنگا خدا" کے عنوان سے یہ بلاگ لکھتا ہے "یہ غریبوں کا خدا ہے۔ ہر وقت غصے میں رہتا ہے۔ آتے جاتے ڈانٹتا رہتا ہے۔اسے مطمئن کرنے کے لیے دن میں پانچ بار نماز اور ایک سپارہ پڑھنا پڑتا ہے۔ رمضان کے تیس روزے لازم ہیں۔ اپنے سر پر ٹوپی اور بیوی کے سر پر ٹوپی والا برقعہ رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی جنت چھوٹی ہے، جہنم بہت بڑا ہے۔ اس کے ساتھ دو چار مولوی لے جانا پڑیں گے "[30]

اس تحریر کو 41966 مرتبہ دیکھا گیا ہے جرأت تحقیق نامی ویب سائٹ پر ایک ملحد سید امجد حسین انتہائی مغلظات کا استعمال کرتا ہے۔ وہ اس عنوان سے 24 جون 2017ء کو ایک بلاگ لکھتا ہے "پھر یوں ہوا کہ اہل مکہ نے محمد کے ساتھ KBC کھیلا "افسوس غلط جواب۔ محمد کے خدا کو پتہ نہیں کہ وہ تین تھے، چار تھے، پانچ تھے یا سات۔ پھر یہ بڑھکیں مارنا کہ اللہ ہی جانتا ہے، اگر جانتا ہے تو آئیں بائیں شائیں کرنے کی ضرورت کیا ہے، بتا کیوں نہیں دیتا"[31]

یوٹیوب: یوٹیوب پر ایک کارٹون فلم "عائشہ اور محمد کے عنوان سے 7 اگست 2018 کو اپ لوڈ کی گئی"[32] 45 منٹ پر مشتمل اس ویڈیو میں محمد ﷺ کو نعوذ باللہ جنس پرست دکھایا گیا ہے، عائشہؓ سے بلوغت سے پہلے زبردستی بغیر ان کی والدہ کی رضامندی کے نکاح کرتے ہوئے دکھایا ہے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کو ایک مظلوم بیوی اور محمد ﷺ کو ایک ظالم شوہر کی صورت میں دکھایا گیا ہے اثرات: 6608 افراد نے اسے دیکھا، 169 نے پسند اور 91 نے ناپسند کیا شام سے تعلق رکھنے والی وفا سلطان پیشے کے لحاظ سے میڈیکل ڈاکٹر اور سائیکیٹرسٹ ہیں۔ اسلام پر تنقید کرنا اور استہزا کرنا ان کی وجہ شہرت ہے، 2009ء میں ایک کتاب " A God Who Hates" کے نام سے لکھی ہے 29 مئی 2008ء کو الحیات ٹی وی پر انٹرویو دیتے ہوئے کہتی ہیں

"I don't view Islam as a religion according to my notion of religion, Islam is a political doctrine, which imposes itself by force. Any doctrine whatsoever that calls to kill those who do not believe in it is not a religion; it is a totalitarian doctrine that imposes itself by force. When I read, for example, the verse: The adulterer and the adulteress – flog each of them with a hundred strips, and don't let compassion for them move you. It strips them of their spirituality as well I don't discern any spirituality in this verse, when a certain faith manages to strip its believers of their last grain of compassion-" [33]

"میں اپنے مذہب کے تصور کے مطابق اسلام کو ایک مذہب کے طور پر نہیں دیکھتی، اسلام ایک سیاسی نظریہ ہے، جو خود کو زبردستی مسلط کرتا ہے۔ کوئی بھی نظریہ جو بھی اس کے نہ ماننے والوں کو مارنے کا مطالبہ کرتا ہے وہ دین نہیں ہے، یہ ایک مطلق العنان عقیدہ ہے جو اسے طاقت کے ذریعہ مسلط کرتا ہے۔ جب میں پڑھتی ہوں، مثال کے طور پر، یہ آیت: زانی مرد اور زانی عورت ان میں سے ہر ایک کو

سو کوڑے ماریں، اور ان کے لئے ہمدردی نہ ہونے دیں۔ اس سے ان کی روحانیت ختم ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی میں اس آیت میں روحانیت کا بھی اندازہ نہیں کرتی ہوں، جب کوئی عقیدہ اپنے مومنین کو ان کے آخری دانے تک شفقت سے محروم کر دیتا ہے"

اثرات: 8 منٹ 33 سیکنڈ کے اس ویڈیو کلپ کو 20,905 افراد نے دیکھا ہے، 212 افراد نے پسند اور 45 نے ناپسند کیا ہے

سوشل میڈیا کی ویب کی پالیسی: سوشل میڈیا کی دنیا میں ٹویٹر (Twitter) ایک پروفیشنل ویب سائٹ سمجھی جاتی ہے کہ جس پر دنیا بھر کے مؤثر افراد کا اکاؤنٹ موجود ہوتا ہے، ٹویٹر کی جنوری 2012ء کی پالیسی کے مطابق ٹویٹر پر کوئی ایسا پیغام یا ٹویٹ جو کسی ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہو تو انہیں مقامی طور پر بلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس سائٹ نے جرمن حکومت کی سفارش پر نازی نظریہ کے علمبردار کے ٹویٹر اکاؤنٹس بلاک کر دیے ہیں اس کے بعد جرمنی میں نازیوں کے اکاؤنٹس نہیں دیکھے جا سکتے لیکن باقی دنیا میں دیکھے جا سکتے ہیں یہ عمل آزادی اظہار رائے کے خلاف جرمنی جیسے ملک میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ اسی طرح فیس بک کی بھی دوغلی پالیسی اس وقت سامنے آتی ہے کہ جب فیس بک کے صارفین نے اپنی ڈی پی کشمیری مجاہد برہان مظفر وانی کی لگائی تو فیس بک انتظامیہ نے بغیر کسی اطلاع کے ایسے صارفین کے اکاؤنٹ بلاک کر کے آزادی اظہار کی خلاف ورزی کی ہے

استہزاءِ اسلام کے ملکی قوانین: اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مذہب کے حوالے سے مناسب انداز میں قانون سازی کی گئی ہے اس کے مطابق

"295-A Deliberate and malicious acts Intended to outrage religious feelings of any class by insulting Its religion or religious beliefs: Whoever, with deliberate and malicious intention of outraging the 'religious feelings of any class of the citizens of Pakistan, by words, either spoken or written, or by visible representations insults the religion or the religious beliefs of that class, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years, or with fine, or with both"[34]

"**دفعہ 295-A** دانستہ اور معاندانہ افعال جن کا منشا کسی فرقے کے مذہبی احساسات کی، اس کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کر کے بے حرمتی کرنا ہو۔" جو کوئی دانستہ اور معاندانہ نیت سے پاکستان کے شہریوں کے کسی فرقہ کے مذہبی احساسات کی تذلیل کے غرض سے بذریعہ الفاظ، خواہ تقریری ہوں یا تحریری یا اشاروں سے اس فرقہ کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یا توہین کا اقدام کرے، اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد 10 سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں"

اس قانون کی مزید وضاحت جرم کے بنیادی اجزا کے عنوان سے بیان کی گئی ہے

"**جرم کے بنیادی اجزا** ملزم نے کسی خاص جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کی کوشش یا توہین کی ہو

ملزم نے ایسا فعل کسی خاص جماعت کے مذہبی عقائد و احساسات کی تذلیل بذریعہ الفاظ خواہ تقریری ہو یا تحریری یا اشاروں سے کیا ہو"[35]

اس قانون میں محض اسلام نہیں کسی بھی مذہب کے حوالے سے توہین اور تذلیل چاہے وہ کسی بھی انداز میں ہو اسے جرم قرار دیا گیا ہے، اگر اس دفعہ پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو یہ پاکستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے سد باب کے لیے موزوں ثابت ہو سکتی ہے سوشل میڈیا پر ہونے والی مذکورہ حرکات مندرجہ بالا جرم کے ضمن میں آتی ہیں جس کے مطابق ایف آئی اے کو فوری ایکشن لیکر ایسے افراد کو قرار واقع سزا دینی چاہیے

"295-B Defiling, etc., of Holy Qur'an: Whoever willfully defiles damages or desecrates a copy of the Holy Qur'an or of an extract therefrom or uses it in any derogatory manner or for any unlawful purpose shall be punishable with imprisonment for life"[36]-

"**دفعہ 295-B**-قرآن پاک کی بے حرمتی وغیرہ جو کوئی قرآن پاک یا اس میں سے کسی اقتباس کی دانستہ بے حرمتی کرے، نقصان پہنچائے یا بے ادبی کرے یا اسے کسی معیوب یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی"

جرم کے بنیادی اجزا

1. ملزم نے دانستہ قرآن پاک یا اس کے کسی اقتباس کی بے حرمتی کی ہو
2. ملزم نے دانستہ قرآن پاک یا اس کے کسی اقتباس کو اس طریقے سے استعمال کیا ہو جو کہ غیر قانونی اور توہین آمیز ہو"[37]

مذکورہ دفعہ میں دانستہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے تاکہ صرف وہ شخص مجرم ٹھیرے گا جو جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب کرے۔ یہ دفعہ بھی قرآن کی حیثیت کو تحفظ فراہم کرتی ہے لیکن مذکورہ بلا گرز بالعمد قرآنی اقتباس کے استہزا کے مرتکب ہوتے ہیں

"295-C. Use of derogatory remarks, etc., in respect of the Holy Prophet: Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine"[38]-

"**دفعہ 295-C رسول اکرم ﷺ کی بابت خلاف شان الفاظ استعمال کرنا** "جو کوئی الفاظ سے خواہ وہ منہ سے بولے جائیں یا لکھے گئے ہوں یا نظر آنے والے نمونوں سے یا کسی اتہام، چالا کی یا کنایہ سے، بلاواسطہ یا بلواسطہ مقدس پیغمبر حضرت **محمد** ﷺ کے متبرک نام کی بے حرمتی کرے تو اسے موت کی یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہو گا" اس قانون کی حساسیت کے پیش نظر اس جرم کے بنیادی اجزاء کا تذکرہ نا گزیر ہے

"جرم کے بنیادی اجزاء

1. ملزم نے بلاواسطہ یا بالواسطہ مقدس پیغمبر حضرت **محمد** ﷺ کے نام کی،
2. الفاظ سے خواہ منہ سے بولے جائیں یا،
3. لکھے جائیں یا،

4. نظر آنے والے نمونوں سے یا،
5. کسی اتہام سے یا،
6. چالا کی یا،
7. کنایہ سے بے حرمتی کی ہو"[39]

ی،ہی وہ بنیادی دفعہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان میں توہینِ رسالت کے مقدمے دائر ہوتے ہیں، اس دفعہ میں سزائے موت کے ساتھ عمر قید کی گنجائش بھی رکھی گئی تھی لیکن بعد ازاں توہین رسالت کی سزا صرف سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔
سپریم کورٹ کے سینیر ایڈوکیٹ محمد اسماعیل قریشی اپنی کتاب میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "چونکہ توہینِ رسالت کے متذکرہ بالا بل میں اہانت رسول ﷺ کی سزا' بطور حد کے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن اس میں سزائے موت کی متبادل سزا' سزائے عمر قید جو دفعہ 295-سی میں رکھی گئی' وہ قرآن وسنت کے منافی تھی اس لیے راقم نے دوبارہ اس دفعہ سے عمر قید حذف کرنے کا مطالبہ بذریعہ شریعت پٹیشن کر دیا کہ توہینِ رسالت کی سزا بطور "حد" صرف سزائے موت مقرر رہے اور حد میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ یہ شریعت پٹیشن فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلے 30 اکتوبر 1990ء کے ذریعے منظور کر لی اور قرار دیا کہ اہانتِ رسول ﷺ کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے"[40]
1990ء سے پہلے تک اسے ایک لچکدار قانون تصور کیا جاتا تھا کہ جس میں عمر قید کی گنجائش بھی موجود تھی لیکن 1990ء کے بعد اب صرف سزائے موت ہی قانون کا حصہ ہے لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ توہین رسالت کی سزا موت قرار دیے جانے کے بعد بھی عصر حاضر میں توہین رسالت ﷺ کی سرگرمیاں جاری ہیں بالخصوص اس میدان میں سہل استعمال کی وجہ سے سوشل میڈیا پیش پیش ہے کہ جس پر آزادی اظہار رائے ہی کو ڈھال بنا کر مذموم کوششیں جاری وساری ہیں اور قانون کے مطابق سزا تو درکنار ان سرگرمیوں پر بھی مکمل پابندی عائد نہیں کی جاسکی ہے جو کہ دوسرے مستہزئین کے لیے بھی حوصلے کا باعث بنتی ہے
دفعہ 295 میں مذکور یہ وہ ملکی قوانین ہیں جو پاکستان میں مذہب کے حوالے سے موجود ہیں اگر ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے تو محض سوشل میڈیا ہی نہیں بلکہ کسی بھی موقعے اور مقام پر کوئی بھی شخص استہزاء اسلام کی جرات نہ کر سکے۔
استہزاء اسلام کا سد باب: ان قوانین پر مستقل مزاجی کے ساتھ عملدرآمد کرنا پاکستان کی عدالتوں کے لیے ایک چیلنج کے طور پر موجود ہے۔ اس حوالے سے اسلام آباد ہائی کورٹ کے جسٹس شوکت صدیقی نے اپنے ایک فیصلے میں بنیاد رکھ دی ہے لیکن مسئلے کے سد باب کے لیے اس طرح کے فیصلوں کا تسلسل ناگزیر ہے
اسلام آباد ہائی کورٹ کا تاریخی فیصلہ: اسلام آباد ہائی کورٹ میں سائل سلمان شاہد نے پانچ بلاگرز جن میں سلمان حیدر، احمد وقاص گورائیہ، عاصم سعید، احمد رضا نصیر اور ثمر عباس شامل ہیں کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ یہ اور ان کے ساتھی فیس بک پر روشنی، موچی

اور بھینسا کے نام سے پیجز چلا رہے ہیں جن میں استہزاء خدا، رسول ﷺ، صحابہ کرام قرآن اور اسلامی تعلیمات کا بذریعہ تحریر، تصویر، خاکے اور ویڈیوز استہزا اُڑاتے ہیں، سائل نے اپنی درخواست میں گستاخانہ مواد بھی منسلک کیا جس کی سماعت کے بعد جسٹس شوکت صدیقی نے 31 مارچ 2017ء کو ایک تاریخی فیصلہ سنایا جس کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں

"پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) ایک جامع اور مربوط تفصیلی ضابطہ کار وضع کرے، جس کے تحت گستاخانہ صفحات/ویب سائٹس کی نشاندہی ہو سکے، اور بلا تاخیر ضروری اقدامات کیے جا سکیں، چیئرمین پی ٹی اے کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایک سائنسی طریقہ کار وضع کریں جس کے تحت عامۃالناس کو گستاخی رسول ﷺ اور فحش مواد کے سنگین فوجداری نتائج سے آگاہ کیا جا سکے

سیکریٹری وزارت داخلہ متعلقہ محکموں اور افراد کے تعاون سے ایک پینل/کمیٹی تشکیل دیں جو سوشل میڈیا سے گستاخانہ مواد کے خاتمے کے لیے ایک جامع مہم چلائے اور ایسے افراد کی نشاندہی کرے جو ایسے قبیح جرائم میں ملوث ہیں اور ایسے افراد کے خلاف قانونی کاروائی عمل میں لائی جا سکے جہاں تک ان پانچ بلاگرز کا تعلق ہے، جو پاکستان سے جا چکے ہیں، تو اس معاملے میں ایف آئی اے کو ہدایت کی جاتی ہے کہ قانون کے مطابق پیش رفت کرے اور اگر کوئی قابل گرفت شہادت میسر ہے تو ان بلاگرز کو واپس لایا جائے تاکہ ان کے خلاف قانون کے مطابق کاروائی ہو سکے لیکن اس معاملے میں قانون کے مطابق سلوک کے اصول کو مد نظر رکھ جائے"[41]

اس فیصلے کے بعد پی ٹی اے نے اپنی ویب سائٹ پر ایک پیج Report website/URL بنا دیا ہے اور ساتھ ہی اس حوالے سے گاہے بگاہے آگاہی مہم چلائی جاتی ہے کہ جس میں اخبارات اور اشتہارات کے علاوہ موبائل نمبر پر اس طرح کے پیغامات بھی دیے جاتے ہیں

"Sharing of blasphemy, pornography, terrorism and other unlawful content on social media is illegal. Users are advised to report such content on content for necessary action" [42]-

"سوشل میڈیا پر توہین رسالت، فحاشی، دہشت گردی اور دیگر غیر قانونی مواد کا استعمال غیر قانونی ہے۔ صارفین کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ضروری کارروائی کے ل یے اس طرح کے مواد کی اطلاع دیں"

اس فیصلے کے کچھ ہی عرصے کے بعد انسداد دہشت گردی کے عملے نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیمور رضا نامی شخص کو بہاولپور کے بس اڈے سے حراست م ی ں ل ی ا اور بی بی سی کی خبر کے مطابق

"صوبہ پنجاب میں انسداد دہشت گردی ک ی خصوص ی عدالت نے ت ی مور رضا نام ی شخص کو سوشل م ی ڈ ی ا پر گستاخانہ اور فرقہ وارانہ مواد شائع کرنے کے الزام م ی ں سزائے موت ک ی سزا سنائ ی ہے۔ ی ہ اپن ی نوع ی ت ک ی پہل ی سزائے موت ہے جو سوشل م ی ڈ ی ا پر گستاخانہ مواد ک ی اشاعت پر سنائ ی گ ئ ی۔ ت ی مور رضا کے خلاف گزشتہ برس 5 اپر ی ل کو کاونٹر ٹ ی رازم ڈی پارٹمنٹ نے ناموس رسالت، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے بارے م ی ں سوشل م ی ڈ ی ا پر گستاخانہ اور فرقہ وارانہ مواد

کی اشاعت پر مقدمہ درج کیا تھا۔ ملزم کے خلاف مقدمے میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 سی اور 298 اے کے علاوہ انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعات 9 اور 11 بھی شامل کی گئیں"[43]

قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے سینیٹ کی خصوصی کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر گستاخی کے موضوع کو بھی زیر بحث لایا گیا، 27 جولائی 2019ء کے ایکسپریس اخبار کی خبر کے مطابق "چیئرمین پی ٹی اے نے بتایا گستاخانہ مواد کی سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر اشاعت بڑا مسئلہ ہے، جعلی ناموں کے ذریعے بھی ایسے مواد کو پھیلایا جاتا ہے، پی ٹی اے کا ایک سیل ایسی ویب سائٹس کو دیکھتا ہے، پی ٹی اے نے 49 ہزار لنکس کو بلاک کیا، کچھ سماجی رابطوں کی ویب سائٹس کو مقامی سطح پر بلاک کیا، کچھ ایسی ویب سائٹس ہیں جو بیرون ملک سے چلائی جا رہی ہیں جن کے متعلق ان کی انتظامیہ کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ ڈی جی ایف آئی نے بتایا سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد کے حوالے سے 15 مقدمے پنجاب اور 4 اسلام آباد میں سامنے آئے، ان میں ملوث افراد کو گرفتار کر لیا گیا، 12 مقدموں کی انکوائری جاری ہے"[44]

ان اقدامات سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کی جانب سے اس حوالے سنجیدہ کوششیں کی جا رہی ہیں، بہاؤالدین زکریا یونیوسٹی کے جنید حفیظ کی سزائے موت بھی اس کی ایک مثال ہے لیکن اس مسئلے کے مکمل سد باب کے لیے ایک مربوط اور مستقل لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے.

نتائج: سوشل میڈیا عصر حاضر میں میڈیا کی تیسری قسم تصور کی جاتی ہے جس کا آغاز اکیسویں صدی کے اوائل میں ہوا، یہ وہ میڈیا ہے جس کے صارفین میں دن بدن تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی انفرادیت یہ ہے کہ بیک وقت اس پر ناشر بھی ہوتے ہیں اور قاری یا ناظرین بھی، اسی لیے اس کا استعمال بھی بہت بڑھ گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ میڈیم بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں رہا، مواد زیادہ ہونے کی وجہ سے سچ اور جھوٹ کی تفریق کرنا بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا دوسرے ذرائع کی بنسبت سہل ترین ہے اسی لیے استہزاء اسلام کے لیے اسے بآسانی اور بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ فیس بک پر مختلف پیجز بنا کر، مختلف پوسٹ کے ذریعے، مختلف ایونٹس کی بنیاد پر استہزا کے راستے نکالے جاتے ہیں۔ اسی طرح ٹویٹر پر توہین آمیز ٹویٹ کے ذریعے یہ کاوشیں جاری ہیں، اس طرح کی پوسٹیں تادیر اس ویب سائٹس کی زینت بنی رہتی ہیں اسلیے اس کو پڑھنے والوں میں اور اثرات قبول کرنے والوں میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور جس جس ملک میں اس کے حوالے سے کچھ پابندیاں عائد کی گئیں ہیں وہاں نام بدل کر مختلف آئی ڈیز بنا کر اس مشن کو آگے بڑھایا جاتا ہے، عموماً اسلام سے دشمنی، شدت پسندی اور مذہب سے بیزاری ہی وہ اسباب ہیں جن کی بنیاد پر مسلم ہوں یا غیر مسلم دونوں استہزاء اسلام کا ارتکاب کرتے ہیں، پاکستان کی حد تک اس حوالے سے مناسب قانون موجود ہے بس اس پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسلام آباد ہائی کورٹ نے اس مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے سنجیدہ نوعیت کے اقدامات اٹھائے ہیں جس کا تسلسل ناگزیر ہے

سفارشات:

سوشل میڈیا پر استہزاء اسلام کے سد باب کے ضمن میں چند سفارشات درج ذیل ہیں

- سوشل میڈیا پر ہی حکومت کی جانب سے ایسے پیجیز چلائے جائیں کہ جس میں اس بات کی تسلسل سے گردان موجود ہو کہ آزادئ اظہار رائے اور استہزا میں فرق ہے، اسی طرح اختلاف رائے کے مہذب طریقے بتائے جائیں۔
- اسلام کے حوالے سے چند گنے چنے موضوعات ہیں کہ بالعموم جن پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور انہی کا استہزا کیا جاتا ہے لہٰذا ایسے پیجیز بنانے بھی ناگزیر ہیں کہ جس میں ان موضوعات پر مدلل گفتگو کی جائے۔
- حکومت کی جانب سے ان مستعمل ویب سائٹس کو پیغام بھی دیا جائے کہ وہ ایسے اکاؤنٹ کو فوری بلاک کرے جو استہزا کے جرم میں ملوث ہوں۔
- پی ٹی اے کے بجٹ اور افرادی قوت میں اضافی کیا جائے تا کہ استہزا کے حوالے سے ہونے والی پوسٹس کی فوری رپورٹ ہو سکے اور ساتھ ہی پی ٹی اے کی تکنیکی صلاحیت کو بڑھایا جائے۔
- ایف آئی اے سائبر کرائمز ونگ کے پاس صرف 15 تفتیشی اہلکار ہیں، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ضمن میں ایف آئی اے کے اختیارات میں بھی اضافہ کیا جائے اور جو ملزم بھی ملوث پایا جائے تو اس کی سزا میں تاخیر نہ کی جائے۔

References:

[1]W. H. Brock and R. M. Macleod ، "the Scientists' Declaration: Reflexions on Science and Belief in the Wake of Essays and Reviews, 1864–5, the British Journal for the History of Science", Vol. 9, No. 1, (1976) , pp. 39-66

[2]John Logie Baird set up the Baird Television Development Company in 1926; on 30 September 1929 he made the first experimental television broadcast for the BBC from its studio in Long Acre in the Covent Garden area of London via the BBC's London transmitter in his London Laboratory.

[3] https://blog.scienceandmediamuseum.org.uk/chronology-british-television/accessed on March 2020.

[4]Abdul Qayyum, Role of social media in the light of Islamic teaching, Al-Qalam December 2015, Institute of Islamic Studies University of the Punjab, Lahore Pakistan p 27-36.

[5]انصاری، اقراء خالد، سماجی روابط کی ویب سائٹ کے مثبت اثرات، القمر، القمر اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن لاہور، جنوری 2018ء، ص 57-41

[6]سعید الرحمان، جدید سماجی ذرائع ابلاغ کے استعمالات واثرات کا اسلامی تناظر میں علمی جائزہ، ایکٹا اسلامیکا، بے نظیر بھٹو یونیورسٹی شرینگل، جنوری 2016، ص 15-32

[7]Weissmann, Shoshana, How Not to Regulate Social Media, Center for the Study of Technology and Society, Washington, spring 2019, p 58-64.

[8]ہاشمی، سید ازکیا، توہین مذہب ورسالت اور سماجی رویہ، اسلامی تناظر میں، راحت القلوب، اسلامی تحقیقی اکیڈمی، کوئٹہ، جنوری 2017ء، ص 12-2

[9]Riaz Ahmad Saeed and Tahira Basharat, Limits of Freedom of Expression from Islamic Perspective and it's Major Differences from the Western Perspective" ,AL-ADWA, 50:33(2019), 29-50.

[10] Cambridge Advanced Learner's Dictionary, Cambridge University Press, Cambridge, United Kingdom, 2008, p 1529

[11]Merriam Webster Dictionary, Merriam-Webster, Springfield, Massachusetts, 2004, P 745

[12]Marshall McLuhan, *Understanding Media* The extensions of man, McGraw-Hill Education, London, 1964, p 5-

[13]Simeon O. Edosomwan, The history of social media and its impact on business, The Journal of Applied Management & Entrepreneurship, Greenleaf Publishing, January 2011, 16(3):79-91

[14] https://www.statista.com/statistics/490424/number-of-worldwide-facebook-users/ March 28, 2020-

[15] https://hostingtribunal.com/blog/how-many-blogs/#grefAccessed on March 28,2020

[16] https://en.wikipedia.org/wiki/WhatsApp, Accessed on March 28, 2020

[17] سورۃ المدثر 16

[18] www.facebook.com/groups/islaminstitute2/?ref=nf_target&fref=nf Accessed on Sep 12, 2019.

[19] https://www.facebook.com/groups/1017923055241994/ , Accessed on Sep 26,2019

[20] www.facebook.com/nastik.nastik.399?_tn_=%2CdC-R-R&eid=ARCuRdTfiy0TliNwF2OEuspu8nomy5DfO0yVBn6KeUygvfYDKZBD3m/Accessed on Sep 19, 2019

[21] www.facebook.com/groups/603802026618546/?ref=nf_target&fref=nfSep13, 2019.

[22] سورہ البقرہ 256

[23] https://www.facebook.com/groups/PakistaniFreethinkers7/?ref=nf_target&fref=n f&__tn_=kC-R, Accessed on Sep 22, 2019

[24] www.facebook.com/groups/islaminstitute2/?multi_permalinks1508977829242140&notifid=1569305167944877&notif_tgroup_highlights,Accessed on Sep24,2019

[25] https://www.facebook.com/groups/PakistaniFreethinkers7/?notif_id=1548760065987786&notif_t=group_r2j_approved&ref=notif, Accessed on Sep 24, 2019

[26] https://twitter.com/kafiraxx?fbclid=IwAR3YuXze5gUxIciUrPKzvzbrQXedFC9x9OhlexsNsnRuKQaYErryO1 seTt8Sep 26, 2019

[27] twitter.com/SalmanHydr/status/1211162488630366208 Accessed on Dec 31, 2019

[28] twitter.com/Bauncer0/status/1212108799647125507 Accessed on Jan 6, 2019

[29] https://realisticapproachblog.wordpress.com/2017/06/24/Accessed on Sep 27, 2019

[30] https://www.mukaalma.com/24027, Accessed on Sep 28, 2019

[31] https://realisticapproachblog.wordpress.com/2017/06/24/ Accessed on Sep 24, 2019

[32] https://www.youtube.com/watch?v=Q5PW-v1qFeg , Accessed on Sep 29, 2019

[33] https://www.youtube.com/watch?v=yuFJucQUyKY, Accessed on Sep 18, 2019

[34] Pakistan Penal Code (XLV OF1860), National Legislative Bodies, 6th October 1860, P 108

[35] تعزیرات پاکستان، باب 15، دفعہ 295 اے، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1860ء، ص 108

[36] Ibid, Pakistan Penal Code, P 109

[37] تعزیرات پاکستان، باب 15، دفعہ 295 بی، ص 109

[38] Pakistan Penal Code, P 109

[39] تعزیرات پاکستان، باب 15، دفعہ 295 سی، ص 109

[40] محمد اسماعیل قریشی، ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت، الفیصل ناشران وتاجران لاہور، 1999ء، ص 325

[41] صدیقی، جسٹس شوکت عزیز، ناموس رسالت ﷺ اعلیٰ عدالتی فیصلہ، مرتب سلیم منصور خالد، منشورات لاہور، 2017ء، ص 62۔

[42] The News International, MSR, Karachi, October 14, 2019, P6, https://www.pta.gov.pk/en/media-center/single-media/attention-internetsocial-media-users-250320, Accessed on Apr 18, 2020

[43] بی بی سی اردو، 11 جون 2017ء

[44] روزنامہ ایکسپریس لاہور، ہفتہ 27 جولائی 2019ء، ص 8

RESEARCH OVERVIEW ON SHAH WALIULLAH AND HIS EDUCATIONAL SERVICES

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ

سردار احمد استاذ شعبہ عربی فیڈرل اردو یونیورسٹی کراچی

اللہ بخش ریسرچ اسکالر شعبہ عربی فیڈرل اردو یونیورسٹی کراچی

ABSTRACT: *Hazrat Shah Waliullah is one of the famous personalities of eighteenth century. He had a great effect on the history of revival of literature. The divine guideline for the reform of Ummah he provided is remained a guideline after centuries. He was a great thinker, scholar and author of many books. One of his divine and prominent qualities is his moderation. He declared all four cults right and he emphasized to spend the lives according to the teachings of them. In fact, he was in deep favor to refer to the Holy Quran and Hadith. Although almost all the views of jurisprudence are based on sincerity but if there is any sort of contradiction between their views and the teachings of Islam, then in this case Shah Waliullah went strictly against them. Shah Waliullah was very unique in his thoughts and ideas. It was very inappropriate to restrict him to some specific sect and topic. One of his greatest efforts was the translation of the Holy Quran in simple Persian language. Later, his sons carried his work by translating it into Urdu language.*

KEYWORDS: *Reform, Moderation, Jurisprudence, Cults, Contradiction*.

حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک ہمہ جہت شخصیت: حضرت شاہ عبدالرحیم بن شیخ وجیہ الدین شہید مشرباً صوفی اور تعلیماً منطقی اور فلسفی تھے، اللہ جل شانہ نے مسلمانانِ ہند پر فضل واحسان فرماتے ہوئے انہیں ۶۰ برس کی عمر میں سعادت مند بیٹے کی نعمت سے نوازا جنہیں دنیا حضرت شاہ ولی اللہ کے نام سے جانتی ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی بشارت سے آپ کا نام "قطب الدین احمد" رکھا گیا اور شہرت "ولی اللہ" کے نام سے ہوئی۔ چوں کہ علمی گھرانے سے تعلق تھا اور نسلاً فاروقی تھے، اس لئے پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل کر دیے گئے۔ مختصر عرصے میں حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد اپنی ذکاوت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ۱۵ سال کی عمر میں مروجہ تمام علوم حاصل کر کے والدِ محترم سے صحیح بخاری اور دیگر کتبِ احادیث کا درس لینا شروع کیا۔

آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، کلام، طب، حکمت، سلوک، حقائق اور دیگر علوم عملیہ ونقلیہ کو مشہور اساتذہ اور مشائخ سے حاصل کیا جن میں شاہ عبدالرحیمؒ، شیخ محمد فاضل سندھیؒ، شیخ ابو طاہر کردیؒ، شیخ تاج الدین القلعی الحنفیؒ، شیخ محمد افضل سیالکوٹی اور شیخ وفد اللہ المکی المالکی جیسی بلند پایہ شخصیات موجود ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ان بلند پایہ نادر شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کی ترویج میں صحیح معنوں میں اہم کردار ادا کیا۔ بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے عرب کا سفر اختیار کیا۔ ان کی علمِ فلسفہ کے لئے خدمات کے ساتھ ساتھ ادبی خدمات بھی قابلِ ستائش ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی برصغیر میں

تاریخی اہمیت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ وہ ایک علمی، فلسفی، معاشی اور مذہبی رہنما تھے۔ آج ان کی خدمات دنیا کی ہر لائبریری میں موجود ہیں اور ان کو ایک خوشبو کی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایک جامع الصفات، علوم و فنون پر خوب دسترس رکھنے والے، ہمہ جہت اور عالمگیر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت سے وافر حصہ آپ کو عطا کیا ہوا تھا، فتنوں اور شورشوں کے دور میں جب اصحابِ جُبّہ و دستار میں سے ہر دوسرا اسلامی تعلیمات سے دور توہمات و خواہشات پر اکتفا کیے ہوئے تھا، عوام میں جاہلانہ رسومات رچ بس چکی تھی اور مرہٹے اور سکھ مسلمانوں کا خون بے دریغ بہا رہے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا دور وہ دور تھا جب حکمت کے طور پر جانے والی اسلامی روایت پھل پھول رہی تھی اور فلسفہ، دینیات اور تصوف کے روایتی مذہبی علوم میں مصالحت ہو رہی تھی، تاہم ما قبل جدید دور کا نقطۂ نظر مختلف فرقہ وارانہ، سیاسی اور سماجی دباؤ کے تحت اپنے ٹوٹنے کی علامتیں دکھا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات اور تصنیفی سرگرمیوں کا اصل مقصد اہم اسلامی عقلی قواعد کے نکتہ ہائے نظر کے ذریعے اسلامی مذہبی علوم کے مطالعہ کو دوبارہ مجتمع کرنا اور اہم بنانا تھا، ان عقلی قواعد میں فقہ، تصوف اور خاص طور پر قرآن و حدیث پر غور و خوض شامل تھا، اس مقصد کے تحت انہوں نے تقریباً چالیس کتابیں اور رسائل مرتب کیے اور ایک مذہبی محقق اور روحانی رہنما کا فریضہ سرانجام دیا۔

انہیں عربی زبان پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ ان کی اہم تصانیف اسی زبان میں لکھی ہوئی ہیں، مزید برآں بہت سی تصانیف فارسی میں بھی ہیں، دنیائے اسلام کے فکری، مذہبی مرکز میں گزارے ہوئے وقت نے اسلامی قانون کے معاملات میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو ایک ہمہ گیر نکتہ عطا کیا، اس لئے ان کی کتابوں میں زیادہ عوامی حلقے کے بجائے مسلمانوں کو بحیثیتِ مجموعی مخاطب کیا گیا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر لکھی گئی تصانیف حقائق و معارف کے موتی بکھیرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کو تصنیفی خدمات کے باعث برصغیر کا غزالی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ تاریخِ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہیں، آپ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت برصغیر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، تاہم آپ کی سعی و کوششوں سے برصغیر میں روشنی کے آثار پیدا ہوئے۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "ہندوستان کی یہ کیفیت تھی، جب اسلام کا وہ اخترِ تاباں نمودار ہوا جس کو دنیا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نام سے جانتی ہے، مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ جابجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پر شور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیشِ نظر تھی، مسائلِ فقہ میں تحقیق و تدقیق سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام، خواص تک قرآنِ پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے، شاہ صاحب رحمہ اللہ کا وجود

اس عہد میں اہلِ ہند کے لئے موہبتِ عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ تھا۔"(1)

تکمیلِ تعلیم کے بعد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے جو کارہائے نمایاں سر انجام دیے اس کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو زداماں نگہ دارد

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی پوری زندگی تدریس و تعلیم، اشاعت و تقسیم اور حدیث کی تشریح و تفہیم میں صرف ہوئی۔

بقولِ شاعر: جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم تو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر اللہ عزوجل کی خصوصی نعمتیں: اپنی شہرہ آفاق کتاب "الجزء اللطیف" میں حضرت شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی اس بندۂ ضعیف پر عظیم ترین نعمتوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ فاتحیت کی خلعت: اس ذاتِ باری تعالیٰ نے آخری دور میں مجھے فاتحیت کی خلعت عطا فرمائی۔

۲۔ افضل فقہ کی جانب رہنمائی: اللہ جل شانہ نے اپنی پسند کی فقہ کی مجھے ہدایت دی ہے یعنی دین کی سمجھ عطا کی ہے۔

۳۔ فہمِ حدیث اور اس کی جمع و ترتیب: مجھے فقہ اور حدیث اور ان کے مابین تطبیق اور جمع و ترتیب کا کام کرنے کی توفیق دی۔

۴۔ احکام و شعائر کے اسرار کا بیان: اللہ جل شانہ نے مجھے الہام کیا ہے کہ میں اپنے رب کی جانب سے نبیٔ اکرم ﷺ کے بیان کردہ تمام احکامات، سنن، شرائع اور مصالح کے اسرار و حکمتیں بیان کروں۔

یہ بڑا عظیم الشان فن ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے مجھ سے پہلے کسی آدمی نے ایسے ضبط واِتقان کے ساتھ اس طرح "علومِ اسرارِ دین" کو بیان نہیں کیا۔ اور جس کو اس بارے میں شک ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ علامہ عزالدّین بن عبد السلام کی کتاب "القواعد الکبریٰ" پڑھے، انہوں نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی کدّ و کاوش کی ہے، اس کے باوجود وہ اس فن کے دسویں حصے کو بیان کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

۵۔ سلوک کے اعلیٰ طریقوں کا الہام: اس زمانے میں اللہ کے نزدیک سلوک کا جو پسندیدہ طریقہ ہے، اللہ نے مجھے اس کا الہام کیا، پس میں نے اس طریقۂ سلوک کو اپنے دو رسالوں میں مُنضبِط کر کے بیان کیا ہے، اور ان دونوں رسالوں کا نام میں نے "لمعات" اور "الطاف القدس" رکھا ہے۔

۶۔ دلائل کی روشنی میں سلفِ صالحین کے عقائد کی وضاحت: اللہ جل شانہ نے مجھے اس بات کی توفیق دی ہے کہ میں سلفِ صالحین کے عقائد کو واضح دلائل اور حُجّتِ قطعیہ کے ذریعے ثابت کروں، ان کو اہلِ معقول (منطقیوں اور فلسفیوں) کے شکوک و شبہات سے پاک کروں۔ ان کو اس طرح بیان کروں کہ اس کے بعد کسی کو بھی اس میں بحث و مباحثے کی گنجائش نہ رہے۔

۷۔ کمالاتِ اربعہ کا علم: اللہ جل شانہ نے مجھ پر کمالات اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی کے علم کا تفصیلی فیضان کیا ہے۔

۱۔ **ابداع:** ایک چیز کو بغیر کسی چیز کے پیدا کرنا یعنی پہلے کوئی چیز نہیں تھی پھر ایک پیدا کر دینا ابداع کہلاتا ہے۔

۲۔ **خلق:** یہ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرنے کا نام ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

۳۔ **تدبیر:** جب مخلوقات کا ایک مجموعہ وحدت اختیار کر لیتا ہے یعنی مختلف چیزیں آپس میں مل کر ایک بن جاتی ہیں تو اس مرکب کی کئی صورتیں ممکن ہوتی ہیں لیکن وہ حکمتِ عامہ کے اعتبار سے ایک خاص مصلحت کا استعمال چاہتا ہے۔ اس مجموعے کو اس خاص مصلحت کے مطابق چلانا اور اس میں اس مصلحت کے مطابق ضروری تصرف کر کے ایسا نتیجہ نکلنا جو اس مصلحتِ عامہ کے قریب ہو تدبیر کہلاتا ہے۔[۲]

4۔ **تدلی:** قرآنی آیات **دَنٰی فَتَدَلّٰی** سے یہ اصطلاح شاہ صاحبؒ نے بنائی ہے۔ تدلی کے معنی جھکنے کے ہیں گویا حق تعالیٰ جل شانہ اپنے بلند مقام سے پستی میں رہنے والے بندوں کی طرف جھکتے ہیں۔[۳]

۸۔ **بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا علم:** اللہ جل شانہ نے مجھ پر انسانی نفوس کی استعداد و صلاحیت، ان کے کمالات اور فائدے کے امور سے متعلق علوم (یعنی نفوسِ انسانی کے اخلاقِ اربعہ، ارتفاقاتِ اربعہ اور تعلق مع اللہ کے لئے شعائرِ اربعہ) کا بھی فیضان کیا ہے۔

یہ آخری دو علوم ایسے ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی آدمی اس دونوں علوم کے قریب تک بھی نہ پہنچ سکا۔

۹۔ **حکمتِ عملی کی تعلیم:** اللہ جل شانہ نے مجھے حکمتِ عملی کی تعلیم اور اس کا شعور دیا ہے۔ یہ ایک ایسی خاص عنایت ہے کہ اس دور کی کامیابی کا دار و مدار اس کے تفصیلی امور پر عمل کرنے میں ہے، اللہ جل شانہ نے مجھے اس بات کی توفیق دی ہے کہ میں حکمتِ عملی سے متعلقہ علم و شعور کو کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ سے مربوط اور مضبوط بناؤں۔

۱۰۔ **فہمِ دین کا ملکہ:** اللہ جل شانہ نے مجھے ایسا ملکہ اور دینی فہم و شعور عطا فرمایا کہ جس سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ دین اور جو کچھ اس میں تحریف شدہ چیزیں داخل کر دی گئی ہیں، اس کے درمیان تمیز پیدا کر سکوں اور مجھ میں یہ صلاحیت بھی اللہ جل شانہ نے عطا فرمائی ہے کہ سنتِ رسول اللہ ﷺ اور بعد کے تمام فرقوں کی جانب سے گھڑی ہوئی بدعت کے درمیان تمیز پیدا کر سکوں۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ　　　لسانا لما استوفیت واجب حمدہ

ترجمہ: اگر میرے ہر بال میں ایک زبان ہوتی اور وہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتی تو اللہ کی ضروری حمد و ثناء پھر بھی ادا نہ ہوتی۔[۴]

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کی خصوصیات: خیر اور بھلائی کی رغبت رکھنے والا کوئی بھی فرد شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسے لوگوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ امتِ محمدیہ کے فلاسفہ اور حکماء میں انتہائی مہارت رکھنے والے، بہت اونچے درجے کے فلسفی ہیں۔ یوں تو آپ کی خصوصیات کے عنوان پر باقاعدہ ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن موضوع کی طوالت کے خوف سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں: شیخ محسن یمانی (المتوفی ۱۹ رجب ۱۲۸۰ھ بمطابق ۳۱ دسمبر ۱۸۶۳ء) رقمطراز ہیں:

"میں یہ بات نہیں کہتا کہ اس کرۂ ارض پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ہم عصر یا گزشتہ قریب زمانے کے علماء میں سے کوئی آدمی بھی علوم وفنون میں ان کا ہم پلہ نہیں ہے، بلاشبہ روئے زمین پر قریہ قریہ، بستی بستی، شہر در شہر بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو علوم وافکار سے بھرا ہوا ظرف اور حوصلہ رکھتے تھے، وہ دین کی حفاظت کرنے والے تھے، انبیاء علیہم السلام کے علوم کے امین تھے، رشد و ہدایت کی بڑی علامات میں سے تھے لیکن اللہ جل شانہ نے ان تمام علماء میں سے امام شاہ ولی اللہ کو چند امور میں ایک خاص امتیازی شان عطا کی کہ جس میں آپ اپنی مثال آپ اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ چند خصوصیات درج ذیل ہیں: "

۱۔علوم میں تحقیق وتدوین کا ملکہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی پہلی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ گزشتہ تمام علوم وفنون ان کے سینے کی وسعتوں میں جمع ہو گئے تھے۔ انہیں ان علوم میں بہت زیادہ مہارت، صلاحیت اور پختگی حاصل تھی۔ شاہ صاحب نے ان علوم کا اس انداز میں تجزیہ کیا ہے کہ وہاں تک صرف اونچے درجے کے محدثین اور ناقدین کی رسائی ہو سکتی ہے پھر انہوں نے ان علوم کے تمام ابواب کا خلاصہ بیان کیا اور ان علوم کے اہم مسائل کو ذیلی اور ضمنی مسائل سے علیحدہ کر کے صاف شفاف بنا دیا اور اپنے شاگردوں کے لئے علوم کے تمام طریقوں کی واضح شاہراہ متعین کر دی۔

۲۔بنیادی مسائل اور دلائل کی نشاندہی: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علوم کے مسائل کی اساسیات کا تعین کیا، مختصر اور عمدہ عبارتوں کی صورت میں ان کے دلائل کی نشاندہی کی اور اس سلسلے میں عجیب و غریب اور لطیف اشارات بیان کیے، اس کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر بھٹک جانے والوں اور غلطیاں کرنے والوں سے کسی طرح کی عصبیت رکھے بغیر، عدل وانصاف کا دامن پکڑ کر اور ان میں کسی قسم کا الزام لگائے بغیر "حق بات" کو بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کیا۔

۳۔اختلافی مسائل اور مختلف آراء میں تطبیق کا فن: تیسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کے دل میں مخصوص وقت میں ایک ایسی کسوٹی کا القاء کیا تھا کہ جس کی بدولت وہ ملتِ محمدیہ ﷺ میں پائے جانے والے ہر اختلاف کا سبب معلوم کر لیتے تھے اور ساتھ ساتھ اس بات کا بھی علم ہو جاتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان میں سے حق کیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو یہ ملکہ بھی حاصل تھا کہ وہ اختلافی مسائل اور مختلف آراء کو ایسے بہترین اور عمدہ انداز میں بیان کرتے کہ جس سے تمام شکوک وشبہات اپنے تمام تر ذیلی اثرات کے ساتھ ختم ہو جاتے۔ بطورِ مثال اور نمونہ یوں سمجھ لیجئے کہ جب ان سے صحابہ کے باہمی اختلاف اور خاص طور پر ان کے بعد آنے والے فقہاء کے درمیان فقہی اختلاف کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فقہاء کے تمام نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیا اور کمزور آراء میں سے صاف اور عمدہ رائے کو علیحدہ کر لیا اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والی بحث میں سے واضح طور پر حق والی بات کو الگ کر لیا، وہ سمجھ جاتے تھے کہ کون سا پہلو ہے کہ جہاں غلطی کرنے والے نے غلطی کی ہے اور زیرِ بحث مسئلے کے بنیادی مقصد اور

ہدف سے اس رائے میں کس درجہ کا انحراف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے دقیق ترین ذہن نے اختلافی مسائل میں جو تطبیقات پیش کی

ہیں ان میں سے چند ایک ان کے صاحبزادے امام شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے ایک مختصر کتاب "تکمیل لصناعۃ الاذہان" میں بیان کی ہیں۔

۴۔ رائے کی پختگی: حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے کی پختگی بڑی مضبوط تھی۔ ان کا فہم و شعور بڑی گہرائی لئے ہوئے تھا۔ وہ اپنے زمانے کے انسانوں میں سب سے زیادہ ذہین اور ذکی انسان تھے۔ آپ کی رائے علوم و افکار کے میدان میں انتہائی درست اور صحیح ہوتی تھی پھر اللہ نے انہیں یہ بھی منقبت دی تھی کہ انہیں بہت سے وہی علوم عطا کیے تھے جو ان کے دیگر علوم کے ساتھ باہم ملے ہوئے ہیں اور ان علوم کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جنہیں ایک جگہ جمع کر کے آسانی کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ شرعی احکام کے رموز و اسرار کا کشف: پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کے سینے میں نور کی ایسی موسلا دھار بارش برسائی تھی کہ جس کے ذریعے ان کے سامنے شریعت کے رموز و اسرار کے بہت سے پہلو کھل کر سامنے آگئے اور شریعت کی عجیب و غریب اور گہری حکمتوں کا واضح اظہار ہوا پھر اللہ نے ان کا سینہ کھول دیا کہ وہ ان رموز و اسرار اور گہری حکمتوں کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کر دیں۔ چنانچہ آپ نے بہترین انداز میں اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں انہیں بیان کر دیا اور شریعتِ محمدیہ کے احکامات کے بہت سے چھپے ہوئے محاسن اور عمدہ پہلوؤں کو کھول کر واضح کر دیا، انہوں نے اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ تمام قوانین اور شرائع کے درمیان شریعتِ محمدیہ کی جامعیت کا حُسن اس اعلیٰ درجے کا ہے کہ جس کی تعریف و توصیف بیان نہیں کی جا سکتی۔ (۵)

درج بالا خصوصیات آپ کے بہت سے مناقب و خصوصیات میں سے چند ایک ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ خوبیوں اور مختلف علمی پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ بقولِ شاعر: ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

ترجمہ: اللہ جل شانہ پر یہ کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ پورے عالم کو ایک آدمی میں جمع کر دے۔

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سیاق و سباق اور بنیادی نظریات سے متعلق تجزیہ بھی کیا ہے اور اپنے ابتدائی کاموں میں انہوں نے علم کے ذرائع، نقل، عقل اور کشف وغیرہ بیان کیے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک مندرجہ بالا میں سے ہر ایک سچائی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو چننے کے بجائے سب کا انضمام ہونا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک شریعت یکدم آسمان سے نہیں گری بلکہ اسلامی قانون کا ارتقاء حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور بعد میں آنے والے دیگر مفسرین کی تفاسیر سے ہوا جس کے بعد مخصوص تاریخی پس منظر میں مذاہب کے عروج کا دور اور پھر تقلید کا دور شروع ہوتا ہے، اگر ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کے جدید طریقہ کار پر غور کریں تو یہ کم و بیش وہی ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بیان کیا تھا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تجدیدی کارنامے:

۱۔خدمتِ قرآن: اللہ جل شانہ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے علومِ نبوت کی نشرواشاعت، اپنے عہد وملت کے فکر وعمل، تجدید واصلاح امت میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں غیر مسلموں کے اثرات اور قرآن وحدیث سے ناواقفیت نے ہندوستان میں جو صورتحال پیدا کر دی تھی اور دینِ حنیف کے متوازی نظام اور مسلم معاشرہ کی زندگی کے میدان میں جاہلیت کا جو خودرو سبزہ پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ خود شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتابوں کے بعض اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس مرض کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ، تدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا اور اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ترجمۂ قرآن لکھنا اور اس کا درس دینا شروع کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کتابِ الٰہی کی تنزیل کے مقصد کو خوب سمجھا اور اس کے مطابق نہ فکرِ قرآنی عام کی بلکہ عملی طریقے بھی تجویز کیے۔ پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی رقمطراز ہیں: "ان کی قرآنی فکر وعمل کی کئی جہات ہیں:

اول انہوں نے قرآن کریم کا عام سلیس فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور ان کے ضروری حواشی لکھے۔ عوام وخواص دونوں اپنی اپنی بساط کے مطابق اسے سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ وحواشی قرآن کریم کو صرف لکھ کر پیش کرنے کا ایک فکری نسخہ نہیں بنایا تھا، بلکہ اسے اپنی طلبہ اور مریدوں کو پڑھا کر اس کی افادیت وصحت کی جانچ بھی کی تھی۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بار بار اپنے ترجمہ وحواشی قرآن کریم کی تدریس وتعلیم کی تھی۔

تیسری جہت یہ تھی کہ امتِ اسلامی خاص کر ملتِ ہندیہ کے تمام افراد وطبقات کو روزانہ انفرادی طور سے اس کو پڑھنے پر ابھارا تھا۔ عربی مدارس ومکاتب میں قرآن کریم کے پورے متن کی تدریس کو ضروری قرار دیا۔ ان کی اولین تجویز یہ تھی کہ عربی طالبِ علم کو جب وہ عربی زبان اور نحو وصرف پر اس قدر قادر ہو جائے کہ عربی سمجھنے لگے، متنِ قرآن کریم ترجمہ کی مدد سے پڑھا دیا جائے تاکہ اس کے قلب وذہن میں اولین کلامِ الٰہی ہی اترے۔ اس کے ساتھ دوسری تجویز یہ تھی کہ جب تک متنِ قرآن کی تعلیم پوری نہ ہو جائے اسے کوئی تفسیر نہیں پڑھانی چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کہ یہ دونوں نصابی کارنامے دراصل ان کے طریقۂ نبوی ﷺ کے عمیق مطالعے پر مبنی تھے۔ گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے انفرادی واجتماعی اثرات کے تجزیہ کے بعد ہی انہوں نے یہ دو طریقے تجویز کیے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے خلوص، مطالعہ، تجربہ، تحلیل وتجزیہ اور خالص عملی اقدامات نے ایک قرآنی تحریک پیدا کر دی۔"(۶)

۲۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور خدمتِ حدیث: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ایک طرف حدیث کی مسند بچھائی اور بہت سے حضرات آپ سے مستفیض ہوئے، دوسری طرف آپ نے حدیث کی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ مولانا عبدالحئی الحسنی رقمطراز ہیں:

"جب شاہ صاحب رحمہ اللہ حرمین شریفین سے واپس ہندوستان آئے اور اپنی ساری کوشش اس علم کی نشرواشاعت میں صرف فرمائی، آپ نے درسِ حدیث کی مسند بچھائی اور آپ کے درس سے بہت فائدہ پہنچا، بہت سے لوگ فنِ حدیث میں کامل ہو کر نکلے، اس

فن میں آپ نے کتابیں بھی تصنیف کیں، آپ کے علم سے بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچا اور آپ کی کامیاب کوششوں سے بدعات کا خاتمہ ہوا، شاہ صاحب رحمہ اللہ مسائلِ فقہیہ کی صحت کا فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں فرماتے تھے اور صرف انہی اقوال کو قبول فرماتے تھے جن کو کتاب وسنت کے موافق پاتے تھے اور جن مسائلِ فقہیہ کو کتاب وسنت کے موافق نہیں پاتے تھے ان کو رد فرماتے تھے خواہ وہ کسی بھی امام کا قول ہو۔"[۷]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حدیث کی جو تحریری خدمات سرانجام دیں ہیں اس کی مختصراً تفصیل اس طرح سے ہے۔ مؤطا امام مالک حدیث کی مشہور کتاب ہے اس کی آپؒ نے دو شروحات المصفیٰ (فارسی) اور المسویٰ (عربی) لکھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ درسِ حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے، یہ دونوں کتابیں اس کا نمونہ ہیں، ان سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علمِ حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں رتبے کے لحاظ سے سب سے پہلے رکھتے تھے اور اس کو سننِ ابنِ ماجہ کی جگہ شمار کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی اہمیت کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتناء رکھتے اور اس کو درسِ حدیث میں اولیت دینے کے پرجوش داعی اور مبلغ ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے وصیت نامے میں فرماتے ہیں: "چوں قدرت بزبانِ عربی یافت مؤطا بروایت یحی بن یحی معموری بخوانانند وہر گزآں را معطل نگزارند کہ اصل علمِ حدیث بست خواندن آں فیضہا وارد ومارا سمع جمیع آں مسلسل است۔"

ترجمہ: جب عربی پر قدرت حاصل ہو جائے، مؤطا کے اس نسخے کو جو یحی بن یحی معموری سے روایت ہے پڑھیں، ہر گز اس سے پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علمِ حدیث کی اصل ہے اور اس کا پڑھنا بڑے فیض کا حامل ہے۔ ہم کو مکمل مؤطا کی سماعت مسلسل طریقے سے حاصل ہے۔"[۸]

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "المصفیٰ" فارسی میں مؤطا کی مجتہدانہ شرح ہے۔ "المسویٰ" تعلیق بر مؤطا عربی زبان میں ہے۔[۹] مولوی ابو یحی امام خان نوشیروی لکھتے ہیں کہ: "حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی یہ دونوں شرحیں 'المسویٰ' (عربی) اور 'المصفیٰ' (فارسی) بطریقِ اجتہاد لکھی گئی ہیں۔"[۱۰] شاہ صاحب رحمہ اللہ فنی اور فقہی مباحث سے پہلے ہی آشنا تھے اور برسوں انہوں نے ہندوستان میں حدیث کا درس دیا تھا، اس لئے ان کے لئے اصل مسئلہ فہمِ حدیث کا نہیں بلکہ روایتِ حدیث کا تھا تاکہ ان کا سلسلۂ سند درست ہو جائے اور شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ ان کی بدولت تمام علمائے ہند کا سلسلۂ سند درست ہوا۔

۳۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور سیاست: آپ نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت مغلیہ حکومت کا دور تھا، مرہٹے ایک طاقتور سیاسی قوت کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مرہٹوں کی سرکوبی اور ان کے خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لئے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی سے رابطہ قائم کیا اور ان سے مدد مانگی۔ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے خلاف ان کی امداد کے لئے آگے

بڑھے اور پھر سن ۱۷۶۱ء میں پانی پت کا وہ عظیم اور تاریخی معرکہ ہوا جس نے مرہٹہ ریاست کے تصور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیا۔ اس خطرہ سے نجات حاصل کرنے کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور فرنگی کمپنیوں کا بڑھتا ہوا اثر و رسوخ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے سامنے تھا۔ ایسے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سلطنتِ مغلیہ کے بوسیدہ کھنڈرات کو سہارا دینے کے بجائے "فُکَّ کُلَّ نِظَام" کا نعرہ لگایا جس کا خلاصہ "مولانا زاہد الراشدی" نے کچھ اس طرح پیش کیا: ۱۔ زمین کا مالک حقیقی خدا ہے، باشندگانِ مالک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانے میں ٹھہرنے والے لوگوں کی ہوتی ہے ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حقِ انتفاع (فائدہ اٹھانے کا حق) میں کسی دوسرے کی دخل اندازی قانوناً ممنوع ہے۔ ۲۔ سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالکُ المُلک، ملکُ الناس، مالکِ قوم یا انسان کی گردنوں کا مالک سمجھے۔ ۳۔ ریاست کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کی ہوتی ہے۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندۂ ملک کی طرح زندگی گزار سکے۔ ۴۔ روٹی، کپڑا، مکان، بچوں کی تعلیم و تربیت بلا لحاظِ مذہب و نسل ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ ۵۔ مذہب، نسل یا رنگ کے کسی تفاوت کے بغیر عام باشندگان کے لئے ملک کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل و انصاف، ان کے جان و مال کی حفاظت، حقِ ملکیت میں آزادی، حقوقِ شہریت میں یکسانیت ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔

مزید اقتصادی اصول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے، مزدور اور کاشتکار قوتِ کاسبہ ہیں۔ باہمی شہریت کی روحِ رواں باہمی تعاون ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لئے کام نہ کرے، ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ۲۔ جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیمِ دولت کا صحیح نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ ۳۔ مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک و قوم کے لیے دفاعی کام کریں وہ دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی ترقی و خوشحالی ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی ہے۔ ۴۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے اور مزدوروں، کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے وہ قوم کا دشمن ہے۔ ۵۔ جو پیداوار یا آمدنی تعاونِ باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلافِ قانون ہے۔ ۶۔ کام کے اوقات محدود کیے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہئے کہ وہ اپنی اخلاقی و روحانی اصلاح کر سکیں۔ ۷۔ تعاونِ باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہئے۔ پس جب تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ سے تعاون کی روح کو نقصان پہنچائیں، ایسے ہی حکومت کے لئے بھی درست نہیں کہ بھاری ٹکیس لگا کر تجارت کے فروغ میں رکاوٹ پیدا کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے آئندہ جدوجہد کے لئے فکری بنیادیں مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت بندی بھی شروع کر دی، دہلی میں ہیڈ کوارٹر قائم کیا، متعدد شاگردوں اور خصوصاً اپنے خاندان کے افراد کو خصوصیت کے ساتھ تربیت دی، مولانا عاشق مظفر نگری،

مولانا نوراللہ میر ٹھی، مولانا محمد امین کشمیری، مولانا مخدوم لکھنوی پر مشتمل خصوصی گروپ قائم کیا، دہلی کے علاوہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلوی، نجیب آباد لکھنؤ اور مدرسہ ملا معین الدین ٹھٹھہ سندھ بھی اس تحریک کے مراکز تھے۔[۱۱]

امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے علوم کا سرسری جائزہ: بلاشبہ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے الہامی اور کسبی علوم کی تعداد وافر ہے، آپؒ کے علوم کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس پر کئی مجلدات پر کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ یہاں اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان میں سے کچھ قابلِ فخر علوم کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔علمِ حدیث میں مہارت: علمِ حدیث کو امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لوگوں کے سامنے چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح کیا چنانچہ اس علم کے عمدہ اور بہترین طریقہ کار سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لوگوں کے سامنے اس کا نچوڑ بڑے واضح انداز میں پیش کیا، اس علم کے پھیلاؤ کے لئے انتہائی قوت صرف کی یہاں تک کہ لوگ دور دراز سے آکر اس سے سیراب ہونے لگے۔

۲۔علمِ تفسیر میں مہارت: اہلِ علم میں سے وہ افراد کہ جن پر اللہ نے یہ انعام کیا کہ وہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں موجود بہترین اور عمدہ باتوں کے مفاہیم سے پردہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان کی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتابوں پر نظر ہو اور ان میں غور و فکر کی استطاعت رکھتے ہوں، وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں اور گواہی دیں گے کہ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو علمِ تفسیر میں بڑا وافر حصہ ملا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اصولِ تفسیر میں لکھی گئی ان کی بہترین کتاب "الفوزالکبیر" آج بھی مدارسِ عربیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

حق بات یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فنِ تفسیر میں تحقیق وتدقیق میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں:

- تفسیر کے اہم مسائل اور بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی۔
- علمِ تفسیر کا پُر مغز خلاصہ مختصر جملوں میں بیان کیا۔
- قرآن سے ثابت شدہ منصوص علوم پر گفتگو کی۔
- مشکلات القرآن کی بہترین توجیہ پیش کی۔
- غریب القرآن کی بہتر شرح پیش کی۔
- ناسخ و منسوخ آیات کے درمیان تمیز پیدا کی۔

اس کے علاوہ علمِ تفسیر کی بہت سی نفیس اور عمدہ باتیں، نادر اور عجیب نکتے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں بیان کئے۔

۳۔اصولِ حدیث میں مہارت: اصولِ حدیث میں آپ کی تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع ہے، آپ نے اتنی باریک بینی سے عمدہ دلائل

اور نکتے بیان کیے ہیں کہ کسی کا قدم وہاں تک نہیں پہنچا۔ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وبرائے فہم معانی احادیث و دفع تعارض من بینھا حضرت والد ماجد قدس سرہ قواعد عجیبیہ و فوائد غریبیہ تنسیق فرمودہ اند۔" ترجمہ: احادیث کے معانی سمجھنے اور ان کے تعارض کو دور کرنے کے لئے حضرت والد ماجد قدس سرہ نے بہت عمدہ قواعد اور انوکھے فوائد ترتیب سے بیان کیے۔[۱۲]

۴۔ فقہی علوم میں مہارت: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے مخصوص علوم میں سے ایک آپ کا فقہی علوم میں مہارت اور رسوخ کا ہونا ہے۔ آپ نے فقہی مسائل کے اصل مآخذ دریافت کیے، ان کے دلائل کی اختلاف کی وجوہات اور ان کے پس منظر کو سمجھا، پھر فقہ کے اساسی مسائل کو ذیلی مباحث سے جدا کیا اور پھر انہیں اپنے شاگردوں کے سامنے بہترین انداز میں بیان کیا اور اپنے بے مثل اندازِ تحریر کے ذریعے ایک ایسے فقہ کی نشاندہی کی جس کا ہر پہلو کھلے ہوئے سفید پھولوں کی سفیدی کی مانند بڑا روشن ہے۔

آپ نے فقہی علوم کے ہر پیاسے کو سیراب کیا اور اس حوالے سے ہر طرح کے اندھے پن کو دور کیا اور لوگوں کی آنکھیں کھول دیں یہاں تک کہ آپ علمِ فقہ کے حوالے سے ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ نے اس علم کے تمام موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

اصولِ فقہ کو مہذب اور مدون صورت میں پیش کیا، تمام ائمۂ دین خواہ ان کا تعلق اصحابِ رائے اور اہلِ قیاس سے ہو یا اصحابِ حدیث اور فقہائے محدثین سے ہو، اس سب کے مختلف مذاہب کی اصولی باتوں کی آپ نے شرح بیان کی ہے اور مختصر عبارات میں انہیں بہترین انداز میں جمع کیا جن کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استنباط و استخراج کی تمام وجوہات کو تمام تر کثرت کے باوجود دس قسموں میں بند کر دیا۔ ان دس قسموں کا تفصیلی بیان "حجۃ اللہ البالغہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔[۱۳]

۵۔ عقائد اور اصولِ دین میں مہارت: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سلفِ صالحین کے بنیادی عقائد کا سیدھا راستہ واضح کیا، بعد میں آنے والے لوگوں کی وجہ سے اس علم میں جو اختلاط آگیا تھا، انہوں نے اسے دور کر کے اصل بنیادی عقائد کی نشاندہی کی، انہوں نے اس بات کی بھی نشاندہی کی کہ کیسے معقول اور منقول کے درمیان تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے۔ آپ نے فلسفیوں کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا بھی جواب دیا، معتزلہ کے وہم و گمان کی بنیاد پر اختیار کیے گئے عقائد کا قلع قمع کیا، عقائد اور اصولِ دین کے اس فن میں انہوں نے ایسے ایسے اسرار بیان کیے کہ کئی زمانے گزرنے کے بعد بھی ایک دو افراد کے علاوہ کسی کی ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ "الیانع الجنی" میں ہے:

ترجمہ: "شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایسے فرد ہیں جن کے سینے میں اللہ نے ان تمام لوگوں کے مختلف علوم جمع کر دیے تھے۔ انہوں نے تمام طریقوں کو جمع کر کے علمِ عقائد اور اصولِ دین کو تمام غلط خیالات اور گدلے پن سے نکال کر صاف و شفاف اور واضح کر دیا۔ امام شاہ ولی اللہ نے ایسا طریقہ اپنایا جو ہدایت کی تمام نمایاں علامات بن کر سامنے آیا۔"[۱۴] اللہ جل شانہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ عربی زبان بولنے اور لکھنے کا ملکہ عطا کیا تھا، ان کے عربی میں لکھے ہوئے عمدہ الفاظ اور خوبصورت جملے جب کوئی سنے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ ایک ایسا آدمی ہے جو قبیلۂ بنو ہوازن کے بلند علاقوں کی ایک بستی کا رہنے والا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے

اپنے بیٹوں اور احباب کو جو وصیت کی ہے اس میں انہیں عربی زبان پر پورا عبور حاصل کرنے، اس کا ادبی ذوق اور ملکہ پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ بلاشبہ عربی زبان ان چند قابل فخر چیزوں میں سے ہے کہ جن سے سید المرسلین ﷺ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔"التفہیمات الالٰہیہ" میں خود شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "مے گوید فقیر ولی اللہ عفی عنہ این کلمات چند است کہ اولاد و احباب خود را بایں وصیت مے کنم۔ ما مردم عربیم کہ در دیارِ ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند و عربیت نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ما است کہ ما را بہ سید اولین و آخرین و افضل انبیاء المرسلین و فخر موجودات علیہ و علی الہ الصلوۃ والتسلیمات نزدیک مے گردانند۔"(۱۵)

امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تصانیف: آپ کی مختلف علوم و فنون میں لکھی گئی تصانیف کی تعداد کثیر ہے، ان میں سے مشہور یہ ہیں:

۱۔اَلْمُسَوّٰی: یہ مؤطا امام مالک کی شرح ہے جو کہ عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس میں آپ نے احادیث کو ایک خاص ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ جمہور علماء کے مستنبط کردہ مسائل بیان کیے ہیں، ہر باب میں صرف شافعی اور حنفی مذاہب بیان کیے، غریب اور اجنبی الفاظ کی شرح بیان کی اور اسی طرح شرعی حکم کی علت اور اس کی اقسام کو بھی بیان کیا۔

۲۔اَلْمُصَفّٰی: یہ فارسی زبان میں مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس میں آپ نے مؤطا کے تمام اسرار و رموز کو بہترین انداز میں بیان کیا۔

۳۔اِزَالَۃُ الْخُلَفَاءِ عَنْ خِلَافَۃِ الْخُلَفَاء: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں کتاب و سنت، اجزاء اہل بیت اور اجماعِ امت کے ہزاروں دلائل اور اقوال جمع کیے۔ شیخ محسن یمانی لکھتے ہیں کہ: "میں نے شیخ اصل ابد العلیٰ عمری سے سنا ہے کہ بے شک جس آدمی نے یہ کتاب لکھی ہے وہ علم کا موجیں مارتا ہوا ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔"

۴۔حُجَّۃُ اللہِ الْبَالِغَہ: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب شریعت کی حکمتوں اور حدیث کے اسرار کے بیان میں ہے۔

۵۔اَلْقَوْلُ الْجَمِیْلُ فِیْ بَیَانِ سَوَاءِ السَّبِیْلِ: اس کتاب میں آپ نے علمِ سلوک سے متعلق افادات کو جمع کیا ہے۔

۶۔اَلْفَوْزُ الْکَبِیْرِ فِیْ اُصُوْلِ التَّفْسِیْرِ: یہ کتاب آپ کی اَجِلہؔ کتب میں سے ایک ہے اور آج بھی مدارسِ عربیہ اور مختلف جامعات میں درساً پڑھائی جاتی ہے۔

۷۔اَلتَّفْہِیْمَاتُ الْاِلٰھِیۃ: یہ کتاب علمِ حقائق کے بیان میں ہے، امام شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ: "یہ آپ کی عمدہ تصانیف میں سے ہے۔" اور خود شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "میں نے گزشتہ رات امیر المؤمنین حضرت علی کو دیکھا وہ فرما رہے تھے کہ: تو ہمارا بھائی ہے اور ان اوراق میں تو نے جو کچھ لکھا ہے، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔"(۱۶)

مشاہیر علماء کی نظر میں شاہ ولی اللہ کا مقام: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تعریف و منقبت بہت سے اونچے درجے کے جلیل القدر علمائے کرام نے

کی ہے۔ الیانع الجنی میں ہے کہ: ترجمہ: ان میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب تحفۂ اثناعشریہ میں کہا ہے کہ: "یہ جو امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی شان میں کہا گیا ہے، بالکل درست بات ہے کہ وہ "آیۃ من آیات اللہ ومعجزۃ من معجزات نبیہ ﷺ تھے۔" اسی طرح شیخ اجل، فقیہ محدث، عارفِ کامل شیخ مرزا مظہر جانِ جاناں علوی دہلوی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ عالم شیخ نعیم اللہ بہرائچی نے فرمایا ہے کہ: اللہ جل شانہ نے امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی روح کو مقدس بنایا ہے، آپ اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

حضرت مظہر جانِ جاناں کہا کرتے تھے: شیخ ابو عبد العزیزی بڑے محدث ہیں جنہوں نے ایک تجدیدی طریقہ کار اپنایا ہے نیز مشکل علوم اور معارف کے اسرار کی تحقیق میں ایک خاص طرز اپنایا ہے، وہ علماء میں سے ایک ربانی عالم تھے، وہ ایسے صوفیائے محققین میں سے ہیں کہ جنہوں نے علمِ ظاہر اور باطن کو جمع کیا اور نئے علوم کی تحقیق و تدوین کی ہے۔(۱۷) شیخ محسن یمانی لکھتے ہیں کہ: شاہ ولی اللہ پر اعتراض کرنے والا جاہلوں میں سب سے بڑا جاہل ہے، اس کے دل میں ایسی بیماری ہے جس کے علاج کی امید نہیں کی جاسکتی۔ ان کے ہاتھوں یقینی علوم کے درس و تدریس کا کام دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے، اس سلسلہ میں آپ نے انتہا درجے کی جد و جہد اور کوشش کی ہے یہاں تک کہ ہو مجتہد فی المذہب کے مرتبے پر پہنچے، انہوں نے بہت سی الجھی ہوئی باتوں کو کھول کر بیان کرنے کی مشقت برداشت کی ہے۔(۱۸)

خلاصۂ مقالہ: اللہ جل شانہ نے ابتدا میں انسانوں کی ہدایت کا کام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا اور بالآخر حضرت محمد ﷺ پر اس سلسلہ کو روکتے ہوئے دین کو مکمل کر دیا۔ اس کے بعد جب بھی شریعت میں دین کے نام پر غلط افکار و خیالات داخل ہوئے تو قانونِ الٰہی کے مطابق ہر دور اور ہر صدی کی ابتدا میں ایک دیدہ ور پیدا ہوتا جو بلاخوف و خطر دین کو از سرِ نو زندہ کرتا رہا ہے، انہی مجددِ دین و مصلحین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنتِ مغلیہ روبہ زوال ہو کر پارہ پارہ ہو رہی تھی، سکھوں، مرہٹوں اور نادر شاہ کے سنگ دلانہ حملے نے دہلی کی عظمت کو بے رونق کر دیا تھا، پورا معاشرہ زوال آمادگی کا شکار تھا، اخلاقی اقدار کو زنگ لگ رہا تھا، مسلم معاشرہ پر دنیاپرستی غالب آچکی تھی، روحانی عظمتیں مادیت کی پستی میں جا سوئی تھیں، ان کے اندر نہ عزم باقی تھا نہ حمیت، نہ راست گوئی تھی نہ مذہبی رجحان، مذہبی گمراہی نے ان کے وجود کو منتشر کر دیا تھا جس کے سبب کتاب و سنت سے بے اعتنائی امتِ مسلمہ کا خاصہ بن گئی تھی، علماء سوء نے دین کو اپنی جاگیر سمجھ کر دنیاداری کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ حضرت شاہ ولی للہ رحمہ اللہ نے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اپنے اصلاحی پروگرام کو مختلف سطحوں میں شروع کیا۔ وہ امت کے مختلف فرقوں میں اختلافِ عقائد کے اسباب و علل کا سراغ لگانے کی طرف مائل ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک مضبوط نظامِ تعلیم پر خصوصی توجہ دی، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد بارہ سال تک مسندِ درس پر بیٹھ کر اپنے ذی استعداد جانشینوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے شاہ

صاحبؒ کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے علمِ تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام کی تعلیم وتدریس کو جاری رکھا اور علمِ حدیث و تفسیر کے صحیح علم سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ ایک طرف شاہ صاحب رحمہ اللہ امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی میں لگے ہوئے تھے، اور دوسری طرف دینِ نبوی ﷺ کے اسرار ورموز سے امت کو مستفید کررہے تھے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے یہ وہ کارنامے ہیں جس نے بڑے بڑے علماء متأخرین کو متاثر کیا۔ بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ متاثر کن اور سحر انگیز ہے۔ آج ایک بار پھر مسلم معاشرے کو شاہ ولی اللہ ثانی کی ضرورت ہے جو امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کرسکے، مسلم سماج میں بڑھتی ہوئی بدعات و خرافات پر لگام لگا سکے۔ عالمِ اسلام کا سود وزیاں تو کسی سے بھی پنہاں نہیں۔ بقول علامہ اقبال: "ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو" لیکن پھر بھی یہ قوم اپنی نیند سے بیدار ہونے کو تیار نہیں۔

حوالہ جات

1. سید سلیمان ندویؒ، مقالاتِ سلیمان: جلد دوم، صفحہ ۴۲
2. اس کی تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ملاحظہ فرمائیں۔
3. حاشیہ عبقات: صفحہ ۱۰۳، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، ادارۂ اسلامیہ، لاہور
4. شاہ ولی اللہ دہلویؒ، الجزء اللطیف بترجمہ عبد الضعیف: ، صفحہ ۲۰۴، ناشر: مجتبائی، دہلی، ۱۳۳۵ھ
5. الیانع الجنی علی ھامش کشف الاستار، صفحہ ۸۹، ناشر: دارل اشاعت، دیوبند، انڈیا
6. شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات: صفحہ ۷، ۶، ناشر: ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ یونیورسٹی، سنِ اشاعت 2013
7. الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند: صفحہ 1991
8. ابو الحسن علی ندوی، تاریخِ دعوت وعزیمت: جلد ۵، صفحہ 192
9. حیاتِ امام مالک: صفحہ 105
10. تراجم علمائے حدیث ہند: جلد اول، صفحہ 43
11. ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور: سنِ اشاعت 24 اکتوبر 1975
12. عجالہ نافعہ: صفحہ 17، ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
13. حجۃ اللہ البالغہ: المبحث السابع، باب کیفیۃ المراد من الکلام: صفحہ 88
14. شیخ محسن بن یحیٰ یمانی، الیانع الجنی علی ھامش کشف الاستار: صفحہ 79، دار الاشاعت، دیوبند،
15. شاہ ولی اللہ دہلویؒ، التفہیمات الالھیہ، تفہیم نمبر 2461، جلد 2، صفحہ 269، ناشر: حیدر آباد
16. الیانع الجنی علی ھامش کشف الاستار: صفحہ 93، دار الاشاعت، دیوبند، ہند
17. شاہ ولی اللہ دہلویؒ، التفہیمات الالھیہ، تفہیم نمبر 14، جلد 2، صفحہ 19، ناشر: حیدر آباد، سندھ
18. الیانع الجنی علی ھامش کشف الاستار: صفحہ 91، دار الاشاعت، دیوبند، ہند

IMAM RAGHIB ISPHEHANI'S METHOD IN GHAREEBUL QURA'AN

الإمام الراغب الأصفهاني ومنهجه في غريب القرآن

خليل احمد استاذ قسم اللغة العربية جامعة أوردو الفيدرالية كراتشي

سردار أحمد استاذ قسم اللغة العربية جامعة أوردو الفيدرالية كراتشي

ABSTRACT: *Imam Raghib's full name is Abu Qasim Hussain bin Muhammad bin Mufazal. Being born in Isfahan, he became known as Imam Raghib Isfahani and it became his title. His birth year is not confirmed; however, most scholars say that his death occurred in 502 AH. Although the living conditions of Imam Raghib are not found in the detailed books, it is agreed that he has spent most of his life in Baghdad and Isfahan, and furthermore that he has found the time of the fourth century AH and was the contemporary and scholar as the level of Imam Ghazali (ra). He had great knowledge and grace, and in addition to be the writer of comprehensive knowledges and arts, he was also the highest saint and his end was very high in literature and philosophy and all knowledge. Allama Zahbi mentions him in Tabaqat-ul-Mufasireen and Imam Sayuti has counted him in the Imams of vocabulary and syntax, introduced him as Hakim, writer and interpreter at different places. In addition to this, other writers have also declared him the Imam of various knowledge and arts, which suggests that he was the Imam of all the arts as well as the great Hakim and saint. There are many authored books by him, from which the most famous book is Al-Mufradat-Fi-Gareeb-ul-Quran, which is considered by Allama Sayuti as one of the most important book on the subject of Gareeb Knowledge in which he has interpreted the gareeb words present in 114 Surahs of Quran. The style which he used in this book is unique and it can be said with full authority that all the gentlemen who have worked on the languages of Qur'an are not only convinced of the importance of the Mufradat-e-Imam Raghib in this field, but each one has laid the basis of his dictionary on the same book and has not remained without following Imam Raghib.*

KEYWORDS: *Authentic Historian, Words, Research scholar, Hand written, Hidden***.**

كليدى الفاظ: اصفهان، امام غزالى، المفردات، غريب القرآن، وجوه الاعجاز، المخطوط.

الحمد لله الذي أنزل الفرقان على خير الأنام، والصلاة والسلام على من أوتي سبع من المثاني والقرآن العظيم، وعلى صحابته أجمعين ومن نحا نحوه إلى يوم الدين.

وبعد: فإن القرآن الكريم كتاب لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد، والله تعالى قد تكفَّل بحفظه إلى قيام الساعة، ودعا الخلق إلى التمسك والاعتناء به آناء الليل و أطراف النهار، وجعل كل حرفه بعشرة أمثالها، وجعله مُخرِجاً من كل فتنة ومُنجِياً من كل بلاء، ولا تنقضي عجائبه، ولا غرائبه، وهو حبل الله القويم المتين، و النصح الحكيم، والصراط المستقيم، ما زاغ به الهواء و ما التبس به القلب، وقد نبّأنا الله فيه ما قبلنا وخبّرنا فيه ما بعدنا، ومن سعى إلى الهدي بغير أضلّه الله، ومن اهتدى به فقد هدي إلى الصراط المستقيم, ومن تكلم به صُدِّق ومن فعل العمل به أُجِّر ومن فصل به عَدَلَ، ومن دعا به فقد دعا إلى الصراط المستقيم ومن دعا بغيره فقد غوى وفرّط.

لاشك أنَّ عِلْمَ القرآن من أشرف العلوم، ولا يشبع منه الباحث ولا العالم وهو أولى ما يعكف عليه الباحث، ويلزمه الدارس، لذا قد افتنَّ[1] وتنوَّع المفسرون في علوم القرآن قديما وحديثا وتنوعت مناهجهم ومباحثهم، فمنهم من اهتم بالتفسير، ومنهم من اهتم بالإعراب وهناك من تناول علم الناسخ والمنسوخ وهناك من تحدث عن الوقف والابتداء ، وهناك من بحث وجوه الإعجاز، ومنهم من شرح اللفظ الغريب في القرآن الكريم.

وكان من أعظم علوم القرآن شأنا، وأكثرها قيمة، علم غريب القرآن و الكتب التي تناولت علم غريب القرآن، سوف أتناول في الأسطر الآتية معنى علم غريب القرآن وسبب بدأ علم الغريب وجهود العلماء وعظماء الإسلام فيه عبر العصور ، ولا ننسى أن المصنفات والمؤلفات في غريب القرآن كثيرة، منها المطبوع، ومنها المخطوط، والمفقود، ومن هذه المؤلفات " مفردات ألفاظ القرآن " للإمام الراغب الأصفهاني، إذ حُظي هذا الكتاب بكثير من الاهتمام من لدى المؤلف حيث نهج فيه منهجا ليس بالكثير الممل و لا بالقليل المخل، قد شرح المؤلف فيه آيات القرآن الغريبة، مع الاعتناء باللغة، و المفردات، و الاشتقاق و وجوه الإعراب، و أيضا يذكر بعض النكات و الفوائد من تفسير وتأويل، والدليل عليه من القرآن و السنة، وأسباب النزول، والقراءات الصحيحة و الشاذة، كما يذكر شيئا من الأحكام الفقهية والرد على أقوال بعض الأئمة، و تأييد بعضها، وتزداد قيمة هذا الكتاب و أهميته أكثر لدى القاري، إن عَلِم أنه من أقدم الكتب في الموضوع، حيث أُلّف في القرن الرابع الهجري وهو قرن الازدهار العلمي، والنهضة العلمية.

نظرا إلى مكانة الكتاب وددت أن أدرس كتاب "مفردات ألفاظ القرآن" دراسة تحليلية، و لِمَ لا !؟ وقد اعترف بأهمية هذا الكتاب وفضله معاصروه، ومن جاء بعده من العلماء المتقنين، والمشهورين في العالم الإسلامي بمعرفة علم غريب القرآن ولا ننسى أنه من أوثق مؤلفات غريب القرآن عند جميع العلماء.

كما قال الزركشي: القسم الثامن عشر: تعليم غريبه[2]. و هو تعليم المدلول، و قد صنف في هذا الموضوع جماعة من العلماء ، منهم: أبو عبيدة معمر بن المثنى التيمي (210 /825) الذي ألف كتابا باسم " مجاز القرآن" [...] ومن أحسن هذه المؤلفات كتاب " المفردات " للراغب. و قال حاجي خليفة: المفردات في غريب القرآن للراغب، كتاب نافع في جميع العلوم التي تتعلق بالشرع[3] .

و قال الفيروز آبادي: لا نظير له في معناه[4]. و لاشك أن الإمام الراغب قد اعتمد على مؤلفات العماء الأجلاء الذين قبله وأنا أذكر منها أسماء بعض الكتب منها " المجمل في اللغة" لابن فارس وقد استفاد الإمام الراغب الأصفهاني كثيرا على هذا الكتاب و هذا يتضح من ترتيب الكتاب و التشابه في العبارات و أحيانا ينقل منه حرفيا، و توجد موافقة كبيرة في الأبيات الشعرية، و على كتاب أبي منصور الجبان " الشامل في اللغة" نجد ذكره في مادة (دلَّ) بالصراحة، و تأليف ابن السكيت " تهذيب الألفاظ" وينقل عنه الإمام الراغب في مادة (بقل) ونقل في مادة (طهر و دخل) من كتاب " الحجة للقراءات السبعة " للفارسي، وفي مادة (حرس) نقل من كتاب " غريب الحديث " لأبي عبيد، وغير ذلك من الكتب الكثيرة التي هي أساس في الباب مثل كتاب الأخفش وابن قتيبة و كتاب سيبويه و تفسير أبي مسلم الأصفهاني.

ونظرا إلى منزلة المؤلف، العلامة الماهر، والمحقق الباهر، وأحد أعلام العلم، و مشاهير الفضل، من أذكياء المتكلمين، ومن حكماء الإسلام الإمام الراغب الأصفهاني ـ رحمه الله رحمة واسعة ـ وكان ـ رحمه الله ـ من عظماء و علماء القرن الرابع الهجري ومن أعيان المفسرين والمحدِّثين و المتكلمين والحكماء والشعراء، وأيضا كان ـ رحمه الله ـ من الأئمة الذين يرجع لقولهم ويستشهد بآرائهم. وأرجو أن تكون هذه الأسطر جهدا جهيدا من الجهود المبذولة في خدمة علم غريب القرآن ومقبولة عند الله يوم لا ظل إلا ظله.

فقبل أن أبدأ بترجمة الإمام الراغب الأصفهاني و بيان منهجه في كتاب " المفردات " وددت أن أبين معنى "كلمة الغريب " بسبب قلة الاستعمال و الفهم و قلة ارتباط الناس بهذا العلم في عصرنا الراهن حتى يصبح القارئ على البينة عند مطالعة المقال و يفهم ما يقصده القائل وسأذكر نبذة عن سبب بداية علم الغريب وأساليب بعض الأئمة في مؤلفات علم الغريب.

علم غريب القرآن

معنى الغريب: "الغريب" صيغة اسم فاعل من غرُب يغرُب غرابةً5، و جمعه: غرباء؛ " الغُرْبَةُ " و "الغُرْبُ " يأتيان لغة في معنى: ابتعاد و بعد الإنسان عن و طنه، يقال: كلام و رجل و شيء غريب و غريب[6] و في معنى: لا أحد له و لا معين له، كما أُستعمل في حديث النبي ـ عليه السلام ـ " إن الإسلام بدأ غريبا و سيعود كما بدأ " هنا في الحديث " غريبا " بمعنى لا معين له و لا قرين له و لا صديق له. قال الإمام أبو سليمان أحمد بن محمد الخطابي[7]، "الغريب من الكلام: الذي يكون بعيدا عن الفهم و الغامض في المعنى كما يقال للبعيد عن الوطن، و المقطع عن الأهل "الغُرْب من الناس"، و أما الغريب في الكلام، على نوعين، أحدهما: يُعنى و يُقصد به أنه غامض و بعيد المعنى، لا يأخذه و لا يأخذه الفهم و معاناة فكر إلا من بعيد، و ثانيهما: أن يُقصد و يُراد به كلام الذي ابتعدت منه الدار، من قبائل العرب الشاذة و غير معروفة. فإذا وصلت إلينا الكلمة من لهجاتهم و لغاتهم استغربناها".

و تُستعمل كلمة "الغريب" اصطلاحا في معاني شتى، منها: كلمة الغريب عند أهل اللغة تدل على الكلمات الصعبة المعاني أو الأجنبية أو الغريبة في القرآن و الحديث[8]. فإن وجود الكلمات الأجنبية و إن كانت قليلة، و وجود الكلمات الكثيرة من غير لهجة قريش؛ تسببت لظهور مسألة الغريب في القرآن العظيم، ثم تُخمَّن الغرابة في علم غريب القرآن على نوعين، الأولى: أن تكون معاني الكلمات مغلقة، و الثانية: أن تكون الكلمات الشاذة بعيدة عن الحجاز ,و الدليل على هذا، قول أبو حبان الأندلسي[9]: حيث قال لغات القرآن على قسمين: القسم الأول: كأنه مشترك في معناه عامة العرب و خاصتهم، كالسماء, و الأرض، و أمام , و خلف، و فوق، و تحت، و القسم الثاني: خاص بمن له معرفة و خبرة و تبحر في اللغة العربية، و قد ألف معظم العلماء في القسم الثاني و قالوا إنه " غريب القرآن".

و قد بدأ علم غريب القرآن و تطوره منذ زمن بدأ الوحي و نزول القرآن الكريم، الذي لعب دورا كبيرا في جمع اللهجات المختلفة و انكشاف اللغة و الأدب العربي؛ حيث نشاهد علم الغريب حين يفسر و يبين الرسول ـ عليه الصلاة و السلام ـ شفويا معاني الكلمات التي لم يعرفوا الصحابة ـ رضوان الله عليهم أجمعين ـ معناها و لكن ليست أكثر إيضاحات النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ لمشابهة بإيضاحات أهل اللغة و التفسير ، بل قد أجاب و خاطب أقوام العالم العربي حسب لهجاتهم بكلام ما يعلمون و يفهمون من أقرب طريق بدون تطويل بل و في بعض الأحيان يأتي بمرادف الكلمة أو يعرّفها بالوصف أو يبين ما هو المقصود منها، و يبين المعنى الشرعي للكلمة.

و أيضا كان دورا هاما للصحابة ـ رضي الله عنهم أجمعين ـ بعد النبي ـ صلى الله عليه و سلم ـ في مجال علوم القرآن و تفسيره، و هؤلاء الصحابة الكرام كانوا مخاطبي الرسول ـ صلى الله عليه و سلم ـ مع إيمانهم الوثيق و مشاهدتهم الأحداث و أسبابها، لا شك أن الرسول ـ صلى الله عليه و سلم ـ جاء بالقرآن كرسالة، و رغب الناس في فهم تفسيره و قراءته و استمر الصحابة على هذا الحال، و الجدير بالذكر جهود عبد الله بن عباس ـ رضي الله عنه ـ الذي عرف بترجمان القرآن و وارث العلوم القرآنية و هو أول من فسر القرآن و روى عنه تلاميذه و هم: مجاهد (المتوفى: 103هـ) و عطاء بن أبي رباح (المتوفى: 115هـ)و عكرمة (المتوفى: 107هـ) و أمثالهم كانوا من تلاميذ ابن عباس ـ رضي الله عنه ـ و كذلك اشتهر من تلاميذ عبد الله بن مسعود ـ رضي الله عنه ـ : مسروق بن الأجدع (المتوفى: 73هـ) و قتادة بن دعامة السدوسي (المتوفى: 118هـ) كل من هؤلاء الذين ذكرنا أسمائهم اشتهروا كمفسرين إلى جانب أنهم كانوا أول اللغويين. و ذكر ابن الأنباري بهذا الخصوص في كتابه الشهير المسمى بـ " ايضاح الوقف و الابتداء[10]": "وردعن النبي ـ عليه السلام ـ و عن الصحابة و من تبعهم ـ رضي الله عنهم ـ في فضيلة إعراب القرآن والتحريض على تعليم إعراب القرآن، و الاجتهاد في تعليم القراءة الصحيحة، وذم اللحن وكراهيته و الابتعاد من اللحن الجلي و الخفي عند التعلُّم، من ذلك: عن أبي هريرة ـ رضي الله عنه ـ أن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ قال: "أعربوا القرآن والتمسوا غرائبه".

و الجدير بالذكر أن بعد زمن الصحابة و التابعين قد تعددت و كثرت المؤلفات في هذا الفن و لكنها لم تأت تحت عنوان " غريب القرآن " فحسب بل سميت بأسماء عديدة منها: باسم " معاني القرآن " ككتاب الفراء و بعضها الأخرى باسم "مجاز القرآن" ككتاب أبي عبيدة و منها ما سُمِّيت باسم " لغات القرآن" ككتاب أبي حبان الأندلسي ؛ و بعض منها سميت بـ "تحفة الأريب بما في القرآن من الغريب" رغم تعدد الأسماء منهج جميع هذه الكتب واحد و هو شرح اللفظ القرآني و الاستدلال عليه.

مثل تعدد الأسماء لكتب "غريب القرآن" قد اختلفت و تعددت المناهج و الأساليب أيضا فيها، فبعض هذه الكتب جاء على ترتيب سور القرآن الكريم يعني يُفسر سورة بعد سورة و آية بعد آية ،مثل: تفسير غريب القرآن لابن قتيبة و غريب القرآن و تفسيره لليزيدي و بعضها جاء على ترتيب حروف المعجم، مثل تحفة الأريب لأبي حبان الأندلسي، و كتاب "المفردات" للإمام الراغب الأصفهاني سوف ندرس هذا الكتاب دراسة تحليلية و نتعرف على منهج المؤلف فيه.

فقبل أن أقلب صفحات الكتاب للدراسة و أبدأ بدراسة كتاب "مفردات ألفاظ القرآن" و ددت أن أمرر القلم على ترجمة المؤلف ـ رحمه الله رحمة واسعة ـ بالاختصار لأن الشيء يعرف بصاحبه .

ترجمة الإمام الراغب الأصفهاني

اسمه و نسبه و مولده: قد اتفق جميع العلماء على قلب المؤلف أنه "الراغب" و على كنيته أنه "أبو القاسم" و على نسبته أنه "الأصفهاني" أو "الأصبهاني"[11]، و الأصفهاني: نسبة إلى أصبهان بفتح الهمزة على الأكثر، و هي مدينة مشهورة من أعلام المدن و أعيانها بأرض فارس[12].

و لكن اختلف العلماء في اسمه، فهناك من قال: اسمه حسين بن محمد بن المفضل[13]، و قال البعض: حسين بن مفضل بن محمد[14]، و قيل: إنه المفضل بن محمد[15] و عند الأكثر أشتهر باسم الحسين و الله أعلم بالصواب. و أما تاريخ ولادته فما ذكرها أحد سوى صاحب "تاريخ حكماء الإسلام" إذ ذكر عام تسع و تسعين و أربعمائة للهجرة[16] (499 هـ) لكن هذا جرّه إلى خطأ تفرّد فيه، و ذلك حين جعل سنة و فاته خمسا و ستين و خمسمائة للهجرة (565هـ). كما قال عنه الدكتور أبو اليزيد العجمي: " و واضح أن الأمر في نطاق الافتراض[17] الذي لا يملك دليل القطع في مسألة موضوع البحث". لكن حسب تحقيق "عدنان الجوهرجي أنه وجد نسخة مخطوطة نادر الوجود في مكتبة السيد "مصطفى لطفي الخطيب" من كتاب "المفردات في غريب القرآن" في مدينة دمشق[18]، و طبعت هذه النسخة في عام (409 هـ) كتب في حاشية الكتاب بخط جلي أن كتاب " المفردات" ألفه الإمام الراغب الأصبهاني و ولد الإمام الراغب في رجب عام (343 هـ) في قصبة أصفهان و توفي عام (412 هـ)".

كما وقع الاختلاف في اسم الإمام الراغب الأصفهاني و تاريخ ميلاده و بقيا مجهولا، و كذلك لم يُذكر شيئا في أي كتاب من كتب تراجمه عن مشايخه و تلاميذه غير المحقق صفوان عدنان داوودي الذي يقول: "لكن الراجح و الغالب في ظني أنه تتلمذ في تعلُّم اللغة العربية على أبي منصور الجبان ـ هو محمد بن علي بن عمر أبو منصور الجبَّان كان من علماء الأعيان و حسنات الري، ماهرا في اللغة العربية فرد الدهر و باقعة الوقت و روضة الأدب و بحر العلوم النقلية و العقلية ، تصانيفه منتشرة في أنحاء العالم، كان من رفقاء الصاحب ابن عباد و لكن ثم فارقه و ابتعد منه[19]ـ ثم أردف يقول المحقق صفوان عدنان داوودي و الدليل: على أن الإمام الراغب تتلمذ على أبي منصور في اللغة العربية لأنه كان من معاصر ي الإمام الراغب و كان أبو منصور في طبقة قبل طبقة الإمام الراغب لأنه أدرك الصاحب بن عباد مجالسة و الإمام الراغب لم يدركه و أيضا قد نقل الإمام الراغب الأصفهاني عنه في كتابه " المفردات" في مادة (دلى). ثم ذكر صفوان داوودي نتيجة تحقيقه قائلا: أظن أن الإمام الراغب الأصفهاني حضر في دورس أبي منصور في كتاب " الشامل"[20]، لأنهما كانا حين ذاك في أصبهان[21]. و الله أعلم بالصواب.

حياة و سيرة الإمام الراغب الأصفهاني: قد وجدنا غموضا كبيرا في أحوال حياة و سيرة الإمام الراغب الأصفهاني مثل ما وجدنا في اسمه و تاريخ ميلاده، حتى الموسوعات المتخصصة لم تذكر شيئا عنه، كما قيل في دائرة المعارف الإسلامية: و لا نعرف من تفصيلات حياته شيئا أكثر من أنه توفي في غرة القرن السادس للهجرة (و القرن الثاني عشر للميلاد) ولعل ذلك كان في عام (502 هـ ـ 1108م)[22].

و يقول صاحب القاموس الإعلامي: " و يحيط بسيرة الراغب الأصفهاني[23] الغموض و لم يستدل من مؤلفاته العديدة على مراحل حياته". وقال صاحب سير الأعلام[24]: " و لم أظفر له بوفاة و لا بترجمة ". و قد ذكر بعض الباحثين السبب الرئيسي في هذا الغموض أن الإمام الراغب لم يكن ذا اتجاه سياسي أو ديني[25] (يعني مذهبي) بل كان يحاول جاهدا إخفاء أحاسيسه و البعد عن رجال الدعاية في عصره ، و لهذا أهمله المؤرخون، و لم يوجد من يعنى بأعماله إعلاما و نشرا و تاريخ، و ربما كان هذا هو السبب أيضا في أن معظم الاتجاهات ترجمت له و إن كانت لم تجل الغموض كثيرا. فظهر لنا أن الإمام الراغب كان مغمورا، يحب الخلوة و كان يجتنب الجلوة و ما كان يريد أن تَظهر شخصيته و يُعرف علمه أو يُشتهر بين العامة، كما يقول في كتابه "محاضرات الأدباء[26]" : "أعوذ بالله أن أكون ممن مدح نفسه و زكاها، فعابها بذلك و هجاها و ممن أزري بعقله لإعجابة بفعله فقد قيل لايزال الرجل في وعيه مالم يقل و ينشد شعرا أو يألف كتابا ..." و إني أرى أن هذا هو السبب الرئيسي في عدم وجود المعرفة الكافية عن أحوال الإمام الراغب الأصفهاني لأنه ما كان يحب أن يُعرف أحواله؛ و هذا ممكن أن يبقى أحد مغمور الحال و لا يُعرف أحواله بالكلية، كما نرى الغموض في حياة بعض مشايخنا الصوفية و الداعية في زمننا هذا أيضا رغم أن الزمن زمن التطور و وسائل الإعلام.

ثناء العلماء على الإمام الراغب الأصفهاني: فإن الإمام الراغب الأصفهاني رغم خفاء و غموض في سيرته و حياته قد أثنى عليه العلماء و المشايخ و كتبوا عنه قديما و حديثا مع اختلاف مذاهبهم، لأن مؤلفاته و خدماته الدينية تكفي أن تقدم فكرة عن الرجل و علمه. قال عنه الذهبي: "العلامة الباهر[27]، المحقق الماهر ، أبو القاسم ، الحسين بن محمد بن المفضل الأصبهاني، لقبه الراغب، و هو من أذكياء المتكلمين". و يقول الإمام السيوطي في كتابه " بغية الوعاة "[28] : " المفضل بن محمد الأصبهاني الراغب صاحب المؤلفات و التصنيفات، كان في غرة القرن الخامس، من مؤلفاته مفردات القرآن، و المحاضرات، و أفانين البلاغة.

امتدحه صلاح الدين خليل بن ايبك الصفدي قائلا: الْحُسَيْن بن مُحَمَّد أَبُو الْقَاسِم الرَّاغِب الأصبهانيّ أحد مشاهير العلماء و الفضل، محقق و إمام في جميع العلوم وَله مؤلفات دالة على تمكنه من العلوم و وسعته فيها[29].

كتبه و مؤلفاته: رغم الغموض و الإخفاء في حياة الإمام الراغب الأصفهاني، قد أُشتهرت مؤلفاته في العالم الإسلامي، و استفاد المسلمون من مؤلفاته قديما و حديثا و لا أرى سبب هذا القبول العام لمؤلفاته إلا نتيجة إخلاصه و قوة علمه، و كيف لا تُشتهر مؤلفات الإمام الراغب أنه قد أدرك القرن الرابع الهجري، و هو قرن الازدهار العلمي و النهضة الإسلامية؛ سأذكر بعض مؤلفاته الشهيرة المطبوعة و المخطوطة:

1 ـ مفردات ألفاظ القرآن.

2 ـ جامع التفاسير.

3 ـ درة التأويل في متشابه التنزيل.

4 ـ تحقيق البيان في تأويل القرآن.

5 ـ حل متشابهات القرآن.

6 ـ احتجاج القراء.

7 ـ المعاني الأكبر.

8 ـ الرسالة المنبهة على فوئد القرآن.

9 ـ محاضرات الأدباء و محاورات البلغاء و الشعراء.

10 ـ مجمع البلاغة و يسمى " أفانين البلاغة".

11 ـ أدب الشطرنج.

12 ـ مختصر إصلاح المنطق.

13 ـ رسالة في الاعتقاد.

14 ـ الذريعة إلى مكارم الشريعة.

15 ـ تفصيل النشأتين و تحصيل السعادتين.

16 ـ الإيمان و الكفر.

17 ـ رسالة في مراتب العلوم.

18 ـ كتاب كلمات الصحابة.

19 ـ أصول الاشتقاق.

20 ـ رسالة في شرح حديث " ستفترق أمتي ".

21 ـ كتاب شرف التصوف.

22 ـ تحقيق الألفاظ المترادفة على المعنى الواحد.

23 ـ رسالة تحقيق مناسبات الألفاظ.

الكتب المذكورة أعلاه، بعض منها مخطوطة مثل: "أسرار التأويل و غرة التنزيل" و " حل متشابهات القرآن" و " أدب الشطرنج" و " رسالة في الاعتقاد" و الباقي كلها مطبوعة بفضل الله و عونه، و أيضا نُسب إلى الإمام الراغب، كتاب " أطباق الذهب" عارض فيه "أطواق الذهب" للزمخشري، و الصحيح أن هذا الكتاب ليس للإمام الراغب الأصفهاني، بل إنه لعبد المؤمن بن هبة الله الأصبهاني[30]، و قد طبع الكتاب في مصر تحت إشراف مكتبة بولاق و توجد نسخة واحدة في مكتبة مدينة المنورة.

عقيدة الإمام الراغب: رغم كثرة الآراء في عقيدة الإمام الراغب، إن تأملنا فقط في كتاب المفردات في غريب القرآن للإمام الراغب من مؤلفاته غض النظر عن التعصب، فيظهر لنا بكل وضوح من بين بعض ردوده على أصحاب الفرق من المعتزلة و الجبرية و القدرية و غيرها من الفرق أنه سنِّي، لا معتزلي و لا شيعي. إليك بعض النصوص كنموذج في هذا الباب: يرد الإمام الراغب على بعض الفرق في بيان قوله ـ تعالى ـ

﴿وَلَيْسَ بِضارِّهِمْ شَيْئاً إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾[31] معنى الآية: لا يضر أحد أحدا إلا بعلم الله و مشيئته ثم هناك فرق بين الإذن و العلم، لأن العلم عام و الإذن عكسه يستعمل فقط في الشيئة و ليس مهم أن يكون راضيا منه في العمل أو لا يرض به، كما نلحظ في قول الله تعالى: ﴿وَما كانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾[32]، أي ما آمن أحد إلا بأمر من الله و مشيئته، و أيضا نلحظ في قول الله تعالى: ﴿وَما هُمْ بِضارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾[33] ، يعرف من الآية الكريمة أن الإنسان ليس كالحجر لا يتأثر من شيء بل إنه يتأثر و يتألم من وجه، فيصح أن يقال: إنه بمشيئة الله و بإذنه يلحق الضرر من جهة الظالم[34].

لاشك أن مذهب الإمام الراغب في المفردة المذكورة يوافق مذهب أهل السنة و الجماعة كما ذكر الشهرستاني في كتابه "الملل و النحل" عن مذهب أهل السنة و الجماعة: " وأما العدل فعند أهل السنة و الجماعة هو أن الله تعالى قادر مختار و عادل فيما فعل و يفعل أي ما شاء حكم و ما أراد فعل هو متصرف حقيقي في مُلكه و مِلكه لا يشاركه أحد و لا يعدله.

فالعدل: هو وضع الشيء محله و موضعه، والظلم عكسه، فلا يعقل من الله ظلم و جور في التصرف و الحكم، وعند المعتزلة: ما يريده العقل و يشتهه و يكون العمل حسب المصلحة و الحكمة و على وجه الصواب[35]. و في مادة "جبر" يقول الإمام الراغب الأصفهاني: " و الذين يعتقدون إكراه و إجبار العباد على المعاصي هم يسمون بـ " مُجبِرةٌ " عند المتكلمين و جَبْرِيَّة وجَبَرِيَّة" عند المتقدمين[36]. وأيضا يظهر لنا مذهب الإمام الراغب الأصفهاني في كلمة ـ سوى ـ في قوله تعالى: ﴿ الرحمن على العرش استوى﴾[37]؛ يفسر الإمام الراغب الأصفهاني[38] الآية الكريمة و يقول: استقام كل شيء على ما أراده الله و أمره إياه حسب مشيئته و استوى له الأرض و السموات و ما فيهما من الخلائق".

و يشرح الإمام الراغب الأصفهاني حديث الرسول ـ عليه الصلاة و السلام ـ " إن الله خلق آدم على صورته "[39] فالصورة التي بها فضل للإنسان على جميع الخلائق هي هيئة مدركة بالصيرة و البصر، و إضافة الإنسان إلى الله تعالى ليست على سبيل التشبيه و البعضية بل على سبيل الملك و هذا بسبب شرف الإنسان كقول الله: بيت الله، و ناقة الله، و نحو ذلك".[40]

و يقول الإمام السيوطي عن مذهب الإمام الراغب الأصفهاني في العقيدة: أنه " المفضل بن محمد الأصبهاني الراغب صاحب المؤلفات و التصنيفات، كان في بداية القرن الخامس، و من مؤلفاته الشهيرة مفردات القرآن، و المحاضرات، و أفانين البلاغة؛ و جدت الثَّلَاثَة؛ وَكنت أظن أَن الرَّاغِب يمِيل إِلَى المعتزلة في العقيدة؛ حَتَّى وجدت مكتوبا بِخَط الشَّيْخ الزَّرْكَشِيّ على واجهة النُسْخَة من الْقَوَاعِد الصُّغْرَى لِابْنِ عبد السَّلَام: "كتب الإِمَام فَخر الدّين الرَّازِيّ فِي تأسيس التَّقْدِيس فِي الْأُصُول أَن الإمام الراغب من أَئِمَّة السّنة و الجماعة [41]"، و أنه أدرك الإمام الغزالي بل جعله قرينا له، قَالَ: وَهِي فَائِدَة عظيمة و حَسَنَة في بابها، فَإِن أَكثر النَّاس يزعمون أنه يميل إلى المعتزلة في العقيدة ".

من خلال هذه العبارات عرفنا أن الإمام الراغب الأصفهاني قد اختار في عقيدته مذهب أهل السنة و الجماعة، حيث أنه يرد على الفرق الضالة و المضلة و يختار مذهب أهل السنة، و مذهب أهل السنة و الجماعة هو مذهب الصحابة ـ رضوان الله عليهم أجمعين ـ و الصحابة لا يقتدون إلا بالرسول ـ عليه السلام ـ و النبي ـ عليه الصلاة و السلام ـ قد أوصنا بـ "ما أنا عليه و أصحابي" و قد أرشدنا الرسول ـ صلى الله عليه و سلم ـ إلى من نقتدي به حيث قال: " أصحابي كالنجوم، بأيهم اقتديتم اهتديتم"[42].

مذهب الإمام الراغب الأصفهاني في الفقه: أما مذهب الإمام الراغب في الفقه، فالقول الراجح و الصحيح أنه لم يقلد أحد من الأئمة في الفروع الفقهية، بل كان مجتهدا في الفروع و له رد على بعض الأقوال من المذاهب الأربعة[43]، و قال البعض أنه شافعي المذهب، و لكن القول الأول هو الأرجح، لأن الإمام له رد على بعض أقوال الشافعية أيضا.

وفاة الإمام الراغب الأصفهاني: كما لاحظنا الغموض في جميع مراحل حياة الإمام الراغب الأصفهاني؛ كذلك نجد الاضطراب في تاريخ و فاته أيضا، قال الإمام جلال الدين السيوطي: أنه كان في أوائل القرن الخامس[44] ،و ذكر عن تاريخ و فاته مؤلف "كشف الظنون" أنه توفي في نيف و خمسمائة[45]، و قد ذكر في سفينة البحار أنه توفي سنة 502هـ . وقال: "عدنان الجوهرجي أنه وجد نسخة مخطوطة نادر الوجود في مكتبة السيد "مصطفى لطفي الخطيب" من كتاب "المفردات في غريب القرآن" في مدينة دمشق[46]، و طبعت هذه النسخة في عام (409هـ) كتب في حاشية الكتاب بخط جلي أن كتاب " المفردات" ألفه الإمام الراغب الأصبهاني و ولد الإمام الراغب في رجب عام (343 هـ) في قصبة أصفهان و توفي عام (412 هـ) "[47].

هنالك أقوال أخرى في المطولات تركتها خوفا عن التطويل في البحث، و يقول صفوان داوودي في مقدمة تحقيقه للمفردات، " بعد كل هذا نقول: القول الراجح هو أن وفاة الإمام الراغب الأصفهاني في قرابة سنة 425هـ . و هذا موافق ما قاله الإمام السيوطي و يتفق مع ما ذكره الإمام الذهبي ، و ما أُدرج على واجهة النسخة المخطوطة في دمشق. بعد كل هذا قد عرفنا أن الإمام الراغب الأصفهاني، كان رجل موسوعي أعلم الناس باللغة، و كان إماما في علوم القرآن، و بارعا في القراءات، و عنده خبرة كافية في علم الحديث و التفسير و أصول الدين و فروعه و كان شاعرا بارعا و هو الذي جمع بين الشريعة و الحكمة حيث قال الشهرزوري في ترجمته: " و هو الذي جمع بين الشريعة و الحكمة في مؤلفاته"[48]. و لم تطوى صفحة حياته بالموت بل ازدهرت حياته بكتبه و مؤلفاته بعد موته، فإن لله ما أخذ و له ما أعطى و كل عنده لأجل مسمى، فلنصبر و لنحتسب و لنستفيد من مؤلفاته و لا سيما من كتاب " المفردات" في غريب القرآن .

دراسة كتاب "مفردات القرآن" قد اعتمدت في دراسة الكتاب على النسخة التي طبعت بتحقيق صفوان عدنان داوودي بمدينة المنورة، مصوَّرة في دار القلم ـ بدمشق ـ و الدار الشامية ـ ببيروت ـ الطبعة الأولى في 1416هـ / 1996م أما واجهة الكتاب فهي مصبوغة بلون الأحمر و الأصفر كأن اللؤلؤ المنسوب في واجهة الخاتم الذهبي، و لون صفحاتها بيضاء، و تحتوي هذه النسخة على 1247 صفحة، و في كل صفحة قرابة 24 سطرا، خالية من الأخطاء، و هي أفضل نسخة مطبوعة فيما أرى حيث المحقق قابلها على أربع نسخ خطية و أربع أخرى المطبوعة، و حاول المحقق ضبط نص الكتاب من جديد و قام بتشكيل العبارة حسب الحاجة و خرّج الآيات القرآنية و القراءات القرآنية، و نَسبَ كل قراءة إلى قارئها، وفرّق بين القراءة الشاذة و الصحيحة، و قام بتخريج الأحاديث و الآثار من كتبها، و نسب الأبيات الشعرية لقائليها, و ضبط الأمثال و الأقوال العربية و بيان محلها في كتب اللغة ، و ذكر ترجمة مختصرة للأعلام الواردة في الكتاب، و في الأخير قام المحقق بعمل الفهارس العلمية للكتاب.

اسم الكتاب و نسبته إلى المؤلف: ذكر في النسخة التي اعمدت عليها في دراسة الكتاب أن اسم الكتاب " المفردات في غريب القرآن[49] " و قال الإمام الراغب الأصفهاني في مقدمة الكتاب " و قد استخرت الله تعالى في إملاء كتاب مستوفٍ فيه مفردات ألفاظ القرآن على حروف التهجي ..." من هذه العبارة ثبت لنا أن اسم الكتاب هو " المفردات " وأما نسبة الكتاب إلى الإمام الراغب أبي القاسم حسين بن محمد بن المفضل الأصفهاني فتثبت من الأمور التالية:

1: قد ذكر المحقق صفوان داوودي في فهرس مؤلفات الإمام الراغب الأصفهاني الكتاب الأول للمؤلف " المفردات في غريب القرآن ".

2: كل من قام بترجمة المؤلف ، أو تحدث عن كتاب " المفردات " نسبوا الكتاب إلى الإمام الراغب الأصفهاني ـ رحمه الله ـ و لم يخالف أحد في نسبة الكتاب إلى الإمام الراغب الأصفهاني.

3: و أقوى دليل على أن الكتاب للإمام الراغب الأصفهاني هو قول الإمام الراغب في مقدمة الكتاب " و قد استخرت الله تعالى في إملاء كتاب مستوف فيه مفردات ألفاظ القرآن ...."

و أيضا قوله: و أُأَلِّفُ بعد هذا الكتاب كتابا ينبئ عن تحقيق " الألفاظ المترادفة على المعنى الواحد، و ما بينها من الفروق الغامضة" فبهذا نعرف ميزة كل خبر بلفظ من الألفاظ المترادفة[50] ... ".

فاتضح لنا مما سبق أن كتاب " المفردات في غريب القرآن" قطعي النسبة إلى الإمام الراغب الأصفهاني و لا يوجد هناك أي شك في نسبته إلى المؤلف و لا خلاف!.

منهج الإمام الراغب في كتابه: بعد هذا التعريف المختصر أحاول أن أتتبع أسلوب الإمام الراغب في كتابه، أنه أي أسلوب اختار لبيان معاني الكلمات و الألفاظ الغريبة في القرآن العظيم الذي جعل كتابه من أفضل الكتب في التفسير ، و يشهد على أفضلية الكتاب الثناء الكثير و الاستحسان من قبل معاصري الإمام و من جاء بعده من العلماء الذين منحوا بحظ و افر من علوم القرآن كما ذكرت سالفا ثنائهم و استحسانهم في مقدمة البحث.

و قد افتتح الإمام الراغب الأصفهاني كتابه، بكتاب الألف على ترتيب الحروف المعجم إلا أن بعض المحققين بدأوا من مادة (آدم) مثل المحقق محمد خليل عيتاني الذي قام بتحقيق و ضبط الكتاب و أكثر المحققين قد بدأوا من مادة (أبا ـ أبد) من خلال هذا الترتيب ظهر لنا ترتيبا داخليا يحوي الكلمات المبدوءة بهذا الحروف: أب ـ أت ـ أث ـ أج الخ و يسير على هذا الأسلوب إلى نهاية الكتاب.

و الآن سوف أتحدث عن منهج الإمام الراغب الأصفهاني في كتابه " المفردات في غريب القرآن " قد اعتمد الإمام الراغب في بيانه لمعاني غريب القرآن على أمور عديدة من أهمها:

أولا: استشهاده بالقرآن العظيم:

نلحظ أن الإمام الراغب الأصفهاني يستشهد بالآيات القرآنية ليفسر بها آيات أخرى قد تكون أكثر صراحة و وضوحا من الآية المفسَّرة، أو يذكر آيات أو آية تكون نظيرة للآية المفسَّرة كما هو دأب جميع المفسرين، انطلاقا من قوله تعالى: ما نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِها نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْها[51] الآية؛ و لا ننسى أن الإمام الراغب الأصفهاني أولا: يوضح المعنى الحقيقي ثانيا: يبن المعنى المجازي .

النموذج: كما ذكر في "كتاب الألف" عند تحقيق المادة (أثر)[52] يقول الإمام الراغب و هو يوضح الفرق بين معنى كلمة الأثر والإيثار والمآثر؛ والمآثر: في معنى مكارم الإنسان، و الأثر: يستعمل للفضل استعارة، والإيثار: في معنى التفضل ومنه: آثرته، وقوله تعالى: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلى أَنْفُسِهِمْ﴾ 53وقال: ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنا﴾54 و ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَياةَ الدُّنْيا﴾55 هنا و ضح الآية الكريمة بآية أخرى.

كما يقول: الإمام الراغب في "كتاب الخاء" عند تحقيق مادة (خبت)

الخَبْتُ[56]: في المعنى الحقيقي: المطمئن من الأرض، وأَخْبَتَ الرّجل: أي نزله أو أراد الخبت، مثل: أنجد و أسهل، و في المعنى المجازي: "الإخبات في معنى اللّين والتّواضع، قال تعالى: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾[57]، أي: المتواضعين، و قال الله تعالى: ﴿وَأَخْبَتُوا إِلى رَبِّهِمْ﴾[58]، ثم يفسر الآية بالآية و يقول: نحو: ﴿لا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبادَتِهِ﴾[59]، وقوله تعالى: ﴿فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ﴾[60]، أي: تخشع و تتليَّن، والإخبات في الآية يقرب إلى الهبوط من حيث المعنى كما في قوله تعالى: ﴿وَإِنَّ مِنْها لَما يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾[61].

ثانيا: استشهاده بالأحاديث المباركة:

من دأب المفسرين الكرام تفسير الآية الكريمة غريبة المعنى بالآية، و عند عدم وجود الدليل من الآيات المباركة لغريب الكلمات يستدلون بالأحاديث الشريفة ـ على صاحبها الصلاة و السلام ـ فقد اهتم الإمام الراغب الأصفهاني ـ رحمه الله ـ أيضا بالأحاديث المباركة عند عدم وجود الآيات المباركة لغريب الكلمات و إليك النموذج.

النموذج: في "كتاب الطاء" عند تحقيق مادة (طيب[62]) [...] يبين المعنى الحقيقي لكلمة طوبى في قوله تعالى: ﴿ طُوبى لَهُمْ ﴾[63]، بجزء من الحديث الشريف: "هو اسم شجرة في الجنّة"[64].

و يشرح الإمام الراغب الأصفهاني قول الله تعالى: ﴿ وَلَقَدْ كانُوا عاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ[65] ﴾ بقوله: و المعاهد في عرف الإسلام و الشرع، يخصُّ بالكفار الذين يدخلون في عهد المسلمين، وكذلك من يكون مِنْ ذوي الْعَهْدِ، و يستشهد بحديث المبارك، على هذا المعنى: "لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عَهْدٍ في عَهْدِهِ"[66].

ثالثا: ذكره لأسباب النزول:

رغم اختصار الكتاب، فإن الإمام الراغب الأصفهاني لم يهمل من ذكر أسباب النزول التي توضح المعنى، لأجل مقصد عظيم، ألا و هو بيان معاني غريب القرآن الكريم؛ إلا أنه لا يشير إلى تعدد الروايات الواردة في السبب، و لا إلى صحة ما أورده.

النموذج: في "كتاب الحاء" عند تحقيق مادة (حدث) وقال عزّ وجلّ: ﴿ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحادِيثِ[67] ﴾ ، أي: ما يتكلم و يتحدث به الإنسان في نومه، و كتاب الله تعالى مسمّى "بالحديث" من الله عز جل [...] ، كما قال الله تعالى: ﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثاً﴾[68]، وقال عليه السلام: "إن يكن في هذه الأمّة محدّث فهو عمر" ، ثم أردف الإمام يوضح معنى الحديث بقوله: يعني ما يُلهَم الإنسان بشيء في قلبه من الله عز و جل، و هكذا فإن الإمام يشير إلى توضيح المعنى دون أن يستقصي و يشير إلى جميع أسباب النزول في الآية.

رابعا: استشهاده بأقوال الصحابة و السلف:

من منهج الإمام الراغب الأصفهاني توضيح معنى الكلمة الغريبة بأقوال الصحابة و المحدثين و المتكلمين و الحكماء و الأئمة.

النموذج:

أ ـ استشهاده بأقوال الصحابة ـ رضي الله عنه ـ كما نلحظ عند تحقيق مادة (رفث ـ رقى ـ شرع ـ شهد ـ ضعف) يستشهد الإمام الراغب بكلام عبد الله بن عباس ـ رضي الله عنه ـ ، و عند مادة (خلف ـ صعد) بكلام أبي حفص عمر بن خطاب ـ رضي الله عنه ، و عند مادة (سكن ـ عقل ـ عود ـ حبر) بكلام علي بن أبي طالب ـ رضي الله عنه ـ ، و غير ذلك من الصحابة ـ رضي الله عنهم أجمعين ـ .

ب ـ استشهاده بأقوال المحدثين ـ رحمهم الله ـ كما استشهد عند تحقيق مادة (سرف) بقول سفيان الثوري ـ رحمه الله ـ و عند مادة (رف ـ شغف ـ صغر) بقول الحسن البصري ـ رحمه الله ـ و عند مادة (حر) بقول الشعبي ـ رحمه الله ـ و غير ذلك من المحدثين ـ رحمهم الله .

جـ استشهاده بأقوال أئمة اللغة ـ كما نرى عند تحقيق مادة (ويل) يستشهد بقول الأصمعي ـ رحمه الله ـ و عند مادة (أين) بقول سيبويه ـ رحمه الله ـ و عند مادة (حجر) بقول المبرد ـ رحمه الله ـ و غير ذلك من أئمة اللغة ـ رحمهم الله تعالى .

د ـ استشهاده بأقوال الأئمة ـ رحمهم الله تعالى ـ كما ذكر قول الشوافع عند تحقيق مادة (طهر) و قول الحنفية عند (عود) و غير ذلك من الأئمة ـ رحمهم الله ـ .

هـ استشهاده بأقوال المتكلمين ـ رحمهم الله ـ كما ذكر عند تحقيق مادة (لات) قول أبي بكر العلاف ـ رحمه الله ـ و عند مادة (خل) قول أبي القاسم البلخي ـ رحمه الله ـ و عند مادة (ختم) قول الجبائي ـ رحمه الله ـ ، و غير ذلك من أقوال المتكلمين ـ رحمهم الله ـ و لا ننسى أن الإمام الراغب نقل أقوال طائفة من الحكماء ـ رحمهم الله ـ دون أن يذكر أسمائهم و هكذا اختار المنهج إلى آخر الكتاب فأحيانا يناقش الأئمة و يرد على بعض أقوالهم و الجدير بالذكر أن له اختيارات و آراء في المسائل و قد أفرد المحقق صفوان داوودي آراء و اختيارات الراغب في الفهارس.

خامسا: بيانه للقراءات:

فإن الإمام الراغب الأصفهاني في بعض من الأحيان يذكر بعض القراءات الواردة في القرآن الكريم، لتوضيح معنى الكلمة الغريبة الواردة في القرآن الكريم إلا أن الإمام ما اهتم بتفضيل القراءة بعضها على بعض بل جميع القراءات سواء في نظره، و ما وضّح الفرق بين القراءات الصحيحة و الشاذة، كما نلحظ هذا في النموذج واضحا.

النموذج: قد ذكر الإمام الراغب الأصفهاني في قول الله تعالى: ﴿جِمَالَتٌ صُفْرٌ﴾69 [...]قراءة أخرى بقوله وقرئ: جُمالات بالضم، قال المحقق صفوان داوودي70 و بها قرأ رويس عن يعقوب ، و هي قراءة صحيحة متواترة.

سادسا: استشهاده بالأشعار العربية:

يستشهد الإمام الراغب الأصفهاني على مفردات القرآن الكريم بالأشعار العربية بالكثرة و هذا دال على تبحر علمه في اللغة هنا نذكر شيئا يسيرا كنموذج.

النموذج: كما ذكر الإمام الراغب الأصفهاني في "كتاب الألف" عند تحقيق مادة (أنى) يقول: للبحث عن الحال و المكان، لذا قيل هو بمعنى أين و كيف، يذكر الإمام الراغب الأصفهاني المكان الذي وردت فيه الكلمة في القرآن الكريم في قوله تعالى : ﴿غير ناظرين اناه﴾[71] أي: وقته، و الإنا إذا فتح أوله مدّ و إذا كسر أوّله قصر، نحو قول[72] الحطيئة: وآنيت العشاء إلى سهيل ... أو الشّعرى فطال بي الأناء.

وكما قال في "كتاب الألف" في تحقيق مادة (آل) مقلوب عن الأهل يقال آل فلان، و الآل أيضا الحال الذي يؤل إليها أمره مثل قول الشاعر[73]: سأحمل نفسي على آلة ... فإمّا عليها وإمّا لها.

سابعا: اهتمام الإمام بالجانب اللغوي:

بما أن موضوع "كتاب المفردات في غريب القرآن" بيان معاني الكلمات الغريبة في القرآن الكريم لذا اهتم الإمام الراغب الأصفهاني بالجانب اللغوي اهتماما بارزا، فعرض للمفردات الغريبة، وجوه الإعراب، و اشتقاق الكلمات و تركيبها، و ما لها من معان و استعمالات في اللغة العربية و إليك بعض النماذج ما يوضح منهجه في ذلك:

1 ـ اهتمامه بالمفردات الغريبة:

قد اهتم الإمام الراغب الأصفهاني ببيان معاني كلمات الغريبة في الآيات الكريمة، و قد بين لكل كلمة المعنى الحقيقي و المعنى المجازي، فمثلا في "كتاب الراء" عند تحقيق مادة (ركع) يقول: الرُّكُوعُ: في المعنى الحقيقي: الانحناء، و في المعنى المجازي: أحيانا يستعمل في

التواضع و التذلل إمّا في العبادة، أو في غير العبادة و أحيانا يدل على شكل مخصوص أي الركوع كما في الصلاة ، نحو قوله تعالى: ﴿ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا [74]﴾، و قوله تعالى: ﴿وَالْعاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ[75]﴾.

2 ـ اعتناء الإمام الراغب بقواعد النحو و الصرف:

لا شك أن الإمام الراغب الأصفهاني سخر جميع علوم اللغة العربية لخدمة كتاب الله جل و على, فنجد في أكثر من موضع في " كتاب المفردات" مسائل النحو و الصرف يجيء بها الإمام الراغب الأصفهاني، و لا كن لا يأتي بالمسائل التي فيها خلاف بين النحويين و الصرفيين، بل يأخذ بأرجح الآراء ليتوصل بها إلى أصح معاني المفردات الغريبة التي يمكن أن تؤول إليها المفردات، لأن النحو و الصرف لهما دور كبير في تغيير معنى المفردات بحسب موقعها الإعرابي و التغيير الذي يلحق بالكلمة عند تصريفها و تعليلها أو ما يؤتى لها من استعمالات لغوية تؤثر في المعنى إلا في بعض من الأحيان يكون للإمام الراغب رأي خاص ينقد بها بعض آراء المفسرين؛ كما نلاحظ أحيانا و هو يقول: " قال بعضهم في قوله تعالى ﴿ و املي لهم ان كيدي متين﴾ قال بعضهم : "كيدي أي عذابي، و الصحيح أنه هو الإملاء و الإمهال المؤدي إلى العقاب " في مثل ما جاء في كتاب الراء عند تحقيق مادة (ربح) يقول فقد قيل الشجر و عندي أن الربح ها هنا اسم لما يحصل من الربح نحو النقص.

و كذلك نجد في "كتاب الألف" عند تحقيق مادة [76](أتي) يبين الإمام الراغب قاعدة من علم النحو و هي أن المصدر يكون متضمنا لمعنى الفاعل، و يقول : " الإتيان: هو القدوم و المجيء بسهولة و أيضا يقال للسيل المار على وجهه أتي و أتاوى، و قوله تعالى: ﴿تأتي الفاحشة﴾ هنا استعمال المجيء و الاتيان في معنى واحد و في قوله تعالى: ﴿ لقد جئت شيئا فريا﴾ يقال أتوته و أتيته، و ما يُشتق منه فهو مصدر في معنى الفاعل، و منه المفعول : ﴿ مأتيا ﴾، قال بعضهم: البعض حول المفعول إلى الفاعل و قالوا "آتيا" و كذلك يقال أتاني الأمر و أتيت الأمر .

و أيضا نجد في " كتاب الألف" يذكر الإمام الراغب الأصفهاني حكم "إنَّ أَنَّ" حروف المشبه بالفعل هما ينصبان الاسم ويرفعان الخبر[77] ، والفرق بينهما أنّ "إنَّ" تقع بعده جملة مستقلة، و ما يكون بعد "أَنَّ" فيكون في حكم المفرد و يكون مرفوعا منصوبا و مجرورا ، نحو: ، علمت أَنَّكَ تخرج، وتعجّبت من أَنَّك تخرج و أعجبني أَنَّك تخرج.

و إن دخل عليه "ما" بطل عمله، و يكون الحكم للمذكور في البيان فقط غض النظر عن ما عداه، نحو: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾[78] هنا حكم النجاسة التامة مختص بالشرك و المشركين فقط، وقوله تعالى : ﴿ إِنَّما حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ ﴾[79]، في الآية المباركة تنبيه و بيان إلى أن أكثر و أعظم المحرمات من المأكولات و المشروبات في أصل الشرع هي هذه المذكورات.

ثم أردف قائلا: و هو يبين أنواع "أن" و يقول أَنْ على أربعة أوجه: النوع الأول: أن تكون الداخلة على المعدومين من الفعل الماضي أو المستقبل، ويكون ما بعده في تقدير مصدر، وينصب المستقبل نحو: أعجبني أن تخرج وأن خرجت. النوع الثاني: أن تكون المخفّفة من الثقيلة نحو: أعجبني أن زيدا منطلق. النوع الثالث: أن تكون المؤكّدة لـ "لمّا" نحو: ﴿ فَلَمَّا أَنْ جاءَ الْبَشِيرُ [80]﴾. النوع الرابع: أن تكون المفسّرة لما يكون بمعنى القول، نحو : ﴿ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا [81]﴾ أي: قالوا: امشوا.

كما لاحظنا أن الإمام الراغب الأصفهاني أخذ حظا وافرا من قواعد النحو و رأينا له أثرا كبيرا في تغيير معاني غريب القرآن فكذلك أفرد الإمام الراغب جزأ كبيرا في "كتاب المفردات" لقواعد علم الصرف أيضا؛ مثل: الإعلال و الإبدال و الإدغام و غير ذلك من القواعد التي تساعد كثيرا في معرفة معاني غريب القرآن إثر وقوع التغيرات في الكلمة بسبب إجراء قواعد الصرف فيها.

حيث نلحظ في "كتاب الباء" أثرا واضحا لبناء الأفعال عند تحقيق مادة (بعثر)[82] يقول الإمام الراغب الأصفهاني في تفسير الآية: ﴿ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ[83] ﴾، أي: قلب ترابها و أثير ما فيها، ومن رأى تركيب الرباعي والخماسيّ من ثلاثيين نحو: تهلل وبسمل : إذا قال: لا إله إلا الله وبسم الله على هذا الأساس يقول: إنّ بعثر مركّب من: "بعث" و "أثير"، فهكذا تضمن البعثرة معنى الفعلين عند الإمام الراغب الأصفهاني.

أحيانا يعتمد الإمام الراغب الأصفهاني على معرفة معاني الغريبة من خلال معرفة اشتقاق الكلمات و تحويلها إلى أصلها كما قال في " كتاب السين" عند تحقيق مادة (سرى) أن "سرى" من السُّرَى: أي السفر و السير في اللّيل، يقال: أَسْرَى و سَرَى. قوله تعالى: ﴿ فَأَسْرِ

بِأَهْلِكَ[84] ﴾ ، و قوله تعالى: ﴿ سُبْحانَ الَّذِي أَسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلًا[85] ﴾، وقيل: إنّ كلمة " أسرى " ليست من لفظة سرى يسري، بل إنها من السَّرَاةِ، و السراة يقال لأرض واسعة، وأصله من الواو. فصار معنى الآية: ذهب به في سراة من الأرض و سراة كل شيء أي: أي أعلاه.

3 ـ اهتمام الإمام الراغب الأصفهاني بوجوه الإعراب:

فإن الإمام الراغب الأصفهاني بحثا عن المعنى المطلوبة للمفردة الغريبة في بعض من الأحيان يستند إلى بيان وجوه الإعراب حتى يجد المعنى المراد في الآية الكريمة، كما نلحظ في "كتاب الذال" عند تحقيق مادة (ذكر)[86] يقول: ﴿قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً رَسُولاً[87]﴾: هنا "ذكرا" أي الذكر وصف للرسول ـ عليه الصلاة و السلام ـ ، هذا كما بُشِّر عيسى ـ عليه السلام ـ في الكتب السابقة و المتقدمة بـ " الكلمة "، فيكون قوله: (رسولا) بدلا منه، وقيل: (رسولا) منتصب بقوله (ذكرا) فكأنه قال: قد أنزلنا إليكم كتابا ذكرا رسولا يتلو، نحو قول الله تعالى: ﴿أَوْ إِطْعامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيماً[88]﴾، فـ (يتيما) نصب بقوله (إطعام).

الخاتمة

قد تناولت في مقالي هذا دراسة منهج الإمام الراغب الأصفهاني في كتاب " المفردات في غريب القرآن" و اشتملت الدراسة على عدة أمور: منها: ترجمة الإمام الراغب الأصفهاني، و من خلال ترجمته اتضح لنا أن الإمام الراغب الأصفهاني هو الحسين بن محمد بن المفضل عند الأكثر و هناك من سماه بـ المفضل بن محمد الأصفهاني و كان وفاته في أصح الروايات في أوائل القرن السادس (502هـ)، كما اتضح لنا أيضا أن الإمام الراغب كان من أئمة أهل السنة و كان له اهتماما كبيرا بمذهبه في العقيدة لما نرى له من تأثير قوي في تفسير القرآن. وأيضا من نتائج هذا البحث توضيح علم الغريب و معرفة معنى اللفظ الغريب في القرآن الكريم و أنه يراد به الألفاظ الغريبة غامضة المعنى بعيدة عن الفهم و الإدراك و التي كانت تتحدث بها أفصح قبائل العرب.

في الأخير تحدثت عن منهج الإمام الراغب الأصفهاني في كتاب " المفردات " حيث رتب كتابه على ترتيب حروف المعجم ثم قسمه تقسيما داخليا، فجعل لكل حرف كتابا مستقلا ثم على هذا الأساس تكمن الإمام على أن يجمع عددا كبيرا من مفردات غريب القرآن. ورأينا أن الإمام الراغب الأصفهاني قد اعتمد في منهجه على القرآن الكريم ، و الحديث الشريف، و أقوال الصحابة و الأئمة الصالحين، و أشعار العربية الفصيحة. كما أن الإمام الراغب الأصفهاني تعرض لمسائل النحو و الصرف من خلال تفسيره للمفردات الغريبة لأن لهذه العلوم دور كبير في فهم القرآن الكريم ولا ننسى أن الإمام الراغب الأصفهاني قد اعتمد في هذا الجانب على السابقين من أئمة النحو و أهل اللغة فجاءت آراؤه مأخوذة منهم.

فاتضح لنا مما سبق أن كتاب "المفردات في غريب القرآن" من أحسن ما ألف في هذا الفن وحتى عده البعض معجما للغة لما اشتمل من اللهجات وأقوال الصحابة والأئمة الصالحين وعلوم الفلاسفة ومسائل اللغة. فجاء كتاب " المفردات " بفائدة تفوق التصور للمتأخرين حيث يتيح للباحثين مجالا للبحث في جوانب علمية شتى. وفي الختام أسأل الله التوفيق و السداد، القبول و الصواب منه، وآخر دعونا أن الحمد لله رب العالمين.

الهوامش والمصادر والمراجع

1 ـ افْتَنَّ الرَّجُلُ فِي حَدِيثِهِ وخُطْبته إِذا جَاءَ بالأَفانين، و افتَنَّ من الفَنُّ أصله فنن: وَهِيَ الأَنواع، والفَنُّ الحالُ. والفَنُّ: الضَّرْبُ مِنَ الشَّيْءِ، وَالْجَمْعُ أَفنان وفُنونٌ، وَهُوَ الأُفْنُون. يُقَالُ: رَعَيْنا فُنُونَ النَّباتِ، وأَصَبْنا فُنُونَ الأَموال؛ ابن منظور الإفريقي، أبو الفضل، جمال الدين، محمد بن مكرم بن علي، (المتوفى 711هـ) (لسان العرب 13 / 326 فصل الفاء)، الناشر: دار صادر ـ بيروت ط: 3 ـ 1414هـ عدد الأجزاء: 15 .

2 ـ الزركشي بَدْر الدِّينِ مُحَمَّد بْن عَبْدِ اللَّهِ بْن بهادر (المتوفى: 794هـ)، (البرهان في علوم القرآن:1 / 291) المحقق: محمد أبو الفضل ،إبراهيم، ط: 1، 1376 هـ - 1957 م ، عدد الأجزاء: 4. الناشر: دار إحياء الكتب العربية عيسى البابى الحلبي وشركائه.

3 ـ حاجي خليفة أو الحاج خليفة مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني (المتوفى: 1067هـ)، (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: 2 / 1773) الناشر: مكتبة المثنى – بغداد، تاريخ النشر: 1941م ، عدد الأجزاء: 6.

4 ـ مجد الدين أبو طاهر الفيروزآبادى محمد بن يعقوب (المتوفى: 817هـ)، (البلغة في تراجم أئمة النحو واللغة: ص 69)، الناشر: دار سعد الدين للطباعة والنشر والتوزيع، ط: 1 ، 1421هـ- 2000م، عدد الأجزاء: 1.

5 ـ مولانا وحيد الزمان القاسمي الكيرانوي، (القاموس الجديد (عربي) 507/1)، مكتبة إدارة إسلاميات ـ باكستان ـ ط:1 ، 1410هـ 1990م .

6 ـ لسان العرب فصل الغين المعجمة: 639/1.

7 ـ كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: 1203/2.

8 ـ الرازي زين الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر (المتوفى: بعد سنة 666هـ / 1267م)، (تفسير غريب القرآن العظيم: المقدمة ص 6)،المحقق د. حسين المالي ـ أنقرة ـ 1997م.

9 ـ أثير الدين الأندلسي، أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان (المتوفى: 745هـ)، (تحفة الأريب بما في القرآن من الغريب: 40/1)، المحقق: سمير المجذوب، الناشر: المكتب الإسلامي، ط: 1، 1403هـ - 1983م، عدد الأجزاء: 1.

10 ـ الأنباري أبو بكر محمد بن القاسم بن محمد بن بشار، (المتوفى: 328هـ)، (إيضاح الوقف والابتداء: 14/1)، المحقق: محيي الدين عبد الرحمن رمضان، الناشر: مطبوعات مجمع اللغة العربية بدمشق، عام النشر: 1390هـ - 1971م، عدد الأجزاء: 2.

11 ـ الأصبهاني بالباء و الأصفهاني بالفاء و كلاهما صواب.

12 ـ شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى: 626هـ)، (معجم البلدان: 244/1)، الناشر: دار صادر، بيروت، ط: 2، 1995 م، عدد الأجزاء: 7.

13 ـ الزركلي خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الدمشقي (المتوفى: 1396هـ)، (الأعلام: 2 / 255)، الناشر: دار العلم للملايين، ط: 15 - أيار / مايو 2002 م.

14 ـ فهرس الخزانة التيمورية 3 / 108 نقلا عن المحقق صفوان داوودي في مقدمته على " المفردات": ص 7.

15 ـ جلال الدين السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، (المتوفى: 911هـ)، (بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة:297/2)، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، الناشر: المكتبة العصرية - لبنان / صيدا، عدد الأجزاء: 2.

16 ـ ذكره أبو اليزيد العجمي في تحقيقه لكتاب الذريعة إلى مكارم الشريعة للأصبهاني. .

17 ـ الراغب الأصفهانى أبو القاسم الحسين بن محمد (المتوفى: 502هـ)، (الذريعة إلى مكارم الشريعة، ص: 19)، المحقق: د. أبو اليزيد أبو زيد العجمي، دار النشر: دار السلام – القاهرة، عام النشر: 1428 هـ - 2007 م، عدد الأجزاء: 1.

18 ـ الراغب الأصفهانى أبو القاسم الحسين بن محمد (المتوفى: 502هـ)، (مفردات ألفاظ القرآن ص: 7 ـ 8)، المحقق صفوان عدنان داوودي، الناشر: دار القلم، دمشق ـ الدار الشامية ، بيروت ـ ط: 1، 1416هـ ـ 1996م.

19 ـ شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي (المتوفى: 626هـ)، (معجم الأدباء = إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب: 6 / 2578)، المحقق: إحسان عباس، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت، ط: 1، 1414 هـ - 1993 م، عدد الأجزاء:7.

20 ـ مقدمة مفردات ألفاظ القرآن ص: 8 للعلامة الراغب الأصفهاني.

21 ـ مقدمة المحقق صفوان داوودي على المفردات: ص 8 (بتصرف).

22 ـ مادة الراغب ـ دائرة المعارف الإسلامية نقلا عن تحقيق: د. العجمي: الذريعة إلى مكارم الشريعة ص20.

23 ـ أحمد عطية: القاموس الإعلامي: 472/2 مكتبة النهضة المصرية، ط: 1، 1966م نقلا عن تحقيق: د. العجمي: الذريعة إلى مكارم الشريعة، ص 20.

24 ـ الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز (المتوفى: 748هـ)، (سير أعلام النبلاء: 341/13)، الناشر: دار الحديث- القاهرة، 1427هـ-2006م ، عدد الأجزاء: 18.

25 ـ جمع و تحقيق: أ. د. عبد الحميد هنداوي، (جامع البيان في مفردات القرآن، 7/1) مكتبة الرشد ناشرون ـ رياض ـ ط: 1، 1428هـ ـ 2007م عدد الأجزاء: 3

26 ـ الراغب الأصفهانى أبو القاسم الحسين بن محمد (المتوفى: 502هـ)، (محاضرات الأدباء و محاورات البلغاء 7/1)، دار مكتبة الحياة ـ بيروت ـ لبنان 1961م.

27 ـ سير أعلام النبلاء: ص 341/13.

28 ـ جلال الدين السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، (المتوفى: 911هـ)، (بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة:297/2)، المحقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، الناشر: المكتبة العصرية - لبنان / صيدا، عدد الأجزاء: 2.
29 ـ الصفدي صلاح الدين خليل بن أيبك بن عبد الله (المتوفى: 764هـ)، (الوافي بالوفيات: 29/13)، المحقق: أحمد الأرناؤوط وتركي مصطفى، الناشر: دار إحياء التراث – بيروت عام النشر:1420هـ- 2000م ، عدد الأجزاء: 29.
30 ـ صفوان داوودي في تحقيقه على المفردات ص: 13.
31 ـ المجادلة/ 10.
32 ـ يونس/ 100.
33 ـ البقرة/ 102.
34 ـ المفردات في غريب القرآن: الباب: أذى، 71/1، (بتصرف).
35 ـ الشهرستاني محمد بن عبد الكريم بن أبى بكر أحمد، (المتوفى: 548هـ)، (الملل والنحل: 42/1)، الناشر: مؤسسة الحلبي، عدد الأجزاء: 3.
36 ـ المفردات: 183/1.
37 ـ سورة طه/5.
38 ـ المفردات : 260/1.
39 ـ ابن حجر العسقلاني أبو الفضل أحمد بن علي الشافعي، (فتح الباري شرح صحيح البخاري: 364/4، رقم الحديث: 2080)، الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1379، عدد الأجزاء: 13.
40 ـ المفردات 300/1.
41 ـ بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة،297/2.
42 ـ البربهاري أبو محمد الحسن بن علي بن خلف (المتوفى: 329هـ)، (شرح السنة: 56/1)، عدد الأجزاء: 1.
43 ـ انظر مقدمة صفوان داوودي على المفردات : ص 16.
44 ـ بغية الوعاة : 297/2.
45 ـ سير الأعلام: 121/18.
46 ـ مفردات ألفاظ القرآن ص: 7 ـ 8.
47 ـ مجلة اللغة العربية بدمشق، الجزء الأول، المجلد الحادي و الستون، ربيع الثاني سنة 1406هـ /كانون الثاني 1986م ، ص 194.
48 ـ نزهة الأرواح: 44/1.
49 ـ المفردات في غريب القرآن : ص 8 بتحقيق صفوان داوودي.
50 ـ مقدمة المؤلف "المفردات": ص 53 ـ 55. (بتصرف)
51 ـ سورة البقرة/ 106.
52 ـ المفردات في غريب القرآن: 62/1.
53 ـ سورة الحشر/ 9.
54 ـ سورة يوسف / 91.
55 ـ سورة الأعلى/ 16.
56 ـ المفردات في غريب القرآن: 1/ 272.
57 ـ سورة الحج/ 34.
58 ـ سورة هود / 23.
59 ـ سورة الأعراف/ 206.
60 ـ سورة الحج/ 54.
61 ـ سورة البقرة/ 74.

62 ـ المفردات في غريب القرآن: 1/ 527.

63 ـ سورة الرعد/ 29.

64 ـ عَن أبي سعيد الْخُدْرِيّ - رَضِي الله عَنهُ - عَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: أَن رجلا قَالَ: يَا رَسُول الله طُوبَى لمن رآك وآمن بك قَالَ: {طُوبَى} لمن رَآنِي وآمن وطوبى ثمَّ طُوبَى لمن آمن بِي وَلم يرني؛ قَالَ رجل: وَمَا طُوبَى؟ قَالَ: شَجَرَة فِي الْجنَّة مسيرَة مائَة عَام تخرج من أكمامها (جلال الدين السيوطي عبد الرحمن بن أبي بكر، (المتوفى: 911هـ)، (الدر المنثور: 644/4)، الناشر: دار الفكر – بيروت ،عدد الأجزاء: 8) .

65 ـ سورة الأحزاب/ 15.

66 ـ لا حظ الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمون تتكافأ دماؤهم، يسعى بذمتهم أدناهم، ويجير عليهم أقصاهم، وهم يد على من سواهم؛ يرد مُشدهم على مُضعفهم، ومتسريهم على قاعدهم، لا يقتل مؤمن بكافر، ولا ذو عهد في عهده.(الخطابي أبو سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم بن الخطاب البستي (المتوفى: 388هـ)، معالم السنن، وهو شرح سنن أبي داود: 313/2، الناشر: المطبعة العلمية حلب، ط: 1 ، 1351 هـ - 1932 م).

67 ـ سورة يوسف/ 101.

68 ـ سورة النساء/ 87.

69 ـ سورة المرسلات/ 33.

70 ـ المفردات في غريب القرآن: 202/1.

71 ـ سورة الأحزاب/ 53.

72 ـ المفردات في غريب القرآن : 813/1.

73 ـ المفردات القرآن : 99/1.

74 ـ سورة الحج/ 77.

75 ـ سورة البقرة/ 125.

76 ـ المفردات في غريب القرآن: 60/1.

77 ـ المفردات في غريب القرآن: 92/1.

78 ـ سورة التوبة/ 28.

79 ـ سورة البقرة/ 173.

80 ـ سورة يوسف/ 96.

81 ـ سورة ص/ 6.

82 ـ المفردات في غريب القرآن: 133/1.

83 ـ سورة الانفطار/ 4.

84 ـ سورة هود/ 81.

85 ـ سورة الإسراء/ 1.

86 ـ المفردات في غريب القرآن: 328/1.

87 ـ سورة الطلاق/ 10- 11.

88 ـ سورة البلد/ 14- 15.

References:

1--افْتَنَّ الرَّجُلُ فِي حَدِيثِهِ وخُطْبته إِذا جَاءَ بالأَفانين، و افتَنَّ من الفَنُّ أصله فنن: وَهِيَ الأَنواع، والفَنُّ الحالُ. والفَنُّ: الضَّرْبُ مِنَ الشَّيْءِ، وَالْجَمْعُ أَفنان وفُنونٌ، وَهُوَ الأُفْنُون. يُقَالُ: رَعَيْنا فُنُونَ النَّباتِ، وأَصَبْنا فُنُونَ الأَموال

Ibn manzoor al.africe abul fazal jamal Uddin Muhammad bn mukarram bin ali(al muwaffa 711h)(lisan ul arab 13/326 fasal ul fa)

al nashir: dar ul sabir baroot 3/1414 adad ul ajza:15

2…Al zarkashi badar Uddin Muhammad bin Abdullah bin bahadur (almuwaffa: 794h). (Al-burhan-fe-ulom-il-quran1/291) al-muhakkik: Muhammad abul fazal ibraheem:1/1376h.1957 m,al ajza:4.al nashir: darul ihya ul kutub al arabia eisa al babi al hlbi wa shuraka.
3…Haji khalifa al haj khalifa Mustafa bin Abdullah katib jalbi al qastintini, (al mutawaffa:1067h) (kashfus zunon un usami al kutub wal funoon2/1773.al nashir:maktabatul musanna bakhdad.tareekh un nashar:1941m,al ajza:6.
4…majduddin abu tahir al ferooz abadi Muhammad bin yakoob(al mutawaffa:817h),(al balgha fe trajim aaimat un nahaw wl lughah:69)al natshir:dar saaduddin al tabaaat wn nashhar wat tozei1421h,2000m.al ajza 1.
5…molana waheeduz zaman al kasmi al keranwe(al kamoos ul jaded{al arbi}1/507),maktaba idara islamiat Pakistan:1410h,1990m.
6…lisan ul arab fasal ul gaeen al mujama 1/639.
7…kashaf uz zunoon an usami al kutub wal funoon:2/1203.
8…al razi zainuddin abu Abdullah Muhammad bin adi bakar bin abdul qadir(al mutawaffa:bad sanah 666h/1267m),(tafseer garib ul quran al azeem:al mukadma S 6),al muhakkik:hussain al mali an qara 1997m.
9…aseeruddin al undlusi abu hayyan Muhammad bin yousuf bin ali bin yousuf bin hayyan(al mutawaffa:745h)(tuhfat ul al areeb bma fil quraan min al garreb:1/40.al muhakkik Sameer al majzoob al nashir:al maktabat ul islami:1, 1403h.1983m,al ajza 1.
10…al anbari abu bakkar Muhammad bin qasim bin Muhammad bin bashar.(al mutawaffa:328h),(iezah ul wakf wal ibtda:1/14) al muhakkik:muhihuddin abdur rehman ramdan,al nashir:matboaat mjma ul lughaatul arabia bdimishk,aam un nashar:1390h.1971m.al ajza2.
11…al asbahadi bi ba wal asfahani bil fa wakilahuma sawab.
12…shahabuddin abu Abdullah yakoot bin Abdullah al roomi al hamwi(al mutawaffa:626h), (mujam al buldaan:1/244).al nashir:dar ur saadir,beroot 2,1995m,al ajza7.
13…al zrkali khairuddin bin Mahmood bin Muhammad bin ali bin faris,al damiashki((al mutawaffa:1396h),(al aailam:2/255),al nashir:darul ilm llil mulayeen t:15.ayaar may2002m.
14…fahris ul al khazana al taimooria 3/108 naklan al muhakkik safwaan daw wdi fe mukadma ali:al mufradaat:safah 7.
15…jalaluddin bin suetti abdur rehmam bin abi bakar, (al mutawaffa:911h),(bugh al wuaat fe tabkaat al lugween wal an nuhaat:2/297)al.muhakkik: Muhammad abul fazal ibraheem,al nashir:al maktbatul asria libnan/saidan al ajza2.
16…zakaraul abu al yazeed al ajmi fe tahkeek likitaab al zaria ila
Makarim al shariah lil asbahani.

17…al raghib al asfahani abul qasim al Hussain bin Muhammad (al mutawaffa:502h) (al zariih ila makarim al shariah. S:19).al muhakkik:dr:abul yazeed abu zaid al ajmi,darun nashaar:darul salam al kahira,aam un nashar:1428h.2007m,al ajza1.
18… al raghib al asfahani abul qasim al Hussain bin Muhammad((al mutawaffa:502h)(mufraddat alfaz ul quraan S:7_8),al muhakkik safwan adnan daw wdi,al nashir:darul kalam,damishk/al darus shamia bairoot.p:1.1417h,1996m.
19 shabuddin abu Abdullah yakoot bin Abdullah al roomi al hamwi (al mutawaffa:626h. (mujaam al adba:irshadulareeb ila marifatulal adeeb:6/2578)al muhakkik:ahsan abbas:al nashir: darulalgirb alislami,beroot:p:1, 1414h,1993m, alajza7.
20…mukadma mufradaat alfazul quran page:8 al allama al raghib al asfahani.
21…mukadma al muhakkik al safwan daw wadi alal al mufradat: page:8(ba rasarruf).
22…madda al raghib. Dairatul maarif al islamia nklan an thkek:al ajmi al zria ila mkarim us shariah page 20.
23…ahmed atya:(al kamoos al aailami:2/472) maktaba al nhza al misriya.pr:1,1996 nklan un thkek:al ajmial zria ila mkarim us shariah page 20.
24…al zahabi shamsuddin abu Abdullah Muhammad bin ahmed bin usman bin qayamaz(al mutawaffa:748h)syer aalam un nubala:13/341.al nashir darul hadees.al kahira 1427h.2006.al ajza:18.
25…jma wat tahkeek.dr:abdul hameed hindawi(jamia ul bayan fe mufradatil quran,1/7)maktabatur rushd nashiron nasuiron.riyath,1,1428h 2007 al ajza:3.
26…al raghib al asfhani abu qasim husain bin Muhammad (al muwaffa 502h), muhazraatul adaba wa muhazraatul bulagha1/7) darul maktabatul hayat,bairoot ,labnan1961m.
27…syer aalam un nubala: page:13/341.
28…jalaluddin suite,abdur rehman bin abi bakar(al mutawaffa911h)bughyatul wiat fe tabkaatil lughwieen wan nuhat2/297)al muhakkik:Muhammad abul fazal ibraheem,al nashir al maktabatul asria labnan ala ajza 2.
29…alsafdi salahuddin Khalil bin aebak bin Abdullah (al mutawaffa764h)(al wafi bil wafayaat 13/29) al muhakkik ahmed al arnwoot wturki Mustafa,al nashir:daru ihyaut turaas:bairoot aamun nashar 1420h.2000 al ajza29.
30…safwan daw wdi fe thkike al mufradat page:13.
31…al mujadla/10.
32…younus/100.
33…al bakarah/102.
34…al mufradat fe gharibil quran:al baab: aza,1/71(be tasarrufin).
35…al shahar stati abul ftah Muhammad bin abdul karim bin abi bkar ahmed(al mutawaffa:548h) (al milal wan nahal:1/42)al nashir:muassatul al halbi:al ajza3.
36…al mufradaat:1/183.
37…surah tawha:5.
38… al mufradaat:1/260.

39…ibn hajar al askalani abul fazal ahmed bin ali al shafi(fathul bari shrah sahi al bukhari:4/364 rakmul hadees:2080) al nashir:darul maarifa bairoot 1379,al ajza:13.
40… al mufradaat:1/300.
41… bughyatul wiat fe tabkaatil lughwieen wan nuhat2/297.
42…al barbahari abu Muhammad al hasan bin ali bin khalf (al mutawaffa:329h)(sharhus Sunnah:1/56)al ajza:1.
43…mukadma safwan dawwdi alal mufradat: page:16.
44…bugyatul wuaat:2/297.
45… syer aalam un nubala:18/121.
46…mufradatul alfazil quran: page7,8.
47…majallatul lughatil arabia dimishk,al juzul awwal,almujallad al hadi was sittun,rabius sani 1406h,kanun us sani 1986m,page 194.
48…nuzhatul arwah:1/44.
49…al mufradaat fe gareebul quran: page:8 bithkik safwan dawwdi.
50…mukadma al muallif al mufradaat:page 53.55.(bi tasarruf).
51…al bagarah/106.
52… al mufradaat fe gareebul quran:1/62.
53…al hashar/9.
54…yousuf/91.
55…al aala/16.
56… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/272.
57…al haj/34.
58…al hud/23.
59…al aaraf/206.
60…al haj/54.
61…al bakarah/74.
62… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/527.
63…al raad/29.
64… عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّ رَجُلاً قَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، طُوبَى لِمَنْ رَآكَ، وَآمَنَ بِكَ، قَالَ: طُوبَى لِمَنْ رَآنِى وَآمَنَ بِى، ثُمَّ طُوبَى ثُمَّ طُوبَى ثُمَّ طُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِى وَلَمْ يَرَنِى. قَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَمَا طُوبَى؟ قَالَ: شَجَرَةٌ فِى الْجَنَّةِ مَسِيرَةُ مِائَةِ عَامٍ، ثِيَابُ أَهْلِ الْجَنَّةِ تَخْرُجُ مِنْ أَكْمَامِهَا.. (Jalaluddin sueti abdur rehman bin abi bakar(al mutawaffa:911h)(al durrul mansoor:4/644) al nashir darul fikar bairoot al ajza:8.
65…al ahzab:15.
66… قال رسول الله صلي الله عليه وسلم المؤمنون تتكافأ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، ويسعى بذمتهم أدناهم، ألا لا يقتل مؤمن بكافر، ولا ذو عهد في عهده، من أحدث حدثا، فعلى نفسه، ومن أحدث حدثا أو آوى محدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين
(al khattabi abu suleman hamd bin Muhammad bin ibraheem bin khattab al basti (al mutawaffa:388h) (maalim us sunan sharah abu dawud:2/313) al nashir: al matbaatul ilmia:printed,1, 1351h,1952m.

67…Surah yousuf / 101.
68…al nisa / 87.
69…al mursalaat / 33.
70… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/202.
71…al ahzaab / 53.
72… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/813.
73… al mufradaatul quran:1/99.
74…al haj/77.
75…a; bakarah/125.
76… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/60.
77… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/92.
78…surah tiba/28.
79…al makarah/173.
80… surah yousuf/96.
81…surah sawd/6.
82… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/133.
83…al inftaar/4.
84…al hud/81.
85…al isra/1.
86… al mufradaat fe gareebul quran: page:1/328.
87…surah talak/10,11.
88…al balad/14,15.

MAQASIDUSH SHARIA WAL MUSTLAHAT UL MUTAQRABAH

مقاصد الشريعة والمصطلحات المتقاربة: العلاقة بينها ومدي مشابهتها ومخالفتها لبعضها

إعجاز علي كهوسو

زاهد

ظهور أحمد العباسي

ABSTRACT: Maqasid al-Shairah (objectives of Shairah), is a very important topic of Islamic Jurisprudence. There is no doubt that the knowledge of Maqasid al-Shariah is necessary for students of Islamic jurisprudence and Muftis who involve in fatwa writing and derivation of Shariah rulings in order to consider them in the process of Ijtihad and giving rulings. Otherwise, Fatwa or Shariah ruling cannot be balanced if Maqasid al-Shariah are neglected at all. Therefore, if we look into classical literature of Islamic jurisprudence and Usul-e-Fiqh, we see that our great jurists and scholars had discussed Maqasid al-Shariah with details in their writings. But the problem with that is they discussed the topic of Maqasid with different terminologies under different topics. Therefore, the students of fiqh and researchers of Islamic law sometimes fail or face difficulties to reach these important writings with regard to Maqasid. The objective of this study is to explain the definitions of Maqasid and other related terminologies. Further, this paper also sheds light on differences and similarities of these related terms between them. It is believed that the paper will add value in the existing literature of Maqasid and pave the way for thorough understanding of classical literature.

KEYWORDS: Maqasid al-Shariah, Maslaha, Illah, Hikmah, Sad al-zarai (blocking the means)

لا شك أنه قد مست الحاجة الي الإلمام بمقاصد الشريعة للمجتهد والفقيه علىصعيد التفقه والاستنباط حتي يراعوا تلك المقاصد في استنباط النوازل ومعالجة القضايا المعاصرة، لأن إهمال المقاصد في الاستنباط لا ينسجم مع منهج التشريع، فهو يجلب افراطا أو تفريطا، والشريعة الإسلامية تأبىكلا منهما، فوجب استنباط النصوص الجزئية في ضوء المقاصد الكلية. ولعظم مكانة مقاصد الشريعة وأهميتها جعلها الفقهاء والمجتهدون نصب أعينهم في الاجتهاد والاستنباط، وقد فصل علماء الأصول فيها الكلام في مؤلفاتهم، ولكن وردت هذه المباحثبعناوين ومصطلحات مختلفة عوقت علي الباحث الإلمام بها، فالهدف من هذا المقال عرض ما ورد في علم الفقه والأصول الاصيل عن مقاصد الشريعة وما قاربها من المصطلحات المترادفة بها، تعريفها والعلاقة بينها ومدي مشابهتها ومخالفتها لبعضها لكي يسهل للباحثين وطالبي الفقه واصول الفقه الرجوع الى المصادر الاصيلة والمراجع القديمة.

تعريف مقاصد الشريعة:

مقاصد الشريعة مركب اضافي من كلمتي المقاصد والشريعة،

المقاصد لغة: جمع مقصد، وهو مصدر ميمي من قصد يقصد قصدا، يستخدم لمعان عديدة في اللغة:

- استقامة الطريق: كما في قوله تعالى{وَعَلَى ٱللَّهِ قَصْدُ ٱلسَّبِيلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ}
- الاعتدال والاقتصاد: كما في قوله تعالى{وَٱقْصِدْ فِى مَشْيِكَ}
- العدل: كما في قول الشاعر: علي الحكم المأتي يوما إذا اقضي   قضيته أن لا يجوز ويقصد
- الكسر: قصدت العود قصدا، أي: كسرته.[1]

الشريعة لغة: يطلق علي معان عديدة: العين، المنهاج، الملة، الطريقة المشروعة التي يردها الناس.[2]

والشريعة عرفت اصطلاحا بتعبيرات مختلفة، منها:

قال الشيخ التهانوي: "ما شرع الله تعالى لعبادة من الأحكام التي جاء بها نبي من الأنبياء صلّى الله عليه وسلم وعلى نبينا وسلم سواء كانت متعلّقة بكيفية عمل وتسمّى فرعية وعملية، ودوّن لها علم الفقه، أو بكيفية الاعتقاد وتسمّى أصلية واعتقادية، ودوّن لها علم الكلام".[3]

وقال الشيخ الجرجاني: "الشريعة: هي الائتمار بالتزام العبودية".[4]

تعريف مقاصد الشريعة اصطلاحا: لم يوجد عند العلماء الأوائل تعريف واضح محدد أو دقيق لمقاصد الشريعة حتي الائمة الذين خصصوا الكلام بعلم المقاصد كالغزالي والشاطبي رحمها الله تعالى وأطنبوا الكلام في أقسامها، وحجيتها ومراعاتها في النصوص لم يذكروا للمقاصد تعريفا جامعا. وأما المتأخرون فكل من تكلم منهم في مقاصد الشريعة عرفها علي نهجه، نذكر فيما يلي بعضها عن ذلك:

عند محمد الطاهر:"هي المعاني والحكم الملحوظة للشارع في جميع أقوال التشريع أومعظمها بحيث لا تختص ملاحظتها بالكون في نوع خاص من أحكام الشريعة، فيدخل في هذا أوصاف الشريعة وغاياتها العامة التي لا يخلو التشريع من ملاحظتها".[5]

عند علال الفاسي:"المراد بمقاصد الشريعة الغاية منها، والأسرار التي وضعها الشارع عند كل حكم من احكامها".[6]

عند الريسوني:"هي الغايات التي وضعت الشريعة لأجل تحقيقها لمصلحة العباد".[7]

عند الدكتور محمد بن سعد اليوبي:"هي المعاني والحكم التي راعاها الشارع في التشريع عموما وخصوصا من أجل تحقيق مصالح العباد"[8].

عند نور الدين الخادمي:"هي المعاني الملحوظة في الأحكام الشرعية والمترتبة عليها سواء أكانت تلك المعاني حكما جزئية أم مصالح كلية".[9]

عند الدكتور وهبة الزحيلي:"الغايات والأهداف والمعاني التي أتت بها الشريعة الاسلامية وأثبتتها الأحكام الشرعية".[10]

الحاصل أن مقاصد الشريعة هي جملة ما أراده الشارع الحكيم من مصالح تترتب علي الأحكام الشرعية، كمصلحة الصوم التي هي بلوغ التقوي ومصلحة الجهاد، والتي هي رد العدوان والذب عن الأمة ومصلحة الزواج التي هي غض البصر وتحصين الفرج وإغاب الذرية وإعمار الكون.

المصطلحات المتقاربة والصلة بها:

العلة: العلة لغة: المرض، يقال: فلان عليل أي مريض. وأما اصطلاحا: **قال الإمام الغزالي:** "اعلم أنا نعني: بالعلة في الشرعيات مناط الحكم، أي: ما أضاف الشرع الحكم إليه، وناطه به، ونصبه علامة عليه".[11] **وقال الشيخ مصطفي الزرقاء:** "السبب الظاهر المناسب الذي يبني عليه الشارع الحكم".[12] **وقال الملا عبد الشكور البهاري:** "ما شرع الحكم عنده تحقيقا للمصلحة".[13]

والحاصل أن العلة تطلق علي الوصف الظاهر المنضبط الذي يحصل من ترتيب الحكم عليه مصلحة، أي أن العلة هي الوصف المعرف للحكم والمؤدي إليه كالإسكار، فإنه يؤدي إلي التحريم لمصلحة حفظ العقل والمال، والسفر يؤدي إلي القصر والإفطار، والمسح لمصلحة رفع المشقة والحرج، والسرقة تؤدي إلي قطع اليد لمصلحة حفظ المال، والزني يؤدي إلي الجلد والرجم لمصلحة حفظ الأنساب والأعراض، والقتل العمد العدوان يؤدي إلي القصاص لمصلحة حفظ النفس.

صلة العلة بالمقاصد: بناءا علي ما ذكر تكون العلة هي سبب الحكم وسبيله الذي يؤدي إليه، وتكون المقاصد هي المصالح المترتبة علي الحكم المبني علي العلة.

الحكمة: لغة: "الحكمة عبارة عن معرفة أفضل الأشياء بأفضل العلوم".[14] اصطلاحا: **قال الإمام الغزالي:**"لسنا نعني بالحكمة إلا المصلحة المخيلة المناسبة".[15] **وفي الموسوعة الفقهية الكويتية:** "المصلحة التي قصد الشارع من تشريع الحكم تحقيقها أو تكميلها، أو المفسدة التي قصد الشارع بتشريع الحكم دفعها أو تقليلها".[16] الحاصل أن الحكمة هي ما يترتب علي التشريع من جلب مصلحة وتكميلها أو دفع مضرة وتقليلها. وقد تطلق الحكمة علي العلة مجازا، ولكن الحقيقة تختلف، فالعلة تظهر قبل الحكم وأما الحكمة فتأتي عقبه، فالعلة سبب لوجود الحكم وأما الحكمة فهي ثمرة وجود الحكم.

صلة المقاصد بالحكمة: بناءا علي ما ذكر فإن الحكمة والمقاصد يترادفان ويتماثلان في الإطلاق والتعبير في أغلب الأعيان. قد تطلق الحكمة علي المقصد الكلي أو المصلحة الإجمالية، فتقول بأن الحكمة من إرسال الرسل وإنزال الشرائع هي: عبادة الله واجتناب الطاغوت، ونعني بتلك الحكمة جملة المصالح العامة والمقاصد الكلية. وتطلق الحكمة أحيانا علي المقصد الجزئي كحكمة تجتنب الأذي باعتزال الحائض، وحكمه منع بيع المعدوم، وهي نفي الجهالة وإبعاد الضرر والغرر عن المشتري.

المصلحة: لغة: المصلحة مصدر ميمي، معناه الصلاح وهو الخير والصواب في الأمور، وضده المفسدة.[17]

واصطلاحا: **قال الإمام الغزالي:** "أما المصلحة فهي عبارة في الأصل عن جلب منفعة أو دفع مضرة، ولسنا نعني به ذلك، فإن جلب المنفعة ودفع المضرة مقاصد الخلق، وصلاح الخلق في تحصيل مقاصدهم، لكنا نعني بالمصلحة المحافظة على مقصود الشرع ومقصود الشرع من الخلق خمسة: وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم، فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة، وكل ما يفوت هذه الأصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة"[18].

وحاصل ماذكره الإمام الغزالي ان المراد من المصلحة صون المقاصد الشرعية، فما يضمن صون المقاصد الخمسة الكلية يطلق عليه المصلحة، وبالعكس ما يفور تحصيل تلك المصالح فهي المفسدة يجب درئها.

وقال الإمام عز الدين بن عبد السلام: "والشريعة كلها مصالح إما تدرأ مفاسد أو تجلب مصالح".[19]

صلة المقاصد بالمصلحة: ويتبين مما ذكر أن صلة المقاصد بالمصلحة قوية جدا وأن المقاصد والمصالح تترادف بعضها، لأن المصلحة لا تكون كذلك إلا إذا أسدت إلي مقصد شرعي، ويصح أن نقول أن المقصد الشرعي هو الإسم الأخر للمصلحة التي مقصود الشارع ومراده من خلال التشريع.

سد الذرائع: سد الذرائع يتركب من لفظين: (1)سد، (2)الذرائع

لغة: السد: هو الإغلاق، كما في لسان العرب: "السد هو إغلاق الخلل وردم الثلم".[20]

و الذرائع: جمع ذريعة، وهي الوسيلة، فإذن "سد الذرائع" يعني لغة: التصدي للوسائل أو القضاء عليها.

اصطلاحا: يقول الإمام الشاطبي رحمه الله في الموافقات عن سد الذرائع: "منع الجائز، لئلا يتوسل به إلى الممنوع"[21]، وقال في مكان أخر في "الموافقات" نفسه: "قاعدة الذرائع، التي حقيقتها التوسل بما هو مصلحة إلى مفسدة"[22].

يتضح من هذا التعريف معني سد الذرائع جليا، فسد الذريعة هي المصلحة التي تجلب المفسدة أو التي تجر إلي مفسدة.
عرفها الشوكاني رحمه الله في إرشاد الفحول بما يلي: "هي المسألة التي ظاهرها الإباحة، ويتوصل بها إلى فعل المحظور"[23].
ووضحه القرافي رحمه الله في الفروق، فقال: "سد الذرائع ومعناه حسم مادة وسائل الفساد دفعا لها"[24].
وخلاصة الكلام أن سد الذرائع هو منع الجائز ما دام يتوصل به إلي مالا يجوز أو منع كل مباح يجرإلى ممنوع.

أسئلة سد الذرائع:

- نهى الله سبحانه وتعالى في القرآن الكريم عب سب الآلهة الباطلة، لأنه يؤدي إلى سب عبيدها لله تعالى (الانعام: 108).
- نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلوة عند طلوع الشمس وغروبها احترازا عن مشابهة الكفار.
- نهى عن الخلوة بالأجنبية، لأنه قد يفضي إلي الزنا.

صلة سد الذرائع بالمقاصد: مما يلي يتضح صلة سد الذرائع بالمقاصد: سد الذرائع في حد ذاته مقصد من المقاصد الشرعية، أكدته نصوص كثيرة واتخذه جمهور الفقهاء أصلا شرعيا عند استنباط الأحكام سد الذرائع. سد الذرائع تصون المقاصد الشرعية، لأنها تتصدي للوسائل المفضية إلي تعطيل المقاصد الشرعية. لا بد من إعتبار مالات الأفعال وعواقبها في سد الذرائع، والنظر في مالات الأفعال مقصد من مقاصد الشريعة، فلهذا ليس بإمكان مجتهد أن يصدر الحكم عل أمر ما بدون التمعن في مأله، كما ذكره الشاطبي رحمه الله في الموافقات: "النظر في مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعا كانت الأفعال موافقة أو مخالفة، وذلك أن المجتهد لا يحكم على فعل من الأفعال الصادرة عن المكلفين بالإقدام أو بالإحجام إلا بعد نظره إلى ما يؤول إليه ذلك الفعل، مشروعا لمصلحة فيه تستجلب، أو لمفسدة تدرأ، ولكن له مآل على خلاف ما قصد فيه، وقد يكون غير مشروع لمفسدة تنشأ عنه أو مصلحة تندفع به، ولكن له مآل على خلاف ذلك، فإذا أطلق القول في الأول بالمشروعية، فربما أدى استجلاب المصلحة فيه إلى المفسدة تساوي المصلحة أو تزيد عليها، فيكون هذا مانعا من إطلاق القول بالمشروعية وكذلك إذا أطلق القول في الثاني بعدم مشروعية ربما أدى استدفاع المفسدة إلى مفسدة تساوي أو تزيد، فلا يصح إطلاق القول بعدم المشروعية وهو مجال للمجتهد صعب المورد، إلا أنه عذب المذاق محمود الغب، جار على مقاصد الشريعة".[25]
مجمل الكلام أن سد الذرائع يتوصل به إلى تحصيل مقصد مهم من مقاصد الشريعة وهو اعتبار مالات الأفعال.

نتائج البحث:

i. مقاصد الشريعة هي المعاني والحكم التي قصدها الشارع عند التشريع نظرا لمصالح العباد.
ii. العلة هي الوصف الظاهر المنضبط الذي يترتب عليه الحكم، ويترتب علي الحكم المقصد الشرعي، فإذن العلة وسيلة لتحصيل المقصد الشرعي.
iii. الحكمة هي جلب منفعة أو دفع مضرة تبتغى من التشريع، وجلب المصلحة ودفع المفسدة في نفسها مقاصد الشريعة، فالحكمة تترادف المقاصد في مرادها ومعناها، لذا أطلقها الفقهاء في بعضها في كثير من الأحيان.
iv. سد الذرائع هو منع كل مالا يجوز إذا توصل به إلى مالا يجوز، وهو مقصد من مقاصد الشريعة، وهكذا يترادف سد الذريعة المقاصد الشرعية في هذا التعبير، وهو وسيلة لتحصيل المقاصد الشرعية بتعبير أخر، لأنها سد الوسائل التي تعوق الحصول علي مقاصد الشريعة.

المراجع والمصادر

[1] ـ انظر: تاج العروس من جواهر القاموس (36/9) للزَّبيدي، (محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، المتوفى: 1205هـ) الناشر: دار الهداية، ولسان العرب (353/3) لابن منظور، (محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى (المتوفى: 711هـ) الناشر: دار صادر بيروت، الطبعة الثالثة - 1414 هـ

[2] ـ تاج العروس من جواهر القاموس (260/21،261) للزَّبيدي، لسان العرب (176/8) لابن منظور

[3] ـ انظر موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم (1018/1) للتهانوي، محمد بن علي ابن القاضي محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقي الحنفي (المتوفى: بعد 1158هـ) الناشر: مكتبة لبنان ناشرون – بيروت، الطبعة: الأولى - 1996م

[4]ـ كتاب التعريفات (127)، للجرجاني، علي بن محمد بن علي الزين الشريف (المتوفى: 816هـ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت –لبنان، الطبعة: الأولى 1403هـ -1983م

[5] ـ مقاصد الشريعة الاسلامية (ص: 251) للعلامة محمد الطاهر ابن عاشور، بتحقيق محمد الطاهر الميساوي، دار النفائس، اردن، الطبعة الاولىٰ: 1421

[6]ـ مقاصد الشريعة الاسلامية ومكارمها (ص: 7)، للدكتور علال الفاسي، الناشر: دارالغرب الاسلامي، الطبعة الخامسة :1993

[7] ـ نظرية المقاصد عند الامام الشاطبي (ص: 19)، للدكتور احمد الريسونى، الناشر: المعهد العالمي للفكر الاسلامي، الطبعة الرابعة: 1415ھ

[8]ـ مقاصد الشريعة الاسلامية وعلاقتها بالادلة الشرعية (ص:) للدكتور محمد سعد بن احمد بن مسعود اليوبي، دارالهجرة للنشر والتوزيع، رياض، الطبعة الاولىٰ: 1418ھ/1998م

[9] ـ الاجتهاد المقاصدي، حجيته، ضوابطه، مجالاته (ص) للدكتور نورا لدين بن مختار الخادمي، الناشر: وزارة الاوقاف والشؤون الدينية بدولة قطر، الطبعة الاولى: 1419

[10]ـ اصول الفقه الاسلامي، بحواله علم مقاصد الشريعة للدكتور نورالدين بن مختار الخادمي، مترجم: ضياءالدين قاسمي ندوي، المعهد العالمي للفكر الاسلامي

[11] ـ المستصفى، لابي حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505هـ)، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى: 1413هـ 1993م

[12]ـ الزرقاء مصطفى أحمد. الفقه الإسلامي في ثوبه الجديد. ج. 2، المدخل الفقهي العام.

[13] ـ بحواله قاموس الفقه از: مولانا خالد سيف الله رحمانى صاحب، زمزم پبلشرز كراچى۔

[14] ـ لسان العر ب(12/ 140)

[15] ـ " المستصفىٰ فى اصول الفقہ" (ص: 330)

[16] ـ الموسوعة الفقهية الكويتية(30/ 286)، رتبها جماعة من العلماء، صادرة عن وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت

[17] ـ ـ تاج العروس، ماده: صلح (547/6)، والمعجم الوسيط، رتبها مجمع اللغة العربية بالقاهرة، (إبراهيم مصطفى / أحمد الزيات / حامد عبد القادر / محمد النجار) الناشر: دار الدعوة

[18] ـ "المستصفىٰ" (ص: 174)

[19] ـ قواعد الأحكام في مصالح الأنام، لأبي محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن الحسن السلمي الدمشقي، الملقب بسلطان العلماء (المتوفى: 660هـ)، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة، الطبعة:1414هـ - 1991م

[20] ـ لسان العرب (3/ 207)، ماده: سدد

[21] ـ الموافقات (3/ 564)لإبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى: 790هـ)، الناشر: دار ابن عفان، الطبعة الأولى 1417هـ/ 1997م

[22] ـ (5/ 441)

[23] ـ إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول (2/ 193)، لمحمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (المتوفى: 1250هـ)، الناشر: دار الكتاب العربي
الطبعة الأولى 1419هـ - 1999م

[24] ـ الفروق للقرافي = أنوار البروق في أنواء الفروق (2/ 32)، لأبي العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكي الشهير بالقرافي (المتوفى: 684هـ)

[25] ـ "الموافقات"(5/ 177)

LEGITIMACY OF EXPENDITURE'S DIRECTIONS IN ISLAMIC ECONOMICS

مشروعية وجوه الإنفاق في الإقتصاد الإسلامي

منظورأحمد الأزهري أستاذ الشريعة المشارك- جامعة هائ تك-تاكسيلا-باكستان
علي أكبر الأزهري*أستاذ الشريعة المشارك- جامعة لاهور جيريزن-لاهور
ظهور الله الأزهري أستاذ الشريعة المشارك- جامعة لاهور-لاهور

ABSTRACT: *Money has been given a special status in Islamic Law because of its significance in daily life. The rules and regulations have been promulgated to regularize fair dealing in money. Its basic function is defined to be the intermediary for purchase of commodities and services but more important is to earn it in Halal ways then to spend it also in Halal practices. Money is a gift of Allah SWT to flourish the trade and man is the only responsible for its usage. The ultimate target of using money is to succeed with the Will of Allah and not the money itself.*
This article seeks the right ways of spending money in lawful practices for the benevolence of whole humanity.
KEYWORDS: *Earnings, Halal ways, Lawful Practices.*

تمهيد:

إن الإسلام يحثّ على الإنفاق في وجوه الخير ويأمر أتباعه أن يجعلوه وسيلة الرخاء الاقتصادي للناس فلا يمنعوه عن أنفسهم وأهلهم والمجتمع كله؛ لأن المال مال الله والإنسان مستخلف فيه فلا يحرم الجماعة عن المشاركة في خيراته و ثمراته، فالمال ليس غاية في نفسه بل وسيلة إلى ما هو أسمى منه وهو مرضاة الله تعالى فيما أعطى وأمسك. فالإنفاق ليس مجرد عطاء وبذل بل هو تربية الإنسان السوي البعيد عن الطمع والشح؛ ومن هذا المنطلق جاءت آيات الله القدير تبشر وتنذر، ترغب وترهب، وتدعو إلى الإنفاق والعطاء.

فبهذه التوجيهات السماوية يقوم الإنسان المؤمن بالإنفاق على نفسه وأهله وذويه ولهذا الإنفاق البشري ضوابط شرعية نذكرها فى أربعة مطالب تالية؛

المطلب الأول: اوجه الإنفاق
المطلب الثاني:الانفاق الواجب
المطلب الثالث: الانفاق في الحرام
المطلب الرابع :النية في الانفاق

المطلب الأول: اوجه الإنفاق

تعريف الإنفاق الاستهلا كي:

الإستهلاك هو إتلاف عين–بافناء عينها أو باذهاب منافعها–في تحصيل منفعة، يقال: استهلك الماء إذا صرفه في الشرب أو السقي ولم يبق منه شيئاً، واستهلك الآلة اذا ذهبت منافعها بالعمل والإنتاج. وإنّما قلنا في تحصيل منفعة، لأن المنفعة قد تحصل وقد لا تحصل لأنّ كثيرًا من الآلات قد تستهلك في تجارب ثم تفشل هذه التجارب كلها فحسبنا أن العين تلفت بقصد تحصيل المنفعة. (1) وللإ نفاق عدة وجوه اهمّها:النفقة الواجبة والنفقة المستحبة والنفقة المحرّمة.

النفقة الواجبة: وهي الإنفاق على النفس والأهل.

1 – إغناء النفس: إن الإ نفاق على النفس والأهل من الأمور الواجبة يدل على وجوبه كثير من الآيات القرآنية والأحاديث النبوية، منها قوله تعالى:" ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ﴾"(2) "﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾"(3)

في رأي الإمام القرطبي أن لفظ الإنفاق في الآية يشمل كل إنفاق واجبًا كان أو مستحبًّا، على النفس والأهل، أو في خير الجماعة وفي سبيل الله(4) وقد جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال :"عندي دينار. فقال: أنفقه على نفسك، قال: عندي آخر، قال: أنفقه على ولدك، قال: عندي آخر، قال: أنفقه على أهلك، قال: عندي آخر، قال: أنفقه على خادمك، قال عندي آخر، قال: أنت أعلم"(5).

2– الإنفاق على طيبات الحياة: والإسلام يرشد إلى الحياة الطيبة الهنيئة بل جعلها الله سبحانه مثوبة لأهل الإيمان والاستقامة من عباده فقال تعالى:" ﴿وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾"(6) وقال تعالى:" ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾"(7) فالإ نفاق على الحياة الطيبة – في نظر الإسلام – شيء مطلوب و مرغوب فيه حيث إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده. وقال تعالى:" ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾"(8) أي يسألك المؤمنون أيها الرسول: ماذا أحل لهم من طعام وغيره؛ فقل لهم: أحل لكم كل طيب تستطيبه النفوس(9) السليمة – أي كل حلال أكله وشربه ولبسه طيبات المأكل والمشرب: إن الله أمر عباده بأن يأكلوا من الحلال الطيب ويتمتعوا به ويشكروا له فقال تعالى:" ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾"(10) ويقول أيضا:" ﴿كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُور﴾"(11)

فكل ما رزقه الله تعالى للإنسان حلال مباح أكله إلا ما ورد في تحريمه نص، فلا حرج على المؤمن في الاستمتاع بنعم الله تعالى من لحم ولبن وفا كهة وعسل وماء عذب فرات سائغ شرابه وطعام زكي نقي، قد ذكر الله تعالى أصحاب الكهف وطعامهم فقال تعالى على لسانهم:"﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ﴾"(12) فالأكل والشرب النقي الطيب يضمن للإنسان صحته وقوته ليستخدمها في صلاح الإنسانية؛ فالمؤمن القويّ أحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كلّ خير.

3- طيبات الملبس والمظهر: قد امتن الله سبحانه على عباده بما أعطاهم اللباس وأدوات الزينة ليستروا عوراتهم ويتجملوا في الناس حتي يظهر الإسلام أمام الأمم في صورة أنيقة شيقة، ويقول الله تعالى:"﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ﴾"(13)

فاللباس لستر العورة والريش من أسباب الزينة والتجمّل و في آية آخرى:" ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾"(14) أي تزينوا في وقت الصلاة. وحين جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه ثوب دون قال له: «ألك مال؟ قال: نعم قال: من أي المال؟ قال: من كل المال قد أعصاني الله تعالى، قال: فإذا آتاك الله مالا فلير نعمة الله عليك وكرامته»(15).

وهكذا وجه الإسلام أبناءه إلى أطيب الملبس وأجمل المظهر، فلا حرج على المسلم أن يأكل ويلبس من الجيد النظيف ما لم

يكن خيلاء و رياء.

4 – طيبات المسكن والمركب: قد ذكرت الآيات القرآنية أنّ الليل والنهار من آيات الله البينات والليل جعله الله سكنا للعباد ثم امتنّ الله به في قوله تعالى:" ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا﴾"(16) والبيت كذلك نعمة الله تعالى كما جاء في القرآن الكريم:" ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا﴾"(17) فالراحة والسكينة مطلوبة في البيت فليكن مؤثثاً بما يليق بكرامة المؤمن بأشياء مباحة و مريحة وكان النبي صلى الله عليه وسلم كثيرًا ما يدعو عند الوضوء لأسباب السعادة هذه فيقول: «اللهم اغفرلي ذنبي، ووسع لي في داري، وبارك لي في رزقي» فلما سأله أنس رضي الله عنه ، ما أكثر ما تدعو بهذه الدعوات، قال : « وهل تركن من شيء؟»(18)

وفي حديث آخر: «أربع من السعادة: المرأة الصالحة، والمسكن الواسع، والجار الصالح، والمركب الهنيء، وأربع من الشقاوة: المرأة السوأة السوء، والجار السوء، والمركب السوء، والمسكن الضيق»(19)

وقد ذكر الله تعالى أسباب الركوب في محل النعمة. فقال تعالى: " ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾"(20) وآخر الآية يدل على جميع وسائل النقل الحديثة من القطارات والطائرات والبواخر والسفن الفضائية وغير ها. وكل هذه الأسباب يباح الإنفاق عليها من أجل سعادة الإنسان حتى يعبر خليج الحياة آمنًا مطمئنا إلى دار الآخرة.

المطلب الثاني: الإنفاق الواجب

الفرع الأول: الإنفاق على الأهل والأقارب

ومن النفقة الواجبة الإنفاق على الأهل وتشتمل على: المأكل والمشرب والملبس والمسكن المفروش المؤثث ونفقات النظافة(21).

١- شروط النفقة:

وجب النفقة للأبوين عند الجمهور(22) والأولاد والإخوة إذا كانوا فقراء والّا تجب هذه النفقة حتى تتوفر ثلاثة شروط هي:

1 – أن يكون المنفق غنيا.

2 – وأن يكون المنفق عليه فقيرًا.

3 – وأن يكون المنفق وارثاً من المنفق عليه إن مات (23)

وقد أمر الله بهذا الإنفاق في قوله جل شأنه:"﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى ﴾"(24) "﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾"(25) "﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾"(26)

وكل هذه النصوص تدلّ على أن للقريب على قريبه حقًّا أكثر من غيره من الناس لما كان بينهما من روابط النسب والرحم والقرابة وأي حق هذا لو لم يكن إعانته عند عجزه في حصول حاجاته المعيشية. وفي الحديث النبوي توجيه رائع: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: « ابدأ بنفسك فتصدق عليها فإن فضل شيئ فلأهلك، فإن فضل عن أهلك شيئ فلذوي قرابتك فإن فضل شيء عن ذوي قرابتك فهكذا وهكذا»(27). وعن عائشة رضي الله عنه قالت: قال النبي صلى الله عليه

وسلم : «إذا أنفقت المرأة من طعام بيتها من غير مفسدة كان لها أجرها بما أنفقت ولزوجها بما كسب وللخازن مثل ذلك لا ينقص بعضهم أجر بعض شيئاً»(28)

2- مقدار النفقة:

وقرر الفقهاء(29) نفقة الزوجية بأنها تشمل:

1 – الطعام والشراب والإدام.

2 – الكسوة للشتاء والصيف بما يناسب كلًّا منهما.

3 – المسكن وما يتبعه من أثاث وفراش.

4 – الخدمة إن لزمتها أو كانت ممن تخدم.

5 – آلة التنظيف و متاع البيت.

وكل الإنفاق الذي قرره الشرع الحنيف يعتبر صدقة يثاب عليها صاحبها كما جاء في الحديث النبوي الشريف: عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : «إذا أنفق المسلم نفقة على أهله وهو يحتسبها (أي يريد أجرها من الله) كانت له صدقة»(30)

ويكون الإنفاق من مال الرجل حسب قدرته وسعته، وفي هذا يقول الله سبحانه:" ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾"(31)

- ومن الإنفاق الواجب الأضحية يوم النحر على من يجد سعة.
- ومنها الهدايا التي يذبحها الحجاج في الحرم.
- ومنها الكفارات كالإطعام الواجب للفقراء أو كسو تهم في كفارة حنث اليمين وغيرها.
- ومنها النذور التي يو جبها المرء على نفسه. –
- ومنها الزكاة المفروضة وزكاة الفطر. –

وهذه النفقات محددة من قبل الشارع قد ذكرنا تعريفاتها في المطلب الأول من هذا المقال. –

وهنا نفقات واجبة غير محددة مثل التكافل الا جتماعي والجهاد بالمال إذا كانت هناك حاجة إلى المال، وهذا الإنفاق يترك لضمائر الناس و رغبتهم إلى خير الإسلام والمسلمين.

الفرع الثاني: النفقات المستحبة

لم يقتصر الإسلام على النفقات الواجبة فقط في تحقيق التوازن الاقتصادي، بل حث الله سبحانه عباده على الإنفاق والتصدق في الليل والنهار، سرًّا وعلانية وفي السراء والضراء بل جاء في بداية القرآن الكريم بأنّه" ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ. الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾"(32)

وفي آية آخري:" ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾"(33)

1- الحث على الإنفاق:

ومدح الله تعالى المنفقين في القرآن، يقول الله سبحانه:" ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾"(34) وقال تعالى:" ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾"(35)، "﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَO الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ ....﴾"(36)، "﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًاO إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًاO﴾"(37)

والأحاديث النبوية في الإنفاق والصدقة والكرم أكثر من أن تعد وتحصر، وقد امتلأ التاريخ الإسلامي بمواقف سخية وأحوال زكية للصحابة الكرام ومن بعدهم من الصالحين.

وقد روى البخاري: أنّهم لما قدموا المدينة آخى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين عبد الرحمن بن عوف و سعد بن الربيع، فقال سعد لعبد الرحمن: إني من أكثر الأنصار مالاً. فأقسم مالي نصفين (نصف لك ونصف لي) ولي امرأتان فانظر أعجبهما إليك، تسمها لي أطلقها فإذا انقضت عدتها تزوجتها، فقال عبدالرحمن: بارك الله لك في أهلك ومالك، أين سوقكم؟

فدلوه على سوق بني قينقاع.. الحديث(38)

وهذا الإيثار الكريم لا نجد له مثيلاً في أي نظام من نظم الحياة المادية فهم محرومون من هذه الدرجات الرفيعة، فلذا ذكر الله تعالى إيثار الأنصار في قرآنه المجيد ليكون لهم سجلاً مشرفاً على مر العصور والقرون فقال تعالى:"﴿يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾"(39)

والحديث النبوي الشريف يحث على صدقة جارية مثل الآبار والسلسبيلات على الطرق وبناء المدارس وغيرها من الأمور الخيرية كما جاء في حديث عن أبي هريرة رضي الله عنه «إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له»(40)

وكل إنفاق يراد به وجه الله قرره الإسلام وشجع عليه ليتمتع المجتمع بالتعاون والرخاء والمحبّة والسخاء ومن هذه النفقات المستحبة الهدية والهبة والوقف والوصية وغيرها من أوجه الخير.

ولا بد أن يكون هذا الإنفاق من الطيبات علمًا بأنّ المنهج الرباني قد ركز على الترغيب في إنفاق الطيبات أكثر من أيّ شيء آخر فيقول الله تعالى:" ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ O الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَO﴾"(41)

فبيَّن القرآن الكريم أن الإنفاق يحقق الازدهار الاقتصادي في المجتمع إذا كان لوجه الله تعالى وليس للتطاول على الناس.

2 – الجهاد بالمال:

إن إنفاق الطيبات هو النصر الأساسي في إعداد العدة للجهاد في سبيل الله لتكون كلمة الله هي العليا، ولا يكاد يأتي ذكر الجهاد إلا ويذكر الإنفاق معه لأنه هو العنصر الأكبر من مقوماته وبه يتحقق الفتح والنصر و تتحرر البشرية واقتصادها من قبضة الكفر وكابوس الظلم، وبذل النفس يؤدي إلى تحرير النفوس، فكذلك بذل المال في الجهاد يؤدي إلى تحرير المال من أيدي المحتكرين والكانزين و في ذلك يقول الله تعالى:" ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾"(42)

ولنا في رسول الله صلى الله عليه وسلم وصحابته أسوة حسنة في إعداد جيش العسرة؛ حيث جاء سيدنا أبو بكر بجميع ماله، و سيدنا عمر بنصف ماله، وسيدنا عثمان بكثير مما أعطاه الله تعالى و في ذلك فليتنافس المتنافسون.

المطلب الثالث: الإنفاق في الحرام

إن الإسلام ينظر إلى المال نظرة احترام لا على أنه غاية مقصودة لذاتها، بل إنه وسيلة إلى تلك الغاية المقصودة المتمثلة في إشباع الحاجة المعيشية وابتغاء مرضاة الله تعالى، والظاهر أن كل ذلك يتوقف على الإنفاق، وهذا الإنفاق هو الذي يؤدي إلى سريان المال في قنوات الحياة الاقتصادية والاجتماعية سريان الروح في شريان الجسد الحي، فلو توقف الإنفاق في وجوه الخير لفقدت الحياة الاقتصادية حيويتها ونشاطها كما يفقد الجسد حياته بخروج الروح منه، ولا بد لتحقيق هذا الغرض أن ينفق المال في أوجه مشروعة من قبل الشارع الحكيم.

وقد أمر الله سبحانه بالإنفاق في سبيله ووجوه الخير وعدم إهلاك النفس وتحري الإحسان في العمل كما جاء في قوله تعالى:" ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾"(43)

فالإنفاق في غير سبيل الله ممنوع و حرام، ولا ينبغي ولا يجوز لمسلم أن يجترئ بماله على الإنفاق في المحرمات من النشاطات الضارة للمجتمع والمسلمين، والذين ينفقون أموالهم في سبيل الشيطان من أوكار الفجور والقمار والخمور هم أعداء الله وهم الذين يحملون حقائب فيها الملايين إلى دور الفساد والخراب وقد يتيحون للصوص فرصة سرقة الحقائب وما فيها في لحظة السكر وغمرة الهوى وفي بلاد الكفر و الفجور فهم المبذرون إخوان الشيطان و حزبه، وقد حذر القرآن الكريم في قوله تعالى:" ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾"(44)

فالتبذير هو تضييع المال في غير ما أحل الله ومن هذا النفقات المحرمة اتخاذ أواني الذهب والفضة والتماثيل و فرش الحرير.

الإنفاق على اواني الذهب والفضة والتماثيل:

قد حرم الإسلام استعمال أواني الذهب والفضة لتطهير البيت المسلم من مواد الترف المسرف وذلك لمنع الكبر والخيلاء من ناحية ولهدف اقتصادي من ناحية أخرى؛ حيث إن الذهب والفضة هما ذريعة التبادل بين الناس ولو حبسوها عليهم في البيوت للزينة والفخر لعطلوا منافع الناس وضيقوا عليهم التبادل المالي فلا يجوز اتخاذ الأواني من الذهب والفضة وقد حذرنا النبي صلى الله عليه وسلم في حديثه الشريف قائلاً: «إن الذي يأكل ويشرب في آنية الذهب والنضة يجرجر في بطنه نار جهنم»(45)

وروى البخاري عن حذيفة رضي الله عنه قال : «نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة وأن نأكل فيها وعن لبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه وقال: هو لهم في الدنيا ولنا في الآخرة»(46)

ويستوي في ذلك الرجال والنساء لعموم الحديث؛ ولأن علة تحريمها الشرف والخيلاء وكسر قلوب الفقراء وهذا معني يشمل الفريقين (النساء والرجال). وإنما أبيح للنساء التحلي للحاجة إلى التزين للأزواج فتختصَ الإباحة به دون غيره.

فإن قيل: لو كانت العلة ما ذكر تم لحرمت آنية الياقوت و نحوها مما هوا أرفع من الأثمان (الذهب و الفضة) قلنا: تلك لا يعرفها الفقراء فلا تنكسر قلوبهم باتخاذ الأغنياء لها بعد معرفتهم بها؛ ولأنّ قلتها في نفسها تمنع اتخاذها فيستغنى بذلك عن

تحريمها بخلاف الأثمان(47). ونقول: إن الياقوت وغيرها من الأحجار الكريمة لا تستخدم في مبادلة الأشياء فضرر اتخاذها أقل من الذهب والفضة ومع ذلك لا تتخذ هذا الأ حجار لندرتها وصعوبة منالها.

وفي هذا قال الإمام الغزالي: «كل من اتخذ من الدراهم ولدنانير آنية من ذهب أو فضة فقد كفر النعمة وكان أسوأ حالاً ممن كنز ؛ لأن مثال هذا من استسخر حاكم البلد في الحياكة والكنس والأعمال التي يقوم بها أخساء الناس والحبس أهون منه و ذلك أن الخزف، والحديد، والرصاص، والنحاس تنوب مناب الذهب والفضة في حفظ المائعات أن تتبدد وإنما الأواني لحفظ المائعات ولا يكفي الخزف والحديد في المقصود الذي أريد به النقود، فمن لم ينكشف له هذا انكشف له بالترجمة الإلهية وقيل له: من شرب في آنية من ذهب أو فضة فكانّما يجرجر في بطنه نار جهنم»(48)

وقد حرمت أيضا التماثيل في البيت المسلم؛ لأن الرسول صلى الله عليه وسلم قال: إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه تماثيل أوتصاوير(49)

ولأن اتخاز التماثيل فيه تشبه بالكفار والوثنيين الذين كانوا يعبدون الأصنام في بيوتهم، فلا يجوز للمسلم أن ينفق شيئا من ماله على مثل هذه الأشياء المحرمة.

الإنفاق على المأكولات والمشروبات المحرمة:

لا يجوز لمسلم أن يأكل أو يشرب أو يتعاطى شيئا حرمه الله تعالى، وقد نص القرآن الكريم على تحريم بعض الأشياء في قوله تعالى:" ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾"(50).

وحرم الله تعالى الخمر وما في معناها من المسكرات مثل الحشيش والبانجو والبودرة بجميع أشكالها،يقول القرآن في ذلك:" ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾"(51)

وفي حديث «لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وساقيها وحاملها والمحمولة إليه وبائعها ومبتاعها وآكل ثمنه»(52) والحديث صريح في تحريم الأشياء المسكرة لأن كل مسكر خمر وكل خمر حرام(53)

التداوي بالحرام:

لم يجعل الله شفاءنا في المحرم كما ورد في الحديث: «إن الله لم يجعل شفاءكم في ما حرم عليكم»(54) فلا يجوز أن يتداوي المسلم بشيء محرم و في حديث آخر:

«إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تتداووا بحرام»(55).

وقد سأل رجل عن الخمر فقال: إنما أصنعها للدواء فقال صلى الله عليه وسلم : «إنها ليس بدواء ولكنّه داء»(56).

والحاصل أن الإنفاق على المأكولات والمشروبات المحرمة لا يجوز بأيّ حال من الأحوال.

اقتناء الكلاب بلا حاجة:

قد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اقتناء الكلاب في البيت لغير حاجة لأنها تنجس الأواني وتلوثها بل تسبب نشر الجراثيم الخطيرة حيث إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «إذا ولغ الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبع مرات إحداهن بالتراب»(57)

وقد ثبت بالعلم الحديث حكمة غسل الإناء بالتراب في المرة السابعة لأن ولوغ لكلب في الإناء يأتي بميكروبات وجراثيم لا يمنعها إلا الغسل بالتراب.

وقد قال بعض الحكماء في حكمة المنع من اقتناء الكلب أنه ينبح الضيف، ويروع السائل ويؤذي المارة؛ و في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «أتاني جبريل فقال لي: أتيتك البارحة فلم يمنعني أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل وكان في البيت قرام (ستر) فيه تماثيل وكان في البيت كلب فمر برأس التمثال الذي في البيت يقطع فيصير كهيئة الشجرة ومر بالستر فليقطع فيجعل منه وسادتان توطئان ومر بالكلب فليخرج»(58)

واستثني من هذه القاعدة كلب الصيد والحراسة لحديث النبي صلى الله عليه وسلم «من اتخذ كلبا لا كلب صيد أو زرع أو ماشية انتقص من أجره كل يوم قيراط»(59)

وما نراه اليوم في الغرب من اقتناء الكلاب و معايشتها مع الأسرة وتخصيص السرائر والعربات لها بل كتابة الميراث لها بتحريم الأقارب منه هو إسراف في الإسراف، وحتى نسمع أن هذه الظاهرة قد دخلت في أسباب الانحلال الخلقي أيضا ولها خطورتها في باب الاقتصاد والصحة في آن واحد.

الإنفاق على المرئيات والمسموعات المحرمة:

قد سمح الإسلام باللهو البريء المباح لتستريح القلوب وترتاح النفوس من حين لآخر ولا يتعدي هذا اللهو الحدود المرسومة له فترويح النفس شيء وتضييع الوقت شيء آخر المؤمن يكون جادا في عمله إذا كان الوقت وقت العمل، ويستريح باللهو المباح إذا كان قد فرغ من العمل ولابأس به لأن النبي صلى الله عليه وسلم سمح بالغناء الفطري الذي يترنم به الإنسان أو المرأة لصاحبها، والجارية لسيدها ومنه حداء الإبل، وغناء النساء في الأعراس، والأعباد والولائم والعقيقة وعند الولادة.

وفي حديث ابن عباس رضي الله عنهما قال: زوجت عائشة رضي الله عنها ذات قرابة لها من الأنصار فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: «أهديتم الفتاة؟» قالوا نعم: قال: أرسلتم معها من يغني؟ قالت: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الأنصار قوم فيهم غزل فلو بعثتم معها من يقول: أتيناكم أتيناكم: فحيّانا وحيّاكم»(60).

وقد ذكر الإمام الغزالي «أحايث غناء الجاريتين اللتين نهرهما أبوبكر رضي الله عنه فقال النبي صلى الله عليه وسلم «دعهما يا أبابكر فإنها أيام عيد».

ولعب الحبشة في المسجد النبوي فقال لهم الرسول صلى الله عليه وسلم: «دونكم يا بني أرفدة» وقوله صلى الله عليه وسلم لعائشة رضي الله عنها «أتشتهين أن تنظري» كل هذه الأحاديث الصحيحة(61) تدل علي رخصة اللهو المباح من المرئيات والمسموعات وقال الغزالي فيها:

الأول: اللعب ولايخفي عادة الحبشة في الرقص واللعب.

الثاني: فعل ذلك في المسجد.

الثالث: قوله صلى الله عليه وسلم: «دونكم يا بني أرفدة» وهذا أمر باللعب والتماس له، فكيف يقدر كونه حراما؟.

والرابع: منعه لأبي بكر و عمر رضي الله عنهما عن الإنكار والتعليل والتغيير، وتعليله بأنه يوم عيد أي هو وقت سرور وهذا من أسباب السرور.

والخامس: وقوفه طويلا في مشاهدة ذلك ولسماعه لموافقة عائشة رضي الله عنها وفيه دليل على أن حسن الخلق في تطييب قلوب النساء والصبيان بمشاهدة اللعب أحسن من خشونة الزهد.

السادس:" قوله صلى الله عليه وسلم لعائشة ابتداء أتشتهين أن تنظري؟"

والسابع: "الرخصة في الغناء والضرب بالدف من الجاريتين"(62).

وكل هذه الرخص تدل على أنّ ترويح القلوب باللهو المباح جائز ولا بأس به والعبرة في النية، وأما ما ينشره اليوم الإعلام فهو شيء لا يرتاح به مؤمن ولا يرضى به ضمير مسلم وهو أخطر أنواعه التلوث الخلقي الذي يفسد عقائد الناس الصحيحة وأخلاقهم الفاضلة، ويسلخهم من هويتهم ويزلزل قيمهم الدينية والخلقية ويشغلهم بالهزل عن الجد وبالدنيا عن الآخرة فخسر الطالب والمطلوب.

كل الأفلام والمسلسلات، والمسرحيات، والأغاني التي ينفق عليها الملايين وهي لا تتقيد بعقيدة ولا أخلاق ولا قيم ولا يفكر في الحلال والحرام إنما هي أشد خطرًا على الأمة من الحشيش والمخدرات لأن الصغار إذا رأوا الأ جساد العارية والشهوات الظاهرة تربوا على أن هذا هو الأمر الواقع فضاعوا بفقد الحياء الذي هو زينة المؤمن فغاب العطف والرحمة والمودة والشهامة عن المجتمع وبقي الإنسان بدون قلب سليم فكل الإنفاق على مثل هذه المرئيات والمسموعات حرام قد حذر الله تعالى منه في القرآن الكريم؛ إذ يقول تعالى:" ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾" (63).

وفي الحديث الصحيح «من سنّ في الإسلام سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيئ» (64).

وعن علي رضي الله عنه قال: القائل الفاحشة والذي يشيع بها في الإثم سواء (65).وبذلك منع الإسلام سريان الفاحش في أوصال المجتمع حتى يكون الناس في عفة نفسية وطهارة روحية؛ فتزدهر المواهب وتنمو القدرات في صالح الإنسان، أشرف المخلوقات.

المطلب الرابع: نية الطاعة في الإنفاق

١ – النية من الإنفاق في الاقتصاد الوضعي:

إن النية والهدف للانتاج والاستهلاك في الاقتصاد الوضعي واضح وصريح من حيث إنه لا يحتاج إلى وقفة طويلة،لقد ارتضى الاقتصاد الوضعي بالأهداف الخاصة غاية له، فالإنسان يعمل وينتج ويستهلك مدفوعا ومستهدفا شيئا واحدًا هو إشباع نفسه والحصول على المال والمزيد منه ممثلا في مختلف أشكاله من نقود وسلع وخدمات. ولو تحقق من عمله مصالح اجتماعية للناس فإنّ ذلك يأتي عرضا وتبعا و بغير قصد وبذلك صرح أبوالاقتصاد الوضعي آدم سميث و اشتهرت مقولته في ذلك من كتابه الشهير«ثروة الأمم»(66). ويقول آدم سميث في موضع آخر: « ليس بفضل و كرم والجزار أو صانع الجعة أو الخباز ما يسمع لنا بتوفير الطعام لعيشنا، بقدر ما يرجع ذلك إلى نظرتهم إلى مصالحهم الخاصة. وعندما نطلب خدماتهم فإننا لا نتوسل إلى إنسانيتهم بقدر ما نستحث مصالحهم الشخصية وهكذا، فعندما نتوجه إليهم فطننا لا نعرض عليهم حاجتنا بل ظننا نستثير مصالحهم الشخصية، فلا أحد سوي الشحاذ الذي يمكن أن يعتمد في حياته على أفضال الآخرين». ويذكر سميث اتجاه الفرد فيقول بأنّه: بسعيه لتحقيق مصالحه الخاصة فهو غالبا ما يحقق مصالح الجماعة بشكل أكثر فاعلية، فما يكمن تحقيقه عندما يعمل باسم المصلحة العامة. فأما (سميث) لم أصادف خيرا من وراء هؤلاء الذين يعلنون العمل من أجل المصلحة العامة (67). فالاقتصاد الوضعي يسمح بحصول المال بأي وسيلة مشروعة كانت أو غير مشروعة وإنفاقه فيما يرضاه صاحب المال بدون أي تمييز بين الحلال والحرام والنافع والضار، فالملاحظ هنا المصلحة الخاصة فقط.

٢- النية في الاقتصاد الإسلامي:

أما الاقتصاد الإسلامي فهو ربّاني المنطلق من أول يومه وكل عمل ونشاط يؤديه المؤمن يكون بنية طاعة الله عزّ وجل حسب الدستور السماوى وفي مصلحة الناس أجمعين.

والمؤمن إذا عمل أوْ أنتج فهو يمتثل لأمر الله سبحانه في تعمير الأرض كما جاء في قوله تعالى:" ﴿هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾"(68). وإذا أكل وشرب فهو في طاعة الله أيضا إن لم يسرف فيها" ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾"(69). فالإنسان المسلم يتميز عن غيره عند الإنفاق الاستهلاكي في تحديد النية فهو دائما يستهلك ويستمتع بطيبات الحياة على أنها من رزق الله و نعمته على عباده وكل ما يعمله هو استجابة لأوامر الله فلا ينسي إخلاص النية في كل قول وعمل ونشاط كما يقول الله تعالى:" ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾"(70).

ورسول الإسلام صلى الله عليه وسلم قد بين أهمية النية في قوله الشريف: «إنما الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى»(71). إن عقل المؤمن وقلبه غير عقل الجاحد المتشكك وقلبه، ولكل عالمه الخاص، لأن الكافر يفكر دائمًا في تحقيق شهواته ومنافعه المادية العاجلة والمؤمن يتصل من خلال عمله بربّه القادر، فعالمه رحب فسيح متصل بالأزل والأبد مستوعب للمادة والروح والغيب والشهادة والحياة وما بعدها،وهذا الشعور يجعله يتصرف في كسبه وإنفاقه طبقاً للحدود الإلهية فلا تتجاوزها.

يقول ابن الحاج في ذلك: «اعلم رحمنا الله وإياك أنّ النية النافعة هي أن يقصد المرء بعمله وجه الله تعالي، سواء كانت النفس تحب ذلك و تشتهيه أو تبغضه وتقليه، فإن السنة –ولله الحمد – لم ترد بمخالفة النفس على الإطلاق، بل باتباعها للأمر والنهي وإنها محكومة لا حاكمة، مأمورة لا آمرة، فإن صادف الامتثال غرضها واختيارها وشهرتها لم يضر العامل ذلك»(72). فالمؤمن يثاب على كل عمل ومهنة ونشاط حتي قال صلى الله عليه وسلم: «وفى بضع أحدكم صدقة» الحديث(73)، يدل على أجر ممارسة الحياة الزوجية وفي ذلك يقول ابن الحاج معلقاً: «فدل هذا الحديث على أن الإخلاص ليس من شرطه ألا تكون فيه شهوة باعثة على فعل العمل، بل يشترط فيه شرط واحد وهو أن تكون حظوظ النفس وشهواتها تابعة للنية الصالحة وتكون النية جميعها متوجهة لمجرد العبادة»(74).

٣ – هدف المسلم من الإنفاق الاستهلاكي:

ويتضح من هضا أن المسلم لاينبغي له أن يكون هدفه من نشاط الاقتصادي هو تحقيق العائد المادي فقط لأن الله سبحانه قسم أرزاق الناس فهو أمر مفروغ منه بل عليه أن يتجه بنيته إلى عبادة الله تعالى كما أمره سبحانه:" ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾"(75).

ولأن الرزق لايسوقه حرص حريص ولايجلب بالحيل والتدبير ألا ترى أن كثيراً ممن لا يحسن التصرف في المال لديه كثير، وعكسه ممن يحسن التصرف بسبب حذقه ونباهته فقيرلا شيء له، وكذلك تجد بعض من لا يحسن صنعة لديه الرزق كثير و بعض من يحسن جملة صنائع لا يقدر على قوت يومه إلا بمشقة وتعب(76).

وإذا كان كذلك فيحصل منه أنه لا فرق بين صلاته و تصرفه فيما هو فيه. إذ إن كل ذلك قد رجع إلى الله تعالى خالصا، فيبقي في كل أحواله متقلبا في العبادات وهذا – النشاط الاقتصادي – أفضلها بعد الإيمان بالله وأداء المفروضات لأن هذا نفع متعمد وذلك أرجع في الوزن وأعظم عند الرب(77)، وإذا نظرنا إلى مبادئ وأحكام الإسلام في هذا الصدد فهمنا حكمة الله تعالى في ربط الرزق بالأسباب في مسالك النشاط الاقتصدي المختلفة وتقسيمها كما يلي:.

٤ – مسالك النشاط الاقتصادي:

نجد أن النشاط الاقتصادي يتسع لثلاثة مسالك قد يسلكها المسلم.

أولاً: أن يكون الهدف هو مجرد الطاعة والامتثال دون أن يكون لتحقيق العائد المادي أي مدخل في ذلك وهذا المسلك هو مسلك كبار الورعين.

ثانيا: أن يكون الهدف هو السابق مضافًا إليه الحصول على العائد المادي وهذا مسلك جمهور المسلمين.

ثالثًا: أن يكون الهدف هو فقط الحصول على الرزق أو العائد المادي ليؤمن لنفسه متطلبات حياته وهذا المسلك أيضًا غير مرفوض إسلاميًا كمن يستهلك لمجرد الاستمتاع بالحلال(78).

نتيجة البحث:

والحاصل على أن الباعث والدافع في إنفاق المسلم لا بد أن يكون طاعة الله تعالى فيما أمر به وفيما نهي عنه وهذا هو الفرق بين الاقتصاد الاسلامي والاقتصاد الوضعي فالمؤمن يكسب من الحلال الطيب وينفق في الحلال الطيب للحصول على مرضاة الله تعالى قبل كل شيء فهو يقضى حاجته ويأخذ بيد الآخرين لتصل سفينة حياته إلى بر الأمان في الدنيا وليفوز هو في امتحان يوم الآخرة،وبالله التوفيق.

حواشي

(1) د / محمد رواس قلعه جي (بتصريف قليل). مباحث في الا قتصادالإسلامي من أصوله الفقهية ص 94، دار النفائس، بيروت، 1991م ، الطبعة الأولى.

(2) سورة البقرة، 267/2.

(3) سورة البقرة، 3/2.

(4) تفسير القرطبي للآية الثالثة من سورة البقرة.

(5) أخرجه أبوداود، كتاب الزكاة باب صلة الرحم: 178/2 ط السعادة، والنسائي كتاب الزكاة باب (الصدقة عن ظهر غني) 47/5 ط. مصطفى الحلبي بمصر، احمد: 251/2، ط. دار صادر بيروت.

(6) سورة الجن، 16/72.

(7) سورة الأعراف، 96/7.

(8) سورة المائدة، 4/5.

(9) المنتخب في تفسيرالقرآن الكريم،الطبعة التابعة للمجلس الأعلى للشئون الإسلامية بمصر،ص145.

(10) سورة المائدة، 88/5.

(11) سورة سبأ، 15/34.

(12) سورة الكهف، 19/18.

(13) سورة الأعراف: 26/7.

([14]) سورة الأعراف: 31/7.

([15]) أبو داود في كتاب اللباس (40639) باب في غسل الثوب و في الخلقان: 76/4، ط. السعادة، والنسائي في الزينة (180، 181) باب الخلاخل 158/8، مصطفى الحلبي بمصر، أحمد: 137/4، ط. دار صادر بيروت.

([16]) سورة الفرقان، 47/25.

([17]) سورة النحل، 80/16.

([18]) رواه أحمد عن أبي موسى الأشعري 152/1، دار صادر بيروت، والترمذي عن أبي هريرة وحسنه، كتاب الدعوات باب 79، 527/5ط. مصطفى الحلبي بمصر.

([19])رواه أبو نعيم في الحلية ج 6 ص 175، أحمد في المسند: 168/1، وذكر (من سعادة ابن آدم ثلاثة وشقوة ابن آدم ثلاثة ولم يذكر فيه الجار الصالح والجار السوء) ط. دار صادر بيروت.

([20]) سورة النحل، 8/16.

([21]) محمد رواس قلعه جي، مباحث في الاقتصاد الإسلامي من أصوله الفقهية ص 95.

([22]) المغني لابن قدامة 583/7، البدائع: 30/4، المهذب: 65/2.

([23]) المغني 584/7.

([24]) سورة النحل، 90/16.

([25]) سورة الإسراء، 26/17.

([26]) سورة الروم، 38/30.

([27])رواه النسائي عن حديث جابر بن عبدالله كتاب الزكاة باب أيّ الصدقة أفضل: 52/5 ط. مصطفى الحلبي بمصر.

([28]) البخاري مع حاشية الهندي: 5/2 باب (أنفقوا من الطيبات). طبعة دار إحياء الكتب العربية، عيسي البابي الحلبي.

([29]) البدائع: 23/4 – 25 ، فتح القدير: 322/3، الدر المختار: 886/2، بداية المجتهد المهذب: 161/2، 162 المغني: 564/7، 567.

([30])متفق عليه، رواه البخاري (17/1)، كتاب الإيمان، مكتبة النهضة الحديثة، وأحمد في مسنده : 273/5، ط. دار صادر بيروت، واللفظ هنا لمسلم (47) 40/3، ط. دار الشعب بمصر.

([31]) سورة الطلاق، 7.

([32]) سورة البقرة ، /2.

([33]) سورة آل عمران، /92.

([34]) سورة البقرة ، /274.

([35]) سورة سبأ، /39.

([36]) سورة عمران، /133-134.

([37]) سورة الإنسان، 8/76-9.

([38])صحيح البخاري: كتاب البيوع وغيره، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ 3/2 ط. عيسى الحلبي، رواه الترمذي، باب ما جاء في مواساة الأخ 328/6، ط. مصطفى الحلبي، قال أبو عيسى: حسن صحيح.

([39]) سورة الحشر: 9/59.

([40])رواه مسلم كتاب الوصية برقم 11، 167/4، دار الشعب، أحمد: 372/2، دار صادر بيروت، أبو داود، كتاب ابو صايا، باب ما جاء في الصدقة عن الميت 159/3، ط. السعادة.

([41]) سورة البقرة، 261/2-262.

([42]) سورة التوبة، 111/9.
([43]) سورة البقرة: ١٩٥.
([44]) سورة الإسراء: ٢٧.
([45]) رواه مسلم عن ام سلمة رضي الله عنها، كتاب اللباس برقم 1، 763/4، دار الشعب.
([46]) رواه البخاري، كتاب الأشربة، باب آنية الفضة: 327/3، ط عيسى الحلبي بمصر.
([47]) المغني لا بن قدامة ج 8/ص 323.
([48]) إحياء علوم الدين كتاب الشكر و الصبر ج 4 ص 79 ط. مصطفى الحلبي بمصر والحديث سبق قريبا.
([49]) رواه الشيخان واللفظ لمسلم، وقد سبق آنفا.
([50]) سورة المائدة، 3/5.
([51]) سورة المائدة، 90/5.
([52]) رواه الترمذي في الأشربة (باب الروايات المغلطة في شرب الخمر)، قد سبق.
([53])حديث رواه مسلم (في تحريم الخمر) كتاب الأشربه ٧٧، ص ٦٦ دار الشعب.
([54])رواه البخاري عن ابن مسعود ك الأشربة، باب شراب الحلو والعسل: 325/3. ط عيسى الحلبي بمصر.
([55])رواه أبو داود (كتاب الطب، باب في الرجل يتداوى 6/3، ط، السعادة).
([56])رواه مسلم وأصحاب السنن، مسلم كتاب الأشربة برقم 12، 666/4، ط دار الشعب، أحمد في المسند، 317/4، دار صادر بيروت.
([57])مسلم في الطهارة 89، أحمد: 245/2.
([58])رواه الترمذي كتاب الأدب، باب ما جاء أن الملائكة لا تدخل بيتا فيه صورة أو كلب: 115/5، مصطفى الحلبي، قال عيسى: حسن صحيح، أبوداود، ك اللباس، باب في صور 103/4، السعادة، أحمد: 305/2، دار صادر بيروت.
([59])رواه الجماعة: الخاري كتاب الذبائح والصيد والقسمة على الصيد، باب من اقتنى كلبا ليس بكلب صيد أو ماشية: 306/3 ط، عيسى الحلبي، مسلم في المساقاة بنفس الألفاظ برقم 46، 81/4 أبوداود. كتاب الصيد باب اتخاذ الكلب للصيد وغيره 144/3 ط. اسعادة / (دارالشعب) أحمد، 8/2، ط. دار صادر بيروت.
([60]) رواه ابن ماجه كتاب النكاح باب إعلان النكاح 1900، 1/612-613، ط عيسي الحلبي أحمد 391/3، دار صادر بيروت.
([61]) البخاري كتاب المناقب، باب الجيش وقول النبي صلى الله عليه وسلم: يا بني أرفدة 148/4، مكتبة النهضة الحديثة، أحرجه مسلم، كتاب العيدين برقم 17، 545/2، دار الشعب، أحمد 33/6، دار صادر بيروت.
([62]) إحياء علوم الذين (ربع العادات، كتاب السماع).
([63]) سورة النور، /19.
([64]) رواه مسلم كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وإنها حجاب من النار،ج 2، ص 705، حديث رقم 1017.
([65]) الأدب المفرد للبخاري ج 1،ص 49 المطبعة التازية 1349هـ.
([66]) An inquiry in to the nature and causes of the wealth of nations. Ed. Edwin cannac, A. smith, p. 423. book, 5.Chapter. 77, Modern Library, 1937, N.Y;
([67]) نظرية الشعور الأخلاقي، لآدم سميت: ١٧٥٩. "The Theory of Moral Sentiments" نقلا عن د. حازم الببلاوي في «دليل الرجل العادي إلى تاريخ الفكر الاقتصادي ص ٥٦ ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب ١٩٩٦م، والنص الإنجليزي كالتالي:
(i) It is not from the benevolence of the butcher, the brewer ot the baker, that we expect our dinner but from their regard to their to their own in terest. We address ourselves, not to their

humanity but to their self- love, and never talk to them of our own necessitates but of their advantages. Nobody but a beggar chuses to depend chiefly upon the benevolence of his fellow – citizens.

(ii) By pursuing his own interest he frequently promotes that of the society more effectually than when he really intends to promote it. I have never known much good done by those who affect to trade for the public good.

(68) هود: ٦١.

(69) الاعراف: ٣١.

(70) البينة:٥.

(71) رواه البخاري في أول صحيحه، في الإيمان كتاب بدء الوحي (باب ما جاء أن الأعمال بالنية الحسنة ولكل امرئ ما نوي) ومسلم في الإمارة (باب قوله صلى الله عليه وسلم إنما الأعمال بالنية) حديث رقم ١٥١، ٥٧١/٤، دار الشعب.

(72) المدخل، ٢٩٧/٤.

(73) مسلم ك الزكاة، باب بيان إن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف برقم: ١٠٠٦، أحمد ١٥٤/٥، ١٦٧، والإمام البخاري في الأدب المفرد، ٢٢٦.

(74) المدخل: ٢٩٨/٤.

(75) الذاريات: ٥٦.

(76) المدخل لابن الحاج: ٢٩٨/٤.

(77) المرجع السابق: ٤/٤، الذريعة إلى مكارم الشريعة، ص ٩٥.

(78) د. شوقي أحمد دنيا، بحث في الدوافع والأهداف في المجال الاقتصادي، مجلة البحوث الفقهية المعاصرة، العدد السابع والعشرون، ١٤١٦ه، (الرياض)، ص ٨٦.

STOCK AND COMMODITY MARKET LINKAGES: AN ARDL APPROACH

Asim Rafiq, Assistant Professor, Hamdard Institute of Management Sciences.
Syed Shabib-ul-Hassan, Vice Chancellor, Hamdard University.
Kiran Jameel Assistant Professor, Hamdard Institute of Management Sciences.

ABSTRACT: *The objective of this research is to investigate the linkages between the Islamic emerging markets & the International commodity markets with the US stock market. Data based on monthly stock prices of Islamic emerging stock markets, USA & international commodity market prices 1995 to 2019. Auto regressive Distributed lag model used to investigate the linkages between these markets. The results revealed that the Islamic Emerging stock markets are not long run linked with USA stock market and there is also no long run relationship between USA and international commodity market. So it is concluded that it will be a beneficial for the both investors in Islamic emerging stock market and in United States for the perspective of the risk management to invest alternatively in these markets if one is not providing the good returns as well in the international commodity market as an alternative investment.*

KEYWORDS: *Islamic Emerging markets, Commodity markets, ARDL, Risk management, Diversification.*

1. Introduction

Analysis of Financial markets integration is the dominant behavior in the field of finance. Investors can be better off if there is a weak integration in the international financial markets by diversifying their portfolios internationally. According to Harry Markowitz internationally diversified portfolios exhibit less risk & higher returns than domestic diversified portfolios. Market risk also known as systematic or Un-diversifiable risk is the risk related to entire market.

Modern Portfolio Theory attributes the globalization of financial markets to reduce the portfolio risk related to a domestic level market risk (Markowitz, 1995). Linkages or the interdependence among the stock markets is crucial issue for the portfolio management, investors would only benefit by diversifying internationally if there is low linkage or interdependence among the markets or segments for the asset allocation decision (Melvin and Norrbin, 2013). USA financial markets are considered to be benchmark market for rest of markets (Cheung and Mak, 1992).

However, as financial crises offended stock markets worldwide investors & traders moved their investment to the commodity market as an alternative class especially in Gold as a safe heaven. International diversification not only reduces the risk of economic instability but also provides growth opportunity in foreign financial markets and down with distinct political & economic structure also these markets are more mature, innovative and regulated than the other less developed markets. There are some studies carried out in emerging and frontier financial markets too but still there is room to do more especially last decades revels that emerging financial markets are the most desirable avenue for the investors & also researchers are interested in these market because they have tendency to become a developed financial markets or they

were in the past, they have characteristics of developed market to the some extent but still yet to have meet the standard of the developed financial markets.

Another crucial issue at macro level is volatility in commodity prices in international markets which fuels inflation. Analysis of linkage between stock and commodity prices are area of interest of the researchers, analyst & investors, as commodities as an alternative investment for most of the portfolio. Firm's uses commodities as a raw material as well and as the demand of their product increases companies buy more raw material which ultimately increases the prices of the commodities. Investors and traders try to identify the trend in one market by simultaneously looking at the other one. Commodities bases economies, industries and firms also hedge by selecting an alternative investment strategy among the asset classes by comparing risk and return.

The core objective of this paper is to investigate the linkage between the USA and the Islamic emerging economies including Iran, Qatar, Pakistan, Indonesia, Malaysia & Bahrain. The rationale behind investigating the linkage with USA is twofold (1) USA financial markets are the benchmark for international markets. (2) International diversification involves currency risk and most of the trade in the world especially in Islamic Countries in US dollars. Islamic emerging financial markets are included with view of that they shared some common social, political, economic & cultural characteristics which have significant impact on the investor & marker behavior.
This study is limited to the Islamic emerging economies including Iran, Qatar, Pakistan, Indonesia, Malaysia & Bahrain & international commodity market prices including commodity prices of Gold and Crude Oil with USA stock market as the benchmark market. Data will consist of monthly stock prices & of commodity prices from 1995-2019.

2. Literature Review

Current research in international stock prices behavior can be categorized into four areas. First French and Poterba (1991) examine that under the framework of mean variance analysis, implies international diversification benefit and correlation among the national equity markets. Second area focus on asset pricing and equity returns are explained by this model (Harvey, 1991; Engel, 1994). Third, King and Wadhwani (1990) investigate shocks among financial markets and transmission of information between national equity markets. Fourth area Cutler, Poterba and Summers (1991) examined that return are as predictable as in the USA stock market.
Grubel (1968) explain his two countries asset classical model that the international diversification benefit only can be enjoy if there is less than one correlation among the markets. Jeon and Chiang (1991) investigate market liberalization, computerized trading systems, deregulation, rapid developments in communication technology and mounting activities by multinational firms as contributing factors to market integration common trading blocks formation and the development also promote the interdependence or linkage among the NAFTA, ASEAN and Eastern Union. Cheung and Mak, (1992) investigate the relationship between the Islamic emerging and

developed financial market and result suggest that USA market is proved to be a "global factor" which plays a vital role in the movement in the Islamic emerging financial markets. Cheung (1993) investigate intertemporal patterns of the coefficient of correlation between Islamic emerging markets and the developed markets and found that there is instability in the coefficient of correlation over the time but confirms the diversification benefits of investment in this particular region. Karolyi & Stulz (1996) examined the co-movement between USA and Japan stock market using daily returns from 1988 to 1992. Result revealed that there is high co-variance and correlation when there is an intense market movement occurred. This suggest that there is no benefit of diversified globally when large shocks in national equity markets. Christofi & Pericli (1999) examine the interdependence among the stock markets of Mexico, Columbia, Argentina, Chile and Argentina during 1992 to 1997. Results suggest that there is high level of interdependence among these markets. Likewise, Choudhry (1997) observed the interdependence among the Brazil, Mexico, Argentina, Chile, Venezuela and the Colombia result are in accordance with the result of Islamic emerging economies, the Latin emerging America showed interdependency.

Contrary to above literature in support of empirical finding for the linkages among the stock markets, Jarrett & Sun (2012) examined the New York & Shanghai stock indices using time series serial correlation for the period of 1991 to 2009. To investigate the co-movement between Shanghai and New York stock market they used the serial correlation and rate of return and volatility of the returns between these two markets and found the positive serial correlation between Shanghai stock prices and the New York stock prices. Using multivariate regression analysis, they found that either of the markets have very low causal effect. They conclude the no integration between the New York and Shanghai stock market. Ranta (2013) applied wavelet analysis to find the co-movement between USA, Japan, UK, Germany and find that unified time-frequency by country and at low frequency are strong. Liu, Pan, & Shieh (1998) investigate how consistent relationship among the developed Islamic markets and the emerging markets. Islamic markets include (Hong Kong, Singapore, Thailand, Japan and Taiwan) and the USA. Data is divided into two subsamples of 2 January 1985 to 16 October 1987, and 19 October 1987 to 31 December 1990. Results suggest that there is an increase in the general equity market and increase in the Islamic Pacific region as well after the 1987 crisis. Ghosh, Saidi & Johnson (1999) examine the long-term relationship between Indian, Japan and US markets in the period of financial crisis of 1997 and find the co-integrated relationship between Indian & the USA stock market but no co-integrated relationship between Japan and Indian stock markets. Cha & Oh (2000) investigate the interdependence among the stock market of Islamic emerging markets including Singapore, Hong Kong, Taiwan & Korea) with Japan & USA. Study concluded that there is increase in co-movement between Islamic emerging markets with USA & Japan after the stock market crash of

1987. Narayan, Smyth, & Nandha (2004) examined the four south Islamic stock markets including Karachi stock exchange (KSE 100) for Pakistan, All share for Bangladesh, Colombo SE All shares for Srilanka & Bombay SE National 200 for India. In addition to descriptive statistics, Granger causality & variance decomposition is used. Result suggests that India, Bangladesh & Sri Lanka have causality on Pakistan. Daly, 2003 examined the ASEAN stock market integration during post crisis interval using daily closing indices from 1990 to 2003 and concluded that there is significant market integration among the ASEAN stock markets. Ibrahim (2005) studied the ASEAN stock market integration from the point of view the Indonesian stock market by applying co-integration and vector auto regressive model during 1988 to 2003. Result suggests that there is co-integration relationship among the ASEAN stock markets. Rua & Nunes (2009) examine the co-movement among developed financial markets and find that co-movement differs from country to country but contingent on the frequency level, at low frequency level there is high co-movement and higher the benefits of global diversification. The result also supports the distinction between long- and short-term investors Candelon, Piplack, & Straetmans (2008). Graham, Kiviaho, & Nikkinen (2012) examined the interdependence of USA stock market with 22 emerging stock markets and find there is higher interdependence but relatively less frequent between individual emerging stock markets and USA stock markets. Result suggests that there is higher interdependence between Korea, Brazil and Mexico and USA stock market.
Arshanapalli & Doukas (1993) investigate the developed Japan and USA with the developing markets post crisis of 1987. Sample used from 1986 to 1992 which is split between pre crisis from January 1986 to September 1987 and the post crisis from November 1987 to December 1992. Results suggest that there is no co-integration between developed and the developing markets pre- crisis, but post crisis period showed increase co-integrated relationship. Ratanapakorn & Sharma (2002) examined long and short-term interdependence between the Latin America, Europe, Eastern Europe, and Asia & USA for the financial crisis pre & post analysis. Pre-Islamic crisis does not support any long-term relationship but one significant relationship during the crisis was observed. Hee Ng (2002) investigate the linkages among south-east Islamic stock markets during 1988-1997 through the use of co-integration and correlation analysis, covered interest rate parity and a time varying parameter model. Result reveals that there is no co-integrated relationship among ASEAN equity markets, but correlation is found among the markets. Dunis & Shannon (2005) examined the south-east Asia emerging stock markets including Philippines, Indonesia and Malaysia in connection with central Islamic markets including China, Korea, India and Taiwan with three world developed markets including Japan, USA and UK in the meanwhile of post 1997 Islamic financial crisis. Conclusion is that around all the emerging markets are closely connected with Japan stock market. Although there is a steady or declining rate of integration with USA and the UK markets. Rafiq, A., & Hassan, S. (2019) investigate the interdependence of the stocks markets in emerging

economies and found markets are interdependent over the time.

Sadorsky (1999) investigate the relationship between stock prices in USA and the oil prices and observed that positive change in oil prices have significant impact rather than negative change on stock prices. Kilian & Park (2009) investigate the relationship between USA stock and oil prices and observed that 1% variation in real stock returns in USA is due to oil prices shocks in short term. However, 22% of variation is observed in long term. Lin, Fang, & Cheng (2010) investigate the relationship between stock price of oil and gas companies in Poland, Czech Republic, Hungary, Slovenia and Romania. Result suggests that there no relationship between oil prices and the stock prices. Zhang & Wei (2010) applied co-integration & error correction model using daily data from 2000 to 2008, spot oil Brent prices in US dollars and Gold prices & they found that high positive view of correlation between gold and the spot crude oil prices and change in the gold prices caused by change in the crude oil prices. Investigate the impact of gold prices on stock and bonds markets; data is collected from 1970 to 1988. Result suggests that stock and bond markets have negatively correlated with Gold prices.

Sharma, G.D. & Mahendru, M. (2010) also examined the impact of macro-economic variables including Gold prices, inflation, foreign exchange rates using data 2008 to 2009 of Indian economy and result suggest that stock prices have an impact of foreign exchange and gold prices. Moore (1990) Investigate the impact of gold prices on stock and bonds markets; data is collected from 1970 to 1988. Result suggests that stock and bond markets have negatively correlated with Gold prices. Wang and Haung (2010) exchange rates, Oil prices and gold prices of dollars in contrast with stock market of USA, Japan, Germany, Taiwan and China result suggest that there is long term relationship among variables except in USA. Based on the above discussion we can concluded that market interdependence is not a consistent phenomenon it is time varying among the same markets and there is a change in the categories of the countries among developed, developing, emerging economies, advance emerging economies and Frontier markets.

There is also a gap which is that most of the past studies only emphasized on the stock markets only and commodity market has been ignored for a long time, so we also emphasize the commodity market as well as stock market interdependence in Islamic emerging economies' stock markets.

3. Methodology

The sample data is related to stock prices of USA(S&P Shariah Indices Dow Jones Islamic Market Indices), Iran, Qatar, Pakistan, Indonesia, Malaysia & Bahrain & international commodity market prices including commodity prices of Gold and Crude Oil from 1995 to 2019. Statistical data is collected from the Yahoo Finance, International monetary fund & international financial statistics web sites. Closing values of all indices & Gold and the crude oil will be employed for data analysis. Auto Regressive Distributed lag model will be used for the analysis of the linkages

between the Islamic emerging stock market and the international commodity market with USA (S&P Shariah Indices Dow Jones Islamic Market Indices) stock market.

4. Data Analysis.

4.1 Stationary Test

We employed Augmented Dickey Fuller & Phillip Perron tests result suggest that all the variables are stationary at first difference in both type of test except turkey stock market represent by XU100 which is stationary at level in Phillip Perron test of stationary.

4.2 Auto Regressive Distributed Model

There are several econometric techniques in available to test co-integration among the time series data. To test uni-variate time co-integration examples of FMOLS procedures of Phillips and Hansen (1990) & Engle-Granger (1987) are there, for multivariate Johansen Juselius (1990) used. But the multivariate co-integration is only can be used when all the variables are stationary at first difference. To address this issue the proposed technique is Auto regressive distributed lag model (Pesaran and Shin, 1995, 1998; Pesaran et al., 1996; Pesaran et al., 2001).

$\mathbf{Y_t}$ is an explanatory variable, is the constant term, **L** is the lag operator such that $\mathbf{L_{yt} = y_{t-1}}$, w_t is s multiply **1** vector of deterministic variables such as intercept term, time trends, or exogenous variables with fixed lags. The ARDL technique includes two stages for evaluating long run relationship (Pesaran et al., 2001). The initial step is to explore the presence of long run relationship among all factors in the Equation under estimation. The ARDL technique gauges (p + 1) k number of relapses to get ideal slack length for every variable, where p is the greatest number of slacks to be utilized and k is the quantity of factors in the condition. Second phase is to measure the long-run association and short-run bi-directional causality between running actors. We execute second step only, if we catch a long run association in the initial step (Narayan et al., 2005) with unrestricted intercept and unrestricted trends (Pesaran et al., 2001).

4.3. Analysis of Model Selection

Table. 1

Model	**Lag(7)**		**Lag(6)**		**Lag(5)**		**Lag(4)**		**Lag(3)**		**Lag(2)**	
Criteria	**AIC**	**SIC**	**AIC**	**SIC**	**AIC**	**SIC**	**AIC**	**SIC**	**AIC**	**SIC**	**AIC**	**SIC**
	-4.974	-3.559	-4.958	-3.739	-4.9906	-3.9327	-5.028	-4.1268	-5.077	-4.371	-5.090	-4.558

Model selection criteria are AIC & SIC, results suggest that the best possible model is with lag (2).

4.4. Serial Correlation Test of Selected Model

Table. 2

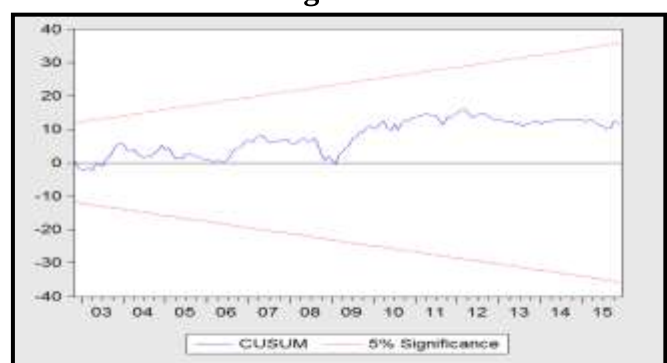
Breusch-Godfrey Serial Correlation LM Test:			
F-statistic	1.4449	**Prob. F(2,156)**	0.2389
Obs*R-squared	3.4374	**Prob. Chi-Square(2)**	0.1792

After the model selection next step is to test the serial correlation testing and the result shows that there is no serial correlation in the model. Next step is check for the model stability.

4.5. Model Stability

If the blue line under the both two red lines we can consider this model as stable. Result shows that model is stable and we use this model for the examination of the long term relationship between the variables.

Figure. 1



4.6. Test of Co-integration

The asymptotic distributions of F-statistics are non-standard under the null hypothesis irrespective of whether the variables are purely I(0) or I(1), or mutually co-integrated.

<u>Null hypothesis of the co-integration is stated below</u>

H_{o1}: There is no linkage between stock markets of the USA and the Islamic emerging economies.

H_{o2}: There is no linkage between the USA and the International Commodity market.

The data will be analyzed using the criteria of F-values and the upper and the lower

bound value provided by Pesaran and Pesaran (1997). If the F-statics value is greater than the upper bound value, we can reject the null hypothesis of no co-integration. If the values lie between the upper and the lower bound the test will be inconclusive.

Table. 3

Wald Test:

Test Statistic	**Value**	**df**	**Probability**
F-statistic	2.0588	(10, 158)	0.0308
Chi-square	20.588	10	0.0242

Null Hypothesis Summary:

Normalized Restriction (= 0)	**Value**	**Std.Err.**
C(22)	-0.141013	0.062905
C(23)	0.007037	0.014157
C(24)	0.010883	0.047064
C(25)	-0.01712	0.012417
C(26)	0.094177	0.059056
C(27	0.019224	0.013892
C(28)	0.062024	0.07444
C(29)	-0.072072	0.05342
C(30)	0.000689	0.038656
C(31)	-0.014048	0.017934

4.7. Analysis of the co-integration Test of ARDL

Dependent Variable			**Wald Test**	
S&P 500			**F-Statistics**	**Lag Length**
			2.058881	(2)
Critical Values	**Pesaran et al(2001)**		**Narayan P(2005)**	
	Lower Bound Value	**Upper Bound Value**	**Lower Bound Value**	**Upper Bound Value**
1%	8.74	9.63	10.150	11.230
5%	6.56	7.30	7.080	7.910
10%	5.59	6.26	5.915	6.630

To test for the long term relationship among the variables we run the wald test to check are these variables(Islamic emerging stock market, commodity market & USA stock market) long run integrated or not. Result shows that these variables are not long run co-integrated as the value of F statistics is less than Pesaran & Narayan P lower bound values at 5% level of significance. Finally we conclude that the Islamic Emerging stock markets are not long run linked with USA stock market and there is also no long run relationship between USA and international commodity market. According to research findings it will be a beneficial for the both investors in Islamic emerging stock market and in United States for the perspective of the risk management to invest alternatively in these markets if one is not providing the good returns as well in the international commodity market as an alternative investment.

5. Conclusion

Researcher has endeavored best to ascertain whether is there any link between USA and Islamic Emerging stock markets and International commodity markets. Monthly data is cognate to stock prices of Islamic emerging stock markets including USA, Iran, Qatar, Pakistan, Indonesia, Malaysia & Bahrain & international commodity market prices including commodity prices of Gold and Crude Oil from 1995 to 2019. Auto regressive Distributed lag model put into the operation to investigate the linkages between USA and the Islamic emerging stock markets and the international commodity market.

First, the researchers, employed Augmented Dickey Fuller & Phillip Perron tests result suggest that all the variables are stationary at first difference in both type of test except turkey stock market represent by XU100 which is stationary at level in Phillip Perron test of stationary. Secondly, to examine the long run linkages Auto Regressive Distributed Model used among the available co-integration technique due to its advantage of different level of stationary. Before run the ARDL regression model first we need to select the best model on the basis of AIC and SIC values, so the suggested model is ARDL lag (2) model then next we check the model stability and find the ARDL lag (2) model is stable for testing long run linkages. The result of ARDL on the basis of criteria of F-values and the upper and the lower bound value provided by Pesaran and Pesaran (1997). If the F-statics value is greater than the upper bound value we can reject the null hypothesis of no co-integration. If the values lie between the upper and the lower bound the test will be inconclusive. Result shows that these variables are not long run co-integrated as the value of F statistics is less than Pesaran & Narayan P lower bound values at 5% level of significance.

Finally, we conclude that the Islamic Emerging stock markets are not long run linked with USA stock market and there is also no long run relationship between USA and international commodity market.

According to research findings it will be a beneficial for the both investors in Islamic

emerging stock market and in United States for the perspective of the risk management to invest alternatively in these markets if one is not providing the good returns as well in the international commodity market as an alternative investment.

References

Arshanapalli, B. & Doukas, J. (1993). International stock market linkages: Evidence from the pre- and post-October 1987 period. *Journal Of Banking & Finance*, *17*(1), 193-208. http://dx.doi.org/10.1016/0378-4266 (93)90088-u.

Candelon, B., Piplack, J., & Straetmans, S. (2008). On measuring synchronization of bulls and bears: The case of East Asia. *Journal of Banking &* Markowitz, H.M. (1959) Portfolio Selection: Efficient Diversification of Investments. John Wiley & Sons, New York.

Cha, B., & Oh, S. (2000). The relationship between developed equity markets and the Pacific Basin's emerging equity markets. *International Review of Economics & Finance*, *9*(4), 299-322.

Cheung, Y. (1993). A note on the stability of the intertemporal relationships between the Islamic-pacific equity markets and the developed markets: a non-parametric approach. *Journal of Business Finance & Accounting*, *20*(2), 229-236.

Cheung, Y.L. and S. C. Mak, (1992), "The International Transmission of Stock Market Fluctuations between the Developed Markets and the Islamic-Pacific Markets", Applied Financial Economics, 2, 43-47.

Choudhry, T. (1997). Stochastic Trends in Stock Prices: Evidence from Latin American Markets. *Journal of Macroeconomics*, *19*(2), 285-304. http://dx.doi.org/10.1016/s0164-0704 (97)00016-5.

Christofi, A. & Pericli, A. (1999). Correlation in price changes and volatility of major Latin American stock markets. *Journal of Multinational Financial Management*, *9*(1), 79-93. http://dx.doi.org/10.1016/s1042-444x(98)00047-4.

Daly, K. (2003). Southeast Islamic Stock Market Linkages: Evidence from Pre- and Post-October 1997.*Islamic Economic Bulletin*, *20*(1), 73-85. http://dx.doi.org/10.1355/ae20-1f. *Finance*, *32*(6), 1022-1035.

Dunis, C. & Shannon, G. (2005). Emerging markets of South-East and Central Asia: Do they still offer a diversification benefit? *Journal of Asset Management*, *6*(3), 168-190. http://dx.doi.org/10.1057/palgrave.jam.2240174

French, Kenneth R. And James M. Poterba, 1991, Investor diversification and international equity markets, *American Economic Review* (Papers and Proceedings) 81, 222-226.

French, Kenneth R. and James M. Poterba. "Investor Diversification and International Equity Markets," American Economic Review, 1991, vol. 81 (2), 222-226.

Ghosh, A., Saidi, R., & Johnson, K. (1999). Who Moves the Asia-Pacific Stock Markets-US or Japan? Empirical Evidence Based on the Theory of Co-integration. *Financial Review*, *34*(1), 159-169.

Grubel, H. (1968), International Diversified Portfolio: Welfare Gains and Capital Flows, American Economic Review, 58, 1299-1314.

Harvey, C. (1991). The World Price of Covariance Risk. *The Journal of Finance*, *46*(1), 111-157. http://dx.doi.org/10.1111/j.1540-6261.1991.tb03747.

Hee Ng, T. (2002). Stock Market Linkages in South-East Asia. *Islamic Economic Journal*, *16*(4), 353-377. http://dx.doi.org/10.1111/1467-8381.00157.

Ibrahim, M. (2005). International linkage of stock prices: the case of Indonesia. Management Research News, 28(4), 93-115.

Im, K. *M.. Pesaran H, and Y. Shin. 1995."Testing for Unit Roots in Heterogenous Panels."*. Working Paper 9526 (June). Department of Applied Economics, University of Cambridge.

Jarrett, J. E., & Sun, T. (2012). Association between New York and shanghai markets: evidence from the stock price indices. *Journal of business economics and management*, *13*(1), 132-147.

Johansen, S., & Juselius, K. (1990). Maximum likelihood estimation and inference on cointegration—with applications to the demand for money. *Oxford Bulletin of Economics and statistics*, *52*(2), 169-210.

Jeon, B.N., Chiang, T.C., (1991). A system of stock prices in world stock exchanges: Common stochastic trends for 1975–1990? Journal of Economics and Business 43, 329–338.

Karolyi, G. & Stulz, R. (1996). Why Do Markets Move Together? An Investigation of US.-Japan Stock Return Co-movements. *The Journal of Finance*, *51*(3), 951-986.

Kilian, L. & Park, C. (2009). THE IMPACT OF OIL PRICE SHOCKS ON THE U.S. STOCK MARKET. *International Economic Review*, *50*(4), 1267-1287. http://dx.doi.org/10.1111/j.1468-2354.2009.00568.x

King, M. & Wadhwani, S. (1990). Transmission of Volatility between Stock Markets. *Review* of Financial Studies. 3(1), 5-33. http://dx.doi.org/10.1093/rfs/3.1.5.

Lin, C., Fang, C., & Cheng, H. (2010). Relationships between oil price shocks and stock market: an empirical analysis from Greater China. *China Economic Journal*, *3*(3), 241-254.

Liu, Y. A., Pan, M. S., & Shieh, J. C. (1998). International transmission of stock price movements: Evidence from the US and five Islamic-Pacific markets. *Journal of Economics and Finance*, *22*(1), 59-69.

Markowitz, H. (1995). Portfolio Selection: Efficient Diversification of Investments, Wiley, New York, NY

Melvin M. and Norrbin S. (2019) International Money and Finance 9th Edition. Academic Press 2019.

Narayan, P., Smyth, R., & Nandha, M. (2004). Interdependence and dynamic linkages between the emerging stock markets of South Asia. *Accounting & Finance*, *44*(3), 419-439.

Narayan, S., & Narayan, P. K. (2005). An empirical analysis of Fiji's import demand function. *Journal of Economic Studies*, *32*(2), 158-168.

Pesaran, M. H., Shin, Y., & Smith, R. J. (1996). *Testing for the 'Existence of a Long-run Relationship'* (No. 9622). Faculty of Economics, University of Cambridge.

Pesaran, M. H., & Shin, Y. (1998). An autoregressive distributed-lag modelling approach to cointegration analysis. *Econometric Society Monographs*, *31*, 371-413.

Pesaran, M. H., Shin, Y., & Smith, R. J. (2001). Bounds testing approaches to the analysis of level relationships. *Journal of applied econometrics*, *16*(3), 289-326.

Rafiq, A., & Hassan, S. (2019). Macro-economic determinant and interdependence of the stock markets. *Economic Journal of Emerging Markets*, *11*(1), 104-112.

Ranta, M. (2013). Contagion among major world markets: a wavelet approach. *International Journal of Managerial Finance*, *9*(2), 133-149.

Ratanapakorn, O. & Sharma, S. (2002). Interrelationships among regional stock indices. *Review Of Financial Economics*, *11*(2), 91-108. http://dx.doi.org/10.1016/s1059-0560(02)00103-x.

Rua, A. & Nunes, L. (2009). International movement of stock market returns: A wavelet analysis. *Journal of Empirical Finance*, *16*(4), 632-639.

Sadorsky, P. (1999). Oil price shocks and stock market activity. *Energy Economics*, *21*(5), 449-469. http://dx.doi.org/10.1016/s0140-9883(99)00020-1.

Sharma, G. D., & Mahendru, M. (2010). Impact of macro-economic variables on stock prices in India. *Global Journal of Management and Business Research*, *10*(7).

Wang, M., Wang, C.P., Huang, T. (2010).Relationships among Oil Price, Gold Price, Exchange Rate and International Stock Markets. *International Research Journal of Finance and Economics*, *47*, pp. 80-89.

Zhang, Y. & Wei, Y. (2010). The crude oil market and the gold market: Evidence for co-integration, causality and price discovery. *Resources Policy*, *35*(3), 168-177.